# حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ

## ذات، صفات، خدمات
اور
## ملفوظات
(شخصی تاثرات اور مشاہدات کی روشنی میں)


بہ قلم

**مولانا محمد عبدالقوی**

ناظم ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد



ناشر

ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

## تفصیلاتِ طباعت

نام کتاب : حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ
نام مصنف : مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدظلہ العالی
صفحات : 200
کمپوزنگ : مولانا سید خواجہ نصیرالدین قاسمی
طباعت : عائشہ افسیت پرنٹرس 9346338145 9391110835
متصل مسجد رضیہ، روبرو فائر اسٹیشن، ملک پیٹ، حیدرآباد۔۳۶
ناشر : ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد
سن اشاعت : جولائی ۲۰۱۳ء
قیمت : -/150 روپے

### ملنے کے پتے

① فیضِ ابرار۔ متصل مسجد اکبری، اکبر باغ، حیدرآباد۔8885507860
② مکتبہ کلیمیہ ۔نزد درگاہ یوسفین، ناپلی، حیدرآباد۔9885655591
③ برکات بک ڈپو ۔نزد ادارہ اشرف العلوم خواجہ باغ، سعید آباد، حیدرآباد۔7702234385

# میں کیا عرض کروں؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ اَمَّا بَعْدُ !

اس ناکارہ اور اس کے خاندان پر اللہ تعالیٰ کے دیگر بے شمار احسانات وانعامات میں سے ایک اہم احسان یہ بھی ہے کہ اس کریم نے ہمیں بدءِ شعور ہی سے اکابر دیوبند اور علماء اہلِ حق ——— جامعیت واعتدال والی جماعت ——— سے روشناس کرایا، یعنی حق اور اہل حق تک پہونچنے کیلئے ہمیں کچھ بھی کرنا نہ پڑا، اہل حق میں آنکھ کھولی، اہل حق کے ماحول میں پروان چڑھے، یہ اور بات ہے کہ عزم اور ظرف کی کمی کی وجہ سے استفادہ وہ نہیں کیا جو کرنا چاہیے تھا، اللہ پاک اپنے کرم سے عفو کا معاملہ فرمائے، آمین۔

عقیدت یوں تو سب ہی علماء واکابر سے رہی تاہم بعید العہد اکابر میں مجدد الفِ ثانیؒ اور گنگوہ کے امام ربانیؒ سے، قریب الوقت بزرگوں میں حکیم الامت تھانویؒ اور شیخ الاسلام مدنیؒ سے غیر معمولی عقیدت نصیب ہوئی، ان حضرات کے مقامات کیا ہیں ان کا سمجھنا مجھ نااہل کے بس میں نہیں، اور ان کے درمیان اختلاف کیوں تھا، یہ جاننے کی جستجو تو کیا جاننے کا تصور بھی انتہائی مکروہ اور گراں محسوس ہوتا ہے، ہاں! ان لوگوں کے احوال واعمال اور اخلاق واخلاص کے تذکروں سے جی بھر بھر جاتا ہے، کسی کی کوئی رائے ہو مجھے حضرت مدنی وحضرت تھانوی رحمہما اللہ سے اتنی یکساں عقیدت ومحبت ہے کہ نہ معلوم کیوں کسی طرح کی ترجیح طبیعت کو گوارا نہیں ہے۔

خیر! ان بزرگوں کو تو میں نے اپنے بزرگوں اور ان کی کتابوں سے جانا تھا، والد محترمؒ

کے صدقے میں جس ہستی کو خاندان کے راہنما، سرپرست اور محسن ومہربان کی شکل میں براہِ راست جانا، دیکھا، پرکھا اور اسے طبعی رجحان اور قلبی میلان کے اعتبار سے تمام معاصر میں "چیزے دیگر" پایا وہ ہستی مخدومی ومرشدی محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہستی تھی، جس کی ہر ادا محبوبانہ تھی اور جس کے سراپا میں ہزاروں معشوقوں کی رعنائیاں ودل رُبائیاں پنہاں تھیں۔ وہ مسکراتے تو محبتوں کے بادل برستے تھے، وہ روٹھ جاتے تو غموں کے بگولے اٹھتے تھے، ان کی ڈانٹ رعد تو ان کا غصہ برق تھا، پھر رعد وبرق کے اجتماع سے جو بارانِ رحمت گرتی تو مردہ دلوں کو زندگی اور خشک دماغوں کو تازگی دے جاتی تھی، ان کا رعب ودبدبہ شہنشاہوں اور تاجوروں کو شرمندہ کرسکتا تھا، ان کی شفقت ومحبت ماؤں کی گود میں بھی ملنی مشکل تھی، آہ! وہ کیا انسان تھا اور کیسا مسلمان! یہ عاجز تو اپنے رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور انہی کے توسل سے کرلیتا تھا، کتابوں میں نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جن اداؤں کا ذکر ملتا ہے اس غلامِ نبی کی اداؤں سے ان کی صداقت کا یقین بڑھتا چلا جاتا تھا، واقعہ یہ ہے کہ حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت محبوبِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شوق بڑھاتی تھی، ان کی ادائیں محبوبِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اداؤں کا گرویدہ بناتی تھیں۔

بات کہیں اور نکل گئی، عرض یہ کررہا تھا کہ اس عاجز نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بے شعوری کے زمانے میں بھی دیکھا، کچھ شعور آنے کے بعد بھی دیکھا، طالب علمی کے دوران بھی، میدانِ کار میں بھی، تنہا انہی کو جانتے وقت بھی، زمانے کے اکابر سے واقفیت کے بعد بھی، سفر میں بھی، گھر اور مستقر پر بھی، خوش مزاجی کی کیفیت میں بھی، غضب ناکی وناراضگی کی حالت میں بھی، اصاغر کے ساتھ بھی معاصر واکابر کے ہمراہ بھی، عقیدتمندوں کے ہجوم میں بھی۔ بے تمیزوں اور کینہ پروروں کے گھیرے میں بھی، باہر کے ماحول میں بھی اور گھر والوں کے درمیان بھی، ہر حال اور ہر مقام پر دیکھا، دور سے جانا، قریب سے پرکھا، ضمیر نے کسی اور کی تنقیص کئے بغیر یہی فیصلہ کیا کہ "تو چیزے دیگری" ؎

ع ہمہ شہر پُر زخوباں منم وخیالِ ماہے

مقاماتِ عالیہ اور مراتبِ رفیعہ کو تو وہ جانیں جو مقامات و مراتب کی معرفت رکھتے ہوں، اس عاجز کے دل کو محبت کا روگ ہے، بس ان کی شانِ محبوبیت ہی کو دیکھا، اسی میں اُلجھا، عمر بھر غلطاں و پیچاں رہا اور تو کچھ نہ سیکھا البتہ امام الانبیاء سید المحبوبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا کچھ سلیقہ ضرور پایا، عمل میں تو اب تک بھی نہیں قلب و ذہن میں شروع ہی سے، اور اس متاعِ گراں مایہ کے علاوہ جھولی میں اب اس کے علاوہ کچھ ہے بھی نہیں، اسی کو سینے سے لگائے دل میں ڈھکائے، چھپائے، محبوبِ رب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ربِّ محبوب کے حضور حاضری کی تمنا لئے جئے جا رہا ہوں۔

حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ۱۷ رمئی ۲۰۰۵ء کو ہوا، وصال کو اب آٹھ برس ہونے جا رہے ہیں، میں نے وصال کے بعد ایک مختصر سا مضمون مقامی اخبارات کے لئے لکھا تھا، اس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ابتدائی احوال زیادہ تر والد مرحوم سے —— جو اُن کے عالمِ شباب میں چودہ برس تک خادمِ خاص کی حیثیت سے پاس رہ چکے تھے —— معلوم کر کے لکھے تھے، اس تعارفی مضمون کو مفصل لکھنے کا خیال تھا مگر پورا نہ کر سکا، مصروفیات کا بہانہ تو سوائے بہانہ بد کے اور کچھ نہیں، کرنیوالے اس سے زیادہ مصروفیات میں بھی اپنے کام کر لیتے ہیں، بس ضعفِ ہمت، پستیٔ حوصلہ اور قلتِ استعداد کے کوئی اور عذرِ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اب آٹھ برس کے بعد جب کہ عزیزم مولانا نصیر الدین سلمہ نے "فیضِ سعید" کی تیسری جلد مرتب کرنے کا کام شروع کیا جس میں شخصیات سے متعلق میرے مضامین جمع کئے گئے تھے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ اس قدر سرسری طور پر شامل کرنا گوارا نہ ہوا، میں نے وہ کام اس لئے رُکوا دیا کہ اس مضمون پر نظرِ ثانی کروں گا اور واقعات و تجربات کی روشنی میں صفاتِ عالیہ پر کچھ روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا، کام فوراً شروع بھی کر دیا مگر بیچ بیچ میں طویل و قصیر اَسفار پیش آتے رہے، ادھر دیگر ذمہ داریوں کے مسائل بھی مانع ہوتے رہے کوئی آٹھ دس ماہ کے بعد اس کام کی تکمیل کر سکا، پھر جب یہ مضمون ٹائپ ہو کر آیا تو اتنا مفصل تھا کہ احباب کی اور خود میری بھی رائے اسے مستقل چھاپ دینے کی ہوئی، چنانچہ.....

حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ۔ ذات، صفات اور خدمات۔ شخصی تاثرات اور ذاتی تجربات کی روشنی میں ..... کے نام سے آپ کے ہاتھ میں یہی مضمون ہے۔

اس سلسلہ میں یہ وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ اس کتاب میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوا اور اپنے کانوں سے سنا ہوا ہے، سوائے چند ایک واقعات کے، وہ بھی معدودے چند۔ اسلئے مجھے اطمینان ہے کہ میں نے نہ کہیں سے اخذ و نقل کیا ہے اور نہ بالقصد غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ سہو و نسیان تو البتہ لازمۂ انسان ہے۔ تعبیرات سب میری ہیں، تہذیب وادب سے بالکل کوری تو انشاء اللہ نہ ہوں گی، صاحبِ تذکرہ کی عظمت سے البتہ نازل ضرور ہیں، اسے راقم عاجز کا عیب سمجھا جائے، صاحبِ تذکرہؒ کا مقام یقیناً اس سے بلند تر ہے۔

مقربانِ بارگاہِ ابراری اب بھی بہت سے موجود ہیں، کوئی بات اس میں خلافِ واقع معلوم ہو تو اس عاجز کو مطلع فرمائیں، غور کرنے اور اطمینان کے بعد قبول کرنے میں کوئی ابا نہ ہوگا، اِلاّ یہ کہ وہ بات میرے علم و یقین میں صحت سے متصف ہو، البتہ یہ تو طے ہے کہ باخبر قارئین قبول و رد میں مختار ہیں۔

اس کتاب کا سب سے اہم باب میرے خیال میں "صفات و عادات" والا باب ہے، شخصیت کی معرفت اسی سے زیادہ ہوگی، مگر میں اپنی کم سوادی کی بناء اس کا احاطہ تو کیا کر سکتا معتد بہ مواد بھی جمع نہ کر سکا، جی چاہتا ہے کہ کوئی ذی صلاحیت اہلِ تعلق اس روش پر کام کرے، اور سینکڑوں زندگیوں اور ذہنوں میں منتشر ہزارہا واقعات کو جمع کرنے میں کامیاب ہو جائے تو یہ اس قدر مفید مطلب ہوگا کہ بیان نہیں کیا جا سکتا، اب تک حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے وابستہ لوگ بڑی تعداد میں موجود ہیں[1]، اگر اٹھتے چلے گئے تو بعد میں اس کام کے امکانات بھی موہوم ہو جائیں گے۔ کاش! .....

میں نے اس کتاب میں حضرت والا کے جو ملفوظات شامل کئے ہیں یہ میرے ہی جمع

---

[1] چند دن قبل حضرتؒ کے قدیم شاگرد مفتی عبدالحکیم قاسمی صاحب زید مجدہٗ نے اسی طرح کا ایک مضمون دیکھنے کیلئے دیا تھا، اس میں بھی حضرتؒ کی عملی زندگی اور تربیتی انداز کے کئی واقعات سامنے آئے ہیں، اور نہ جانے کتنے ہزار واقعات اہل تعلق کے ذہنوں میں مٹنے کے لئے تیار ہیں، اگر محفوظ نہ کر لئے جائیں۔

کردہ ہیں اور حضرت کی حیات میں مختلف عنوانات سے مختلف مواقع میں شائع ہو چکے ہیں۔

آخر میں یہ عرض کر دینے کو بھی جی چاہتا ہے کہ کہاں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ہستی اور کہاں اس غلام کی پستی؟ مجھے ان کی ہستی پر قلم اٹھانے کی جرأت صرف خانوادۂ عالیہ کی اس پذیرائی وہمت افزائی کے بعد ہوئی:

فیض العلوم میں حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب مدظلہ العالی تشریف لائے ہوئے تھے، یہ خادم ملاقات کی غرض سے حاضر ہوا، محترم حاجی علیم الحق صاحب مدظلہ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا: ''عبدالقوی بھائی! آپ نے نانی امیؒ کے بارے میں جو مضمون لکھا ہے امی (حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی مدظلہا) نے اسے بہت پسند کیا اور کہا کہ عبدالقوی نے حق ادا کیا''..... یہ سنکر فوراً حضرت حکیم صاحب مدظلہ نے فرمایا: ''واقعی انہوں نے محبت میں ڈوب کر لکھا ہے''..... پھر جب میں مرشدی حضرت مفتی سعید احمد صاحب مدظلہ کی خدمت میں پرنام بٹ حاضر ہوا تو صاحبزادہ محترم مفتی رشید احمد صاحب سلمہ نے فرمایا: یہ مضمون ابا جان نے مجلس میں سنایا اور امی جان بار بار پڑھتی اور روتی رہیں کہ ہمیں اس سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا''۔

بس یہ خط کشیدہ تین جملے ہیں جن سے کلاہِ دہقاں آفتاب تک پہونچی اور یہ مضمون جیسا تیسا لکھ کر نذر قارئین کر دیا، اس کتاب کے آخر میں حضرت امی جان صاحبہ مدظلہا سے متعلق وہ مضمون بھی شامل ہے، جس کا اوپر ذکر آیا ہے۔

دعا کرتا ہوں اور سب قارئین سے چاہتا ہوں کہ حق تعالیٰ اپنے محسن ومربی پیر ومرشد کی شان میں کی گئی اس خدمت کو شرف قبول عطا فرمائے، مسلمانوں کے لئے نافع بنائے، میری نجات کا ذریعہ بنائے۔

والسلام

محمد عبدالقوی

۲۸ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

# فہرست مشمولات کتاب


| نمبر شمار | عناوین | صفحہ |
|---|---|---|
| ۱ | میں کیا عرض کروں؟ | ۳ |
| ۲ | کلماتِ بابرکت حضرت حکیم کلیم صاحب ظلہ | ۱۲ |
| ۳ | رائے گرامی حضرت مفتی سعید احمد صاحب ظلہ | ۱۳ |
| ۴ | رائے گرامی مولانا مفتی محمد عبدالمغنی صاحب ظلہ | ۱۴ |
| ۵ | رائے گرامی مولانا مفتی عبداللہ پھولپوری صاحب ظلہ | ۱۵ |
| ۶ | نمونہ مکاتبت وتحریر حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ | ۱۶ |
| | **پہلا باب-آئینۂ ذات** | |
| | محی السنہ حضرت اقدس شاہ ابرارالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ | |
| ۱ | جدامجد وخاندانی پس منظر | ۱۸ |
| ۲ | والد ماجد اوران کی حیات وخدمات | ۱۹ |
| ۳ | والدہ ماجدہ اپنے احوال کے آئینہ میں | ۲۱ |
| ۴ | حضرت کے برادران وخواہر | ۲۲ |
| ۵ | ولادت باسعادت | ۲۳ |
| ۶ | آغازِ تعلیم وتربیت | ۲۳ |
| ۷ | دورانِ طالب علمی | ۲۴ |
| ۸ | حاصل کردہ علوم وفنون | ۲۵ |
| ۹ | اساتذۂ کرام | ۲۵ |
| ۱۰ | اسنادات وانعامات | ۲۶ |

| نمبر شمار | عناوین | صفحہ |
|---|---|---|
| ۱۱ | تصوف وسلوک | ۲۶ |
| ۱۲ | تدریسی خدمات | ۲۸ |
| ۱۳ | مدرسہ اشرف المدارس کا قیام | ۲۸ |
| ۱۴ | اصلاحی اور دعوتی خدمات | ۲۹ |
| ۱۵ | مجلس دعوۃ الحق کی نشأۃِ ثانیہ | ۳۰ |
| ۱۶ | خانقاہی نظام | ۳۰ |
| ۱۷ | حج وزیارت کا ذوق | ۳۱ |
| ۱۸ | نکاح اور ازدواجی زندگی | ۳۱ |
| ۱۹ | مرض الوفات اور وفات | ۳۵ |
| ۲۰ | اولاد واحفاد | ۳۵ |
| | **دوسرا باب-آئینۂ صفات** | |
| ۱ | اخلاص وللّٰہیت | ۳۸ |
| ۲ | علمی استعداد | ۳۹ |
| ۳ | مزاجی اعتدال | ۴۱ |
| ۴ | اتباعِ سنت کا اہتمام | ۴۴ |
| ۵ | قرآن کریم سے والہانہ تعلق | ۴۸ |
| ۶ | طبعی نفاست ونزاکت | ۴۹ |
| ۷ | مذاق ومزاح | ۵۲ |

| نمبر شمار | عناوین | صفحہ |
|---|---|---|
| ۸ | مسلک ومشرب کا اہتمام | ۵۵ |
| ۹ | مشرب شیخ کی رعایت | ۵۵ |
| ۱۰ | معاملات کی صفائی | ۵۸ |
| ۱۱ | علماء کا اکرام | ۶۰ |
| ۱۲ | امر بالمعروف ونہی عن المنکر | ۶۸ |
| ۱۳ | حسن انتظام | ۷۱ |
| ۱۴ | زہد واستغناء | ۷۴ |
| ۱۵ | طلبہ پر شفقت | ۷۵ |
| ۱۶ | اندازِ تربیت | ۷۸ |
| ۱۷ | عفوودرگذر | ۹۳ |
| ۱۸ | امت کا غم | ۹۴ |
| ۱۹ | انکسار وتواضع | ۹۷ |
| ۲۰ | کشف وکرامات | ۱۰۱ |
| ۲۱ | وسعتِ قلبی | ۱۰۴ |
| ۲۲ | وسعتِ فکر ونظر | ۱۰۹ |
| ۲۳ | رقتِ قلبی | ۱۱۱ |
| ۲۴ | غیرتِ قومی | ۱۱۲ |
| ۲۵ | حسنِ معاشرت | ۱۱۳ |
| ۲۶ | ترحم وتغمم | ۱۱۵ |
| ۲۷ | حلم وبردباری | ۱۱۸ |
| ۲۸ | تفہیم کا انداز | ۱۲۰ |
| ۲۹ | حقوق العباد کی ادائیگی | ۱۲۳ |

| نمبر شمار | عناوین | صفحہ |
|---|---|---|
| ۳۰ | خدمات | ۱۲۵ |
| ۳۱ | باقیات الصالحات | ۱۲۷ |

**تیسرا باب - حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ محترمہ**

| | | |
|---|---|---|
| ۱ | آہ! ہماری امی جان صاحبہؒ | ۱۳۲ |

**چوتھا باب - ملفوظات**

**تحفۃ الحرم**

| | | |
|---|---|---|
| ۱ | ذکر اللہ سے نورانی ماحول بنتا ہے | ۱۴۴ |
| ۲ | ایک حدیث پاک کا مطلب | ۱۴۵ |
| ۳ | آشنا بیٹھا ہو یا ناآشنا | ۱۴۵ |
| ۴ | مُحرِم تلبیہ کی تشرت کرے | ۱۴۶ |
| ۵ | مشق کرنے سے کام کی عادت پڑتی ہے | ۱۴۶ |
| ۶ | دن بھر میں ۵۲ طواف کی توفیق ملی | ۱۴۷ |
| ۷ | تکبر اُمّ الامراض ہے | ۱۴۸ |
| ۸ | دین کا تحفہ ضرور لے جائے | ۱۴۸ |
| ۹ | علم حاصل کرنے کا آسان طریقہ | ۱۴۹ |
| ۱۰ | نیکی کرنا کافی نہیں، گناہ بھی چھوڑے | ۱۴۹ |
| ۱۱ | ان کو دیکھ کے سبق حاصل کرو | ۱۵۰ |
| ۱۲ | حصول علم کا آسان طریقہ | ۱۵۰ |
| ۱۳ | درس قرآن کا اہتمام کیا جائے | ۱۵۱ |
| ۱۴ | طلبہ کو روزمرہ کی سنتیں سکھائی جائیں | ۱۵۱ |
| ۱۵ | حج میں گناہوں کے کام اور لڑائی نہیں | ۱۵۲ |
| ۱۶ | ہر کام کے دو پہلو ہوتے ہیں | ۱۵۲ |

| نمبر شمار | عناوین | صفحہ |
|---|---|---|
| ۱۷ | اولاد کو بچپن سے دین سکھاؤ | ۱۵۲ |
| ۱۸ | بار بار کی تاکید رائیگاں نہیں جاتی | ۱۵۳ |
| ۱۹ | نبی اُمت پر ماں باپ سے زیادہ مہربان ہیں | ۱۵۴ |
| ۲۰ | دین پر نہ چلنے میں اپنا ہی نقصان ہے | ۱۵۴ |
| ۲۱ | ہر کام میں اخلاص کی ضرورت ہے | ۱۵۵ |
| ۲۲ | ہر اخلاص بھی معتبر نہیں ہوتا | ۱۵۶ |
| ۲۳ | مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند | ۱۵۶ |
| ۲۴ | رمی میں احتیاط سے کام لو | ۱۵۷ |
| ۲۵ | احرام میں خوشبو کا استعمال ممنوع ہے | ۱۵۷ |
| ۲۶ | دم دراصل سزا ہے | ۱۵۷ |
| ۲۷ | عورتوں کا احرام میں ایک ہی مجاہدہ ہے | ۱۵۸ |
| ۲۸ | اسلام واقعی سراپا تہذیب کا نام ہے | ۱۵۸ |
| ۲۹ | صحابہ بس نبی کی مرضی کو دیکھتے تھے | ۱۵۹ |
| ۳۰ | بچوں سے مانگنا سیکھئے | ۱۵۹ |
| ۳۱ | اصل مقصود رضائے الٰہی ہے | ۱۶۰ |
| ۳۲ | اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھنا چاہئے | ۱۶۱ |
| ۳۳ | تہجد کی عادت ڈالنا چاہئے | ۱۶۱ |
| | **خطاب بہ اہلِ علم** | |
| ۳۴ | اہل علم کا مرتبہ بہت اونچا ہے | ۱۶۲ |
| ۳۵ | حضرت حکیم الامت رح کی دقت نظر | ۱۶۳ |
| ۳۶ | امت کے مصائب ٹلتے کیوں نہیں؟ | ۱۶۳ |
| ۳۷ | ایک عام غلط فہمی | ۱۶۴ |

| نمبر شمار | عناوین | صفحہ |
|---|---|---|
| ۳۸ | آج مجھے سمجھ میں آیا | ۱۶۵ |
| ۳۹ | علماء کرام وجد میں آگئے | ۱۶۵ |
| ۴۰ | پھر آپکو بھی اسی دروازہ سے داخل ہونا چاہئے | ۱۶۶ |
| ۴۱ | دعائیں کیوں قبول نہیں ہو رہی ہیں؟ | ۱۶۶ |
| ۴۲ | جب نافرمانیاں کھلے طور پر ہونے لگیں | ۱۶۷ |
| ۴۳ | ورنہ اللہ تعالیٰ اپنا عذاب تم پر نازل کردیگا | ۱۶۸ |
| ۴۴ | علماء کرام اور ائمہ عظام اپنی ایک تنظیم بنائیں | ۱۶۸ |
| ۴۵ | اجتماعی کام کا فائدہ یہ ہے | ۱۶۹ |
| ۴۶ | مسجدیں اہل حق کے ہاتھوں سے نکلتی جارہی ہیں | ۱۶۹ |
| ۴۷ | عنوان کا بڑا اثر ہوتا ہے | ۱۷۰ |
| ۴۸ | مخالف حمایتی بن گئے | ۱۷۰ |
| ۴۹ | آج سے ہم سب وہابی ہیں | ۱۷۰ |
| ۵۰ | ایک دن میں بیس سنتیں سیکھ لیں | ۱۷۱ |
| ۵۱ | ایک عالم کا حسن فہم وتدبیر | ۱۷۱ |
| ۵۲ | آپ کیلئے تو پانچ گھنٹے کی اجازت ہے | ۱۷۱ |
| ۵۳ | اصلی ہیرے الماریوں میں بند کئے ہوئے ہیں | ۱۷۲ |
| ۵۴ | ہماری کمزوری کی وجہ کیا ہے؟ | ۱۷۲ |
| ۵۵ | اپنی اصلاح کی فکر بہت ضروری ہے | ۱۷۳ |
| ۵۶ | بیعت ضروری ہے یا اصلاحِ نفس؟ | ۱۷۳ |
| ۵۷ | اصلاح کا صحیح طریقہ کار مکاتبت اصلاحی ہے | ۱۷۴ |
| ۵۸ | ہم خیال پیر تلاش کرو | ۱۷۴ |
| ۵۹ | مجھے یہ مال پسند نہیں | ۱۷۵ |

| نمبر شمار | عناوین | صفحہ |
|---|---|---|
| ۶۰ | طریق میں نفع کے چار اصول | ۱۷۵ |
| ۶۱ | اس سے آدمی محروم ہوجاتا ہے | ۱۷۶ |
| ۶۲ | ایک واقعہ طالب علمی کے زمانے کا | ۱۷۷ |
| ۶۳ | غور کرنے کا مقام | ۱۷۷ |
| ۶۴ | وہ اصلاح کا نہیں شہرت کا طالب ہے | ۱۷۷ |
| ۶۵ | ائمہ کرام سنتوں پر عمل نہیں کریں گے تو..... | ۱۷۸ |
| ۶۶ | خواجہ صاحبؒ کے ایک شعر پر اشکال کا جواب | ۱۷۸ |
| | **نصیحۃ الابرار** | ۱۷۹ |
| ۶۷ | حالات بدلتے نظر نہیں آتے | ۱۷۹ |
| ۶۸ | اس امت کی بیماری اور اس کا علاج | ۱۸۰ |
| ۶۹ | ایک اشکال اور اس کا جواب | ۱۸۰ |
| ۷۰ | امر بالمعروف کے ساتھ نہی عن المنکر بھی ہو | ۱۸۱ |
| ۷۱ | شروع کرنیوالوں کو تمام کرنیوالوں کا اجر ملے گا | ۱۸۲ |
| ۷۲ | یہ کس قدر بری بات ہے | ۱۸۳ |
| ۷۳ | صرف اعلاء کلمۃ اللہ کو مقصود بناؤ | ۱۸۳ |
| ۷۴ | تعلیم زیادہ ضروری ہے تبلیغ؟ | ۱۸۴ |
| ۷۵ | اخلاص نہ ہو تو جہاد بھی کام نہیں آئے گا | ۱۸۴ |
| ۷۶ | صرف رضائے الٰہی مقصود ہونا چاہئے | ۱۸۵ |
| ۷۷ | میری طرح نماز پڑھو | ۱۸۵ |
| ۷۸ | ایک غلط فہمی کی اصلاح | ۱۸۶ |

| نمبر شمار | عناوین | صفحہ |
|---|---|---|
| ۷۹ | دیکھنے اور سیکھنے میں فرق | ۱۸۷ |
| ۸۰ | اغلاط نماز کی اصلاح کیجئے | ۱۸۷ |
| ۸۱ | عمل کو کتاب سے ملاؤ | ۱۸۸ |
| | **اصلاحِ نفس واصلاحِ معاشرہ** | |
| ۸۲ | مسلمانوں کی دو ذمہ داریاں | ۱۸۹ |
| ۸۳ | اچھائی اور برائی کا معیار | ۱۸۹ |
| ۸۴ | وہ جس کام کو اچھا کہیں اچھا ہے | ۱۹۰ |
| ۸۵ | بڑوں کی اتباع میں کامیابی ہے | ۱۹۱ |
| ۸۶ | سکوت صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معتبر ہے | ۱۹۱ |
| ۸۷ | کسی جماعت کا سکوت بھی حجت نہیں ہے | ۱۹۲ |
| ۸۸ | فعل پیراں حجت نہ باشد | ۱۹۲ |
| ۸۹ | دل شکنی گوارا کرلی مگر حکم نبی کو نہ توڑا | ۱۹۳ |
| ۹۰ | صالح بننے کا طریقہ اتباعِ سنت ہے | ۱۹۵ |
| ۹۱ | ہماری اذان ونماز بھی سنت کے مطابق نہیں | ۱۹۵ |
| ۹۲ | عبادت کی طرح تجارت بھی سنت کے مطابق کیجئے | ۱۹۵ |
| ۹۳ | تین سہل اور اہم سنتیں | ۱۹۶ |
| ۹۴ | بیمار اُمت کیلئے نسخۂ شفاء | ۱۹۷ |
| ۹۵ | اصلاحِ منکرات کا فریضہ پورا کیجئے | ۱۹۸ |
| ۹۶ | بے اصولی سے احتیاط کرنا چاہئے | ۱۹۸ |
| ۹۷ | برسوں میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہوا | ۱۹۹ |

# کلماتِ بابرکات

## حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب مدظلہ العالی، جانشین حضرت محی السنہؒ

**باسمہٖ تعالیٰ**

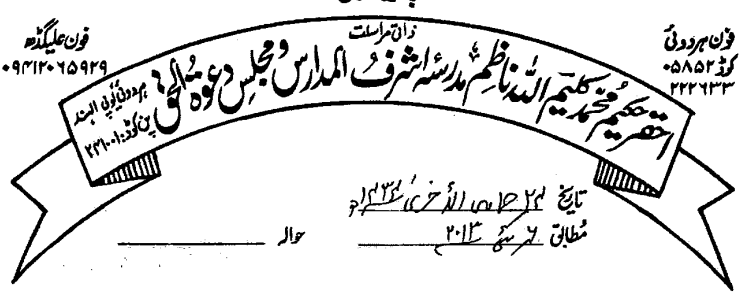


عزیز مکرم مولوی محمد عبدالقوی زید لطفہٗ السامی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی کتاب ۔" حضرت محی السنہ علیہ الرحمۃ کی ذات، صفات اور خدمات"۔ کا مسودہ نظر نواز ہوا نیز عزیزم سلیم الحق (انس) سلمہٗ[1] نے بالتفصیل دیکھا، انھوں نے کچھ جگہوں پر نشاندہی بھی کی ہے نیز کچھ مشورے بھی دیئے ہیں، مجموعی طور پر کتاب قابل قدر ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی اس سعی کو قبول فرمائے اور مطالعہ کرنے والوں کو اس سے نفع پہونچائے آپ کیلئے ذریعۂ نجات بنائے، آپ کے جملہ مقاصد کیلئے دل سے دعاء کرتا ہوں۔

والسلام

محمد کلیم اللہ عفی عنہ

۲۴ر جمادی الاخریٰ ۱۴۳۴ھ

مطابق ۶ر مئی ۲۰۱۳ء

---

[1] موصوف زید مجدہٗ کی نشان دہی اور مشورے پر کتاب میں شامل کرلیا گیا ہے۔

## رائے گرامی مخدومی ومرشدی

حضرت مفتی سعید احمد صاحب مدظلہم العالی، خلیفہ حضرت محی السنۃؒ

No. 41/23, Mulla Street,
PERNAMBUT - 635 810.
Vellore District (T.N.)
Ph : 04171 - 230066

بندہ سعید احمد غفراللہ
پرنامبٹ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ اَمَّا بَعْدُ!

سیدی ومرشدی محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرالحق صاحب ہردوئی نوراللہ مرقدہٗ کی ذات بابرکات ـــــ جن کی زندگی کا ہر سانس خدمت قرآن، سنتوں کی اشاعت اور منکرات کی بیخ کنی کیلئے وقف تھا ـــــ کی نظیر آج خال خال ہی نظر آتی ہے۔

حضرت والا علیہ الرحمۃ کی وفات کے بعد بہت سے علماء کرام اور اہل قلم حضرات نے آپ کی پاکیزہ زندگی کے حالات اور آپ کے مبارک اوصاف وکمالات کو لکھا، پھر بھی حضرت والا علیہ الرحمۃ کے سارے کمالات ومحاسن کا احصانہ ہو سکا ؎

خوبی ہمیں کرشمہ وناز وخرام نیست ـــــ بسیار شیوہاست بتاں را کہ نام نیست

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے محب محترم جناب مولانا محمد عبدالقوی صاحب زیدت معالیہم کو کہ انہوں نے حضرت والا ہردوئیؒ کے اُن کمالات کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے جہاں تک ہماری نظر وفکر نہیں گئی، حضرت والا علیہ الرحمہ کے مزاج مذاق اور آپ کی مبارک تعلیمات کو انہوں نے بڑے دل نشیں اور خوبصورت انداز میں مرتب کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ میرے لئے حضرت والاؒ سے عقیدت ومحبت میں مزید اضافہ کا باعث بنا۔

میری دعا ہے کہ اللہ رب العالمین اس ذخیرہ کو شرف قبولیت سے نوازکر امت مسلمہ کیلئے نافع بنائے آمین یا رب العالمین بحرمۃ سید الابرار علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

سعید احمد عفرلہٗ
۱۵ رجب المرجب ۱۴۳۲ھ
۲۶ جون ۲۰۱۱ء

# رائے گرامی

برادر محترم ومکرم مولانا مفتی محمد عبدالمغنی صاحب مدظلہ، خلیفہ حضرت محی السنہؒ

باسمہ تعالیٰ

محمد عبدالمغنی مظاہری

MOHD. ABDUL MUGHNI MAZAHERI

KHADIM MADARSA SABEELUL FALAH

خادم مدرسہ سبیل الفلاح حیدرآباد

Office: 22-8-61 to 66 & 107, Lakkade Kote Chatta Bazaar & Chandrangutta Rinroad Bandlaguda Hyderabad. A.P 04024402899

مرشدی، مربی، واستادی محی السنہ حضرت مولانا شاہ محمد ابرارالحق صاحب نوراللہ مرقدہٗ جلیل القدر ومایۂ ناز عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ ولی کامل، متبع سنت بزرگ اور عظیم ناصح تھے، ساری زندگی اللہ تعالیٰ سے محبت ومعرفت کی طرف اللہ کے بندوں کو متوجہ فرماتے رہے، عشق نبی اور اتباع سنت کی تعلیم وتلقین فرماتے رہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر خود کرنا اور دوسروں کو اس پر آمادہ کرنا آپ کی زندگی کا زبردست مشن رہا، حتیٰ کہ معذوری اور بیماری کے دوران بھی سنتوں کا خود اہتمام فرماتے اور خدام کو بھی متوجہ فرماتے رہے، آپ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہزار ہا ہزار انسانوں کو صلاح وتقویٰ اور طہارت ظاہر وباطن کی دولت سے نوازا، آپ کی ساری زندگی اتباع سنت اور احیاءِ سنت کا روشن باب اور کھلی کتاب ہے، آپ کے فیوض وبرکات آپ کے مواعظ و ملفوظات اور تلامذہ وخلفاء کے ذریعہ سارے عالم میں آج بھی جاری وساری ہیں اور انشاءاللہ آئندہ بھی رہیں گے، آپ کے بعض متعلقین نے آپ کے مواعظ وملفوظات مرتب کر کے شائع بھی کیئے ہیں، جس سے امت مستفید ہورہی ہے۔ انہی میں سے یہ مجموعہ بھی ہے جو آپ کے حالات اور اندازِ تعلیم وتربیت کے واقعات پر مشتمل ہے، جس کو برادرم وعزیزم مولانا حافظ محمد عبدالقوی صاحب زید فضلہٗ وعلمہٗ نے ترتیب دیا ہے جو نہایت مؤثر اور دلچسپ ہے اس مجموعہ کو احقر نے مطالعہ کیا تو ایسا لگا جیسے حضرت محی السنہؒ کی ذات گرامی گویا آنکھوں کے سامنے آگئی۔

دل سے دعاء ہے کہ حق تعالیٰ اس مجموعہ کو مقبولیت نصیب فرمائے اور مؤلف کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

والسلام

محمد عبدالمغنی مظاہری

## رائے گرامی

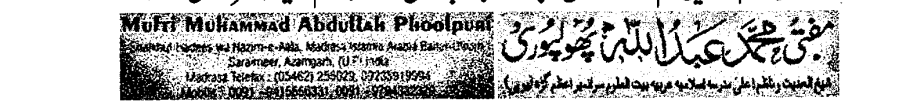

رفیق قدیم وصدیق حمیم مولانا مفتی عبداللہ پھولپوری دامت برکاتہم، خلیفہ حضرت محی السنہؒ

مفتی محمد عبداللہ پھولپوری
شیخ الحدیث وناظم اعلیٰ مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم سرائمیر اعظم گڑھ (یوپی)
Mufti Muhammad Abdullah Phoolpuri
Shaikhul Hadees wa Nazim-e-Aala, Madresa Islamia Arabia Baitul-Uloom
Sarameer, Azamgarh, (U.P.) India
Madrasa Telefax : (05462) 256023, 09235919994
Mobile : 0091-9415666331, 0091-9794932329

حَامِدًا مُصَلِّیًا وَمُسَلِّمًا اَمَّابَعْدُ !

بندہ حیدرآباد بہ سلسلۂ دینی پروگرام حاضر ہوا تو مولانا محمد عبدالقوی صاحب زیدمجدہ سے ایک بیان میں ملاقات ہوئی، عرصہ قبل میرے کچھ اوقات طالب علمی کے مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی میں گذرے تھے جہاں موصوف سے ملاقات ہوتی رہتی تھی، حضرت والا شاہ ہردوئی قدس سرہ کی خدمت وصحبت میں گذرے یہ اوقات بندہ کیلئے باعثِ صد مسرت ہوتے ہیں۔ ماشاء اللہ موصوف مختلف شعبوں میں کارہائے نمایاں انجام دے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو قبول فرمائیں، انھوں نے اپنے ایک غیر مطبوع رسالہ بابت تذکرہ حضرت محی السنہ شاہ ہردوئیؒ پر کچھ لکھنے کی فہمائش کی، بندہ چونکہ سفر میں ہے اس لئے تفصیل کا موقعہ نہیں، چند کلمات عرض خدمت ہیں کہ دین ہمیشہ کتاب اللہ ورجال اللہ کے مجموعہ سے چلا ہے اور حضرت والا عالم ربانی محی السنہ شاہ ہردوئی قدس سرہٗ مقبولان بارگاہِ الٰہی کی ایک نایاب کڑی تھے۔ میں تو عرض کیا کرتا ہوں کہ ہمارے حضرت کا اپنے دور میں سکۂ ولایت چلتا تھا، اکابرین کی حضرت والا امانت تھے، اور بزرگوں کی تربیت وصحبت نے حضرت والا کو عبقری بنادیا تھا جس طرف نظر ڈال دیا اس کو زعفران زار بنادیا جس انسان کو دیکھا اسے ہدایت کے اسلوب سے واقف کرادیا، دنیا کے متوالوں کو دین کا شیدائی بنادیا، رجال سازی کا گر اُن کو اللہ تعالیٰ نے خاص عطا فرمایا تھا اسلئے ان کا تذکرہ ان کی یاد غفلت زدہ قلوب کو صیقل کرتی رہے گی۔ بندہ دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رسالہ اور مولف رسالہ کو حسن قبول سے نوازیں اور پڑھنے والوں کو اولیاء اللہ کے اوصاف عطا فرمائیں، بندہ راقم الحروف بھی اپنے لئے قارئین سے دعائے خیر کی درخواست کرتا ہے۔

فقط

بندہ محمد عبداللہ پھولپوری غفرلہٗ
نزیل حال حیدرآباد
بمکان مفتی محمد زکریا سلمہ اللہ تعالیٰ
۲۹/۵/۳۴ھ

## نمونہ مکاتبت وتحریر حضرت محی السنۃ رحمۃ اللہ علیہ

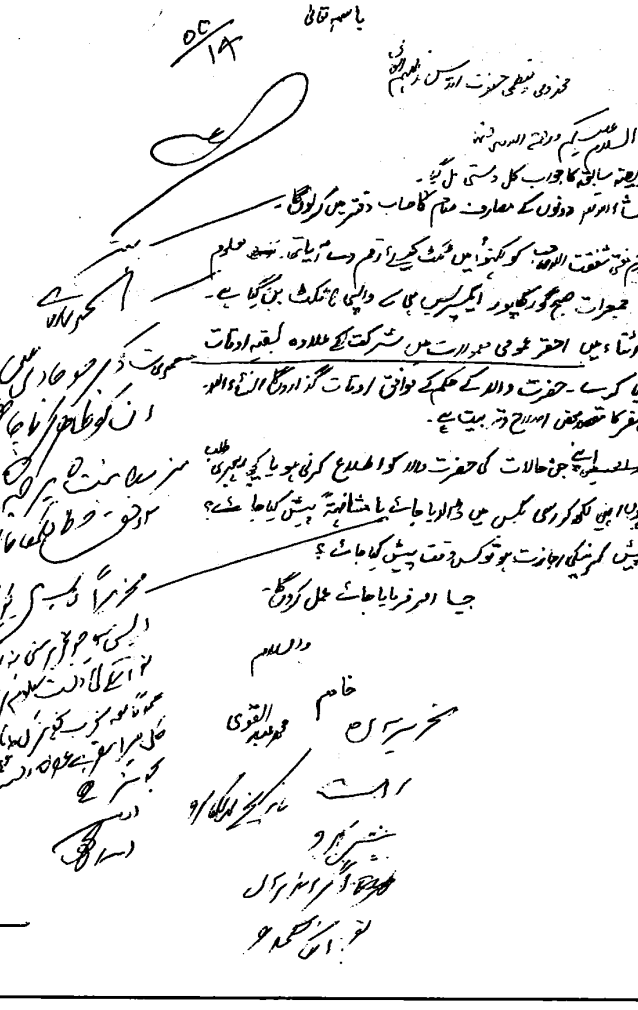



باسمہ تعالیٰ

۱۴/۵

مخدومی معظمی حضرت اقدس دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۱۔ عریضہ سابقہ کا جواب کل دستی مل گیا۔
۲۔ ان شاء اللہ دونوں کے مصارف مقام کا حساب دفتر میں کرلوں گا۔

۲۔ محترم خواجہ شفقت اللہ صاحب کو لکھنؤ میں ٹکٹ کے لئے رقم دے آیا تھا۔ انہیں معلوم ہوا کہ جمعرات صبح گورکھپور ایکسپریس سے واپسی کا ٹکٹ بن گیا ہے۔
اس وقفہ میں احقر عمومی معمولات میں شرکت کے علاوہ بقیہ اوقات میں کیا کرے۔ حضرت والا کے حکم کے موافق اوقات گذاروں گا ان شاء اللہ۔ اس سفر کا مقصد محض اصلاح وتربیت ہے۔

۳۔ چند مسئلے اپنے جن حالات کی حضرت والا کو اطلاع کرنی ہو یا کچھ تعبیری طلب اور پوچھنا ہو لکھ کر کسی بکس میں ڈالوایا جائے یا مشافہۃً پیش کیا جائے؟
اگر پیش کرنے کی اجازت ہو تو کس وقت پیش کیا جائے؟
جیسا امر فرمایا جائے عمل کروں گا۔

والسلام

خادم محمد سراج محمد عبد القوی

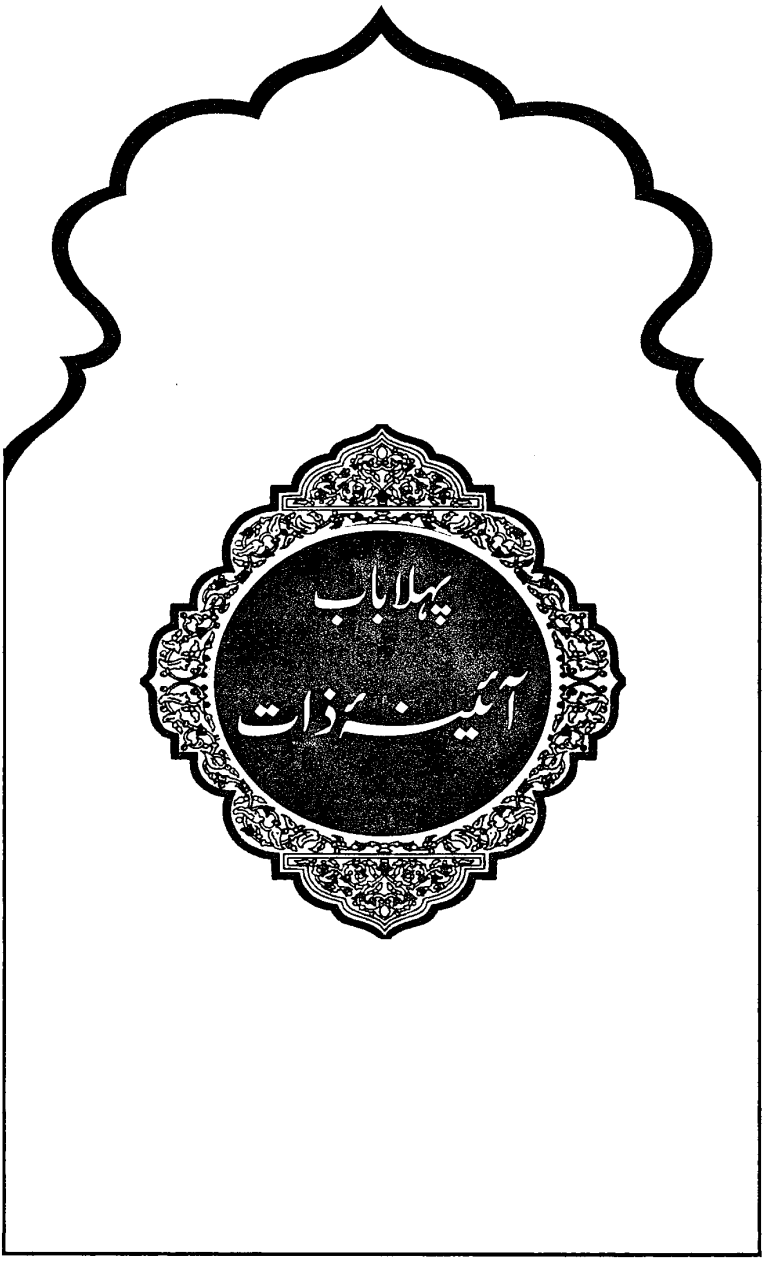
پہلا باب
آئینۂ ذات

# محی السنۃ
## حضرت اقدس شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

### جد امجد اور خاندانی پس منظر

محی السنۃ، عارف باللہ، آیۃ من آیات اللہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ نسب ہندوستان کے مشہور محدث و محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے جاملتا ہے۔ حضرت شیخ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے آباء واجداد کا تعلق۔ "بخارا" سے تھا، ان کے جد امجد تیرہویں صدی عیسوی میں اپنے وطن بخارا سے ہجرت کر کے ہندوستان تشریف لائے تھے، شیخ کی پیدائش "دہلی" میں ۹۵۸ھ میں ہوئی تھی، آپ اپنے زمانہ کے شہرۂ آفاق محدث، صاحب سلسلہ بزرگ اور شیخ طریقت تھے، آپ نے ظاہری علوم دہلی اور ماوراء النہر کے اساطین علم سے حاصل کئے تھے اور علوم باطنہ میں مدارج عالیہ کی تحصیل اور تصوف وسلوک کی تکمیل شیخ موسیٰ گیلانی، شیخ عبدالوہاب متقی، اور خواجہ باقی باللہ رحمہم اللہ کی نگرانی وصحبت میں فرمائی تھی، ۹۴ برس کی عمر پائی تھی اور اس پوری عمر کو علوم دینیہ بالخصوص علم حدیث کی خدمت اور اصلاحِ اُمت میں صرف فرمائی، اخبار الاخیار، مدارج النبوۃ، اشعۃ اللمعات، شرح سفر السعادۃ اور ما ثبت بالسنۃ وغیرہ جیسی علمی کتابیں ان کے علم وفضل کی یادگار ہیں۔

قریب ایک صدی تک علم وعرفان کی روشنی پھیلا کر بالآخر ۱۰۵۲ھ میں آپ کا آفتابِ عمر غروب ہوگیا، اپنے پیچھے تین صاحبزادے چھوڑے، تینوں اُونچے درجہ کے علماء وصوفیاء میں شمار کئے جاتے ہیں، صاحبزادگان کے بعد بھی یہ خانوادہ علم وفضل اور شرافت ونجابت میں ممتاز رہا اور آگے چل کر اسی عظیم وبابرکت خاندان کے ایک چشم وچراغ مولوی محمود الحق حقی بھی ہیں۔

## والد ماجد اور ان کی حیات وخدمات

حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد محترم جناب محمود الحق حقیؒ تھے، جن کی ولادت یوپی کے مشہور شہر "میرٹھ" میں ہوئی، ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے وطن ہی میں حاصل کی، اعلیٰ تعلیم کے لئے بنارس اور علی گڑھ کا سفر فرمایا اور ایم، اے، او کالج علی گڑھ سے سند فراغت حاصل کی، طالبِ علمی کے زمانہ سے ہی نہایت صالح و دیندار تھے، اس وقت بھی اگر چہ علوم عصریہ میں مشغول تھے لیکن آپ کے تقویٰ و پرہیز گاری اور دین داری کا یہ عالم تھا کہ لوگ دور دراز سے بیماروں کو دم کرانے کیلئے آپ کے پاس لایا کرتے تھے، مشہور تھا کہ ان کی پھونک میں شفا ہے۔ واقعی مثل مشہور ہے "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات" یعنی جو درخت بار آور ہونے والا ہوتا ہے شروع ہی سے اس کی حالت اُمید افزا اور اسکے پتے صاف ستھرے ہوتے ہیں۔

تکمیل علوم کے بعد آپ نے پہلے تدریس، پھر وکالت کا پیشہ اختیار کیا اور اپنے کام اور قیام کیلئے ضلع ہردوئی کا انتخاب فرمایا، پھر اسی پسماندہ شہر کو وطن بنالیا، دیکھتے ہی دیکھتے اپنی ذہانت ومہارتِ فن کی بدولت پورے ضلع میں بفضلہٖ تعالیٰ ایک نامور وکامیاب وکیل کی حیثیت سے معروف ہو گئے، دور دور سے اور بڑے بڑے لوگ اپنے مسائل ومقدمات کی ان کے ذریعہ عدالتوں میں پیروی کروانے کیلئے ہردوئی آتے اور کامیابی کے اُمیدوار رہتے تھے، متعدد افراد ماتحتی میں کام کرنے کے باوجود رجوع ہونے والوں کا ایک ہجوم لگا رہتا تھا۔

خاص بات یہ ہے کہ ان معاشی مصروفیات کے باوجود اپنے دینی معمولات اور قومی وملی خدمات میں کوئی کمی آنے نہیں دیتے تھے، فرائض وواجبات کے علاوہ سنن ونوافل کا اہتمام بھی فرماتے تھے، خوش وضعی اور خوش پوشاکی اور ظاہری رکھ رکھاؤ بھی متاثر نہیں ہوتا تھا، معاملات کی صفائی، معاشرت میں احکام شریعت کا پاس ولحاظ ان کا خاص وصف تھا، حقوق العباد کا بہت اہتمام کرتے تھے، اپنے رشتہ داروں اور عام بیوگان اور محتاجوں کی مالی اعانت میں نہایت فراخ دل تھے، ساتھ ہی ان کاموں کو ہمیشہ پردہ خفا میں رکھنے کی سعی کرتے تھے، اولاد کی تعلیم وتربیت سے کبھی غافل نہیں ہوتے تھے، پھر اولاد کے ساتھ

حسنِ سلوک میں نابرابری اور کسی پر زیادتی ہونے نہیں دیتے تھے، سب بچوں سے یکساں سلوک روا رکھتے تھے۔ مزاج سنجیدہ اور شستہ پایا تھا، مروت وشفقت، بالخصوص ضعفاء اور مساکین پر رحم وکرم طبیعتِ ثانیہ بن گئی تھی، اسی کے ساتھ زہد وتقویٰ، ورع وپرہیز گاری میں ـــــ جو بالخصوص حضرت حکیم الامتؒ کے مکتبِ فکر کا اس زمانہ میں ایک امتیاز بن گیا تھا ـــــ میں اپنی مثال آپ تھے۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بیعت تھے اور ان سے غیر معمولی اعتقاد تھا، ان کی خدمت میں آمد ورفت اور ان کی تعلیمات سے اپنے آپ کو آراستہ کرنے کا ہمیشہ اپنی مشغولیات کے باوجود غایت درجہ اہتمام رکھتے تھے، چنانچہ حضرت حکیم الامتؒ نے انھیں ان کے اخلاق واعمال اور دیانت وتقویٰ پر اعتماد فرماتے ہوئے "مجاز صحبت" قرار دیا، یعنی خلافت سے سرفراز فرمایا جو بجائے خود ایک تعارف وسند ہے۔

ذاتی زندگی کی قابلِ رشک خوبیوں کے علاوہ ان میں یہ کمال بھی اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرمایا تھا کہ وہ ہر وقت ملت کے مسائل کے حل اور ان کی دینی ودُنیوی ترقیوں کے لئے متفکر اور متحرک رہا کرتے تھے، چنانچہ اسی جذبہ سے انھوں نے ہردوئی میں "انجمن اسلامیہ" کا قیام عمل میں لایا اور مدت العمر اتفاق رائے سے وہی اس کے صدر منتخب ہوتے رہے، اس انجمن کے تحت ہردوئی کے پسماندہ اور جہالت زدہ مسلمانوں کی ترقی وترفع کے لئے انھوں نے مختلف کاموں کا آغاز فرمایا، مکاتب کا قیام، مساجد کا نظام، قبرستان کا تحفظ اور اس کی صفائی کا اہتمام، یتامیٰ وبیوگان کی کفالت کا انصرام، عصری ودینی تعلیم کا فروغ، عوام میں دینی بیداری اور نمازوں کی پابندی کیلئے جدوجہد وغیرہ اس انجمن کے مقاصد میں شامل اور ان کی سرگرمیوں میں داخل تھے۔

مختصر یہ کہ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے اور ہردوئی کے مسلمانوں کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک رحمت ونعمت بن کر پہنچے تھے۔ دُنیا بھی خوب کمائی اور آخرت کا توشہ بھی بہت بنایا، بالآخر ۱۹۴۶ء میں انتقال فرما کر اپنے محبوبِ حقیقی سے جا ملے، نمازِ جنازہ ان کے قابل فخر صاحبزادہ ـــــ صاحبِ تذکرہ ـــــ حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی اور جامع مسجد

ہردوئی کے ایک گوشہ میں آسودۂ خاک کئے گئے، ان کے انتقال پر پورے شہر میں بلا لحاظ مذہب وملت غم وافسوس کی لہر دوڑ گئی تھی، حتیٰ کہ بعض غیر مسلموں نے تو مسلمانوں کیلئے ان کی دینی ودُنیوی خدمات کو دیکھتے ہوئے اوران کو مسلمانوں کی "آبرو" قرار دیتے ہوئے یہاں تک کہا کہ "آج مسلمانوں کی ناک کٹ گئی"۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون، رحمۃ اللّٰہ علیہ رحمۃ واسعۃ۔

## والدہ ماجدہ اپنے احوال کے آئینہ میں

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ علیہا کا تعلق شہر جونپور کے ایک وجیہ وباوقار خاندان سے تھا، پابند صوم وصلوٰۃ تو تھیں ہی، سیرت وکردار میں بھی فخر انسانیت وشرافت تھیں، نہایت خلیق وملنسار، نرم گفتگو ونرم اطوار تھیں، غرباء پروری، مہمان نوازی تو گویا ان کی فطرت میں داخل تھی، ہمیشہ اپنے ساتھ پیسوں سے بھری ہوئی ایک تھیلی رکھی ہوتی تھیں، جس میں سے بچوں کو بڑوں کو حسبِ مراتب انعام واکرام فرماتی رہتی تھیں۔

بیماروں کی تیمارداری اور اہلِ میت کی دلداری کا خاص اہتمام تھا، اس کے لئے ان کے گھروں پر اپنے تانگہ کے ذریعہ خود پہنچتیں اور کبھی بازار سے "چائے پاپے" منگوا کر اور کبھی گھر سے کھانا وغیرہ لے جا کر اپنی موجودگی میں ان لوگوں کو کھلاتیں اور خوب تسلی دیتی تھیں۔

زبانی ہمدردی کرنے والی عورتیں تو بہت ہوتی ہیں لیکن عملی طور پر غم خواری اور غمزدوں کی خدمت گذاری نصیبہ والوں ہی کو نصیب ہوتی ہے، گھر میں بھی مہمانوں کا سلسلہ لگا رہتا تھا، ان سب کی میزبانی کا اہتمام خود کرواتی تھیں، راقم السطور کی والدہ محترمہ کا چشم دید نقشہ ہے کہ ناشتہ میں روزانہ چالیس چالیس نیم برشت تیار ہوتے تھے، چار چار عورتیں ترکاری اور سبزی بنانے میں مشغول رہتی تھیں، مختصر یہ کہ جی جان سے اور دل کھول کے مہمانوں کا اعزاز اور آنے جانے والوں کا اکرام کیا کرتی تھیں۔

مدرسہ قائم ہوا تو طلبہ مدرسہ پر بھی نہایت شفقت وکرم کا دروازہ کھول رکھا تھا، مدرسہ میں کوئی سزا تجویز ہوتی تو طلبہ کسی طرح ان تک پہونچ جاتے، ان کی سفارش سے سب کی

رعایتیں ہوجاتی تھیں، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ متعلقہ استاذ یا نگران کو بلا کر طلبہ سے رفق ونرمی کی تاکید کرتیں، اس سے بھی آگے بڑھ کر بعض مرتبہ اپنے قابلِ فخر وجلیل القدر صاحبزادہ ـــــ حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ ـــــ کو بھی بلا کر درگذر کی سفارش فرمادیتی تھیں۔

بایں ہمہ ذکر وشغل اور سنت ونفل کی بھی پابند تھیں، ہر دوئی میں موجود ایک بزرگ حضرت مولانا وارث علی شاہؒ ـــــ جو بہت ہی بارعب اور متبع سنت بزرگ تھے ـــــ سے بیعت تھیں، اپنے شیخ سے بہت عقیدت رکھتی تھیں؛ تقسیم ملک کے بعد بعض مصالح سے حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ہجرت کا ارادہ بلکہ تیاری فرمالی تھی، جب اس کا علم انکو ہوا تو بلا کر فرمایا: ''تم جانا چاہتے ہو تو جاؤ لیکن میں نہیں جاؤں گی، اس لئے کہ میرے شیخ اسی سرزمین میں مدفون ہیں، میں بھی یہیں دفن ہونا پسند کرتی ہوں، چنانچہ مدت العمر وہیں رہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

## حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ کے برادران وخواہر

اس خوش خصال اور نیک اطوار اہلیہ سے وکیل محمود الحقؒ کی پانچ لڑکے اور ایک لڑکی، کل چھ اولادیں ہوئیں:

① محترم جناب ڈاکٹر انصار الحق صاحبؒ

② محترم جناب وکیل اسرار الحق صاحبؒ

③ حضرت محی السنہ مولانا حافظ وقاری ابرار الحق صاحبؒ

④ محترم جناب انوار الحق صاحبؒ

⑤ محترم جناب ڈاکٹر حافظ حبیب الحق صاحبؒ اور

ایک لڑکی محترمہ فرحت صاحبہؒ (پرنسپال مراد آباد کالج) تولد ہوئے۔ سب اولاد ماشاء اللہ تعلیم یافتہ اور تہذیبِ اسلامی سے آراستہ ہوئیں، بعض پر ابتداءً جدید تعلیم وتہذیب کا اثر رہا، تاہم بفضلہٖ تعالیٰ بعد میں سب پختہ دینی ماحول سے وابستہ ہوگئے۔

وَاللّٰہُ یَھْدِیْ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَاءُ

## ولادت باسعادت

اسی مبارک ومسعود اور علمی، دینی، ملی غیرت وحمیت سے معمور خانوادہ میں حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ہوئی، تاریخ ولادت ۸ ربیع الثانی ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۰ دسمبر ۱۹۲۰ء ہے۔ بچپن ہی سے بفضلہٖ تعالیٰ گھر والوں نے آپ میں پاکیزہ جذبات اور سنجیدہ احساسات کا مشاہدہ وتجربہ کیا۔

## آغازِ تعلیم وتربیت

جب عمر مبارک پڑھنے لکھنے کے قابل ہوئی تو ہندوستان کے نامور وقابل فخر محدث حضرت مولانا میاں اصغر حسین صاحب دیوبندیؒ کے ذریعہ آپ کی "بسم اللہ خوانی" کروا کر تعلیم کا سلسلہ شروع کر دیا گیا، والدِ محترم نے سب سے پہلے سب سے محترم ومقدس کتاب "قرآن مجید" کی تعلیم کو ضروری سمجھا ــــ اور ہے بھی سب سے پہلے اسی کا حق ــــ ناظرہ قرآن کی تکمیل کے بعد جناب محترم حافظ عبدالعزیز صاحب کی نگرانی وسرپرستی میں حفظ کا آغاز فرمایا، تعلیم میں دلچسپی اور حفظِ قرآن کے ذوق کا یہ عالم تھا کہ آٹھ برس کی انتہائی کم عمری میں آپ نے حفظ قرآن مجید کی تکمیل کر لی، اردو فارسی وعربی کی ابتدائی تعلیم "انجمن اسلامیہ ہردوئی" کے تحت قائم ایک مدرسہ میں مولانا انوار احمد امہٹویؒ سے حاصل فرمائی۔

ابتدائی تعلیم کے بعد والد محترم نے اعلیٰ اور مستقل تعلیم کے لئے ہندوستان کی معروف دینی درسگاہ "مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور" کا ــــ جو اُس وقت بڑے بڑے اہل علم وفضل کی خدمات سے معمور ومتاز تھی ــــ انتخاب فرمایا، چنانچہ آپ نے ۱۳۴۹ھ میں بہ عمر ۱۰ سال "مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور" میں داخلہ حاصل کر کے باقاعدہ تعلیم شروع فرمادی اور ۱۳۵۶ھ میں بہ عمر سترہ سال "درسِ نظامی" کے تمام درجات اور دورۂ حدیث شریف کی تکمیل فرمائی اور اعلیٰ ترین انعام کے مستحق قرار پائے، بعدازاں مزید دو برس وہیں پر قیام کر کے تکمیل فنون کا اہتمام بھی فرمایا۔

## دورانِ طالب علمی

طالبِ علمی کا دور آپ نے نہایت ہی محنت ومجاہدہ سے نکالا، باوجود ایک رئیس گھرانے سے تعلق اور ناز ونعمت کے پروردہ ہونے کے بھی اپنا کام خود کرتے تھے، مدرسہ کے نصاب کی تکمیل کے علاوہ خارج میں بھی پڑھنے کا اہتمام تھا، نیز قرآن مجید کے ساتھ اپنے قلبی تعلق اور ذوقِ خاص کی وجہ سے "فن تجوید" سیکھنے کا بھی اشتیاق تھا، چنانچہ اس کے لئے مدرسہ سے تقریباً تین کلومیٹر دور جاکر نماز فجر "جامع مسجد" میں ادا فرماتے اور وہاں وقت کے معروف ومشہور قاری ومقری حضرت قاری عبدالخالق صاحبؒ سے تلاوتِ قرآن کی مشق کرتے اور فن سے واقفیت حاصل فرماتے تھے، اس کے علاوہ اپنے اساتذہ بالخصوص ناظم مدرسہ حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ کی خدمتِ بابرکت میں حاضری اور ان کی خدمت کی سعادت حاصل کرنے کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا، اساتذۂ کرام کا احترام، ان کی عزت وتوقیر، اوقات کی تقسیم وتنظیم، عبادات کا اہتمام اور اخلاق کی بلندی کے ساتھ تعلیم میں یکسوئی وانہماک کی وجہ سے آپ کو اپنے اساتذہ کی نظر میں ایک امتیازی مقام حاصل ہوگیا تھا۔

آپ کو طالبِ علمی کے زمانہ ہی سے علم وعمل، ورع وتقویٰ اور انابت الی اللہ کا جو مرتبہ حاصل تھا اس کی صحیح تصویر دیکھنے کے لئے ان کے استاذ گرامی شیخ الحدیث، قطب عالم حضرت مولانا زکریا صاحب کاندھلویؒ کا ایک ارشاد ہزار سطروں پر بھاری اور کافی ہے، حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ: "مولانا ابرار الحق صاحب کو اللہ پاک نے طالبِ علمی ہی کے زمانہ میں صاحبِ نسبت بنادیا تھا اور تعلق مع اللہ کی دولت عطا فرمادی تھی۔"

سبحان اللہ وبحمدہ! اس نوعمری اور کھڑی جوانی میں علم وعمل کا یہ مقام اور دینداری وپرہیزگاری کا یہ مرتبہ یعنی "صاحبِ نسبت ہونا" —— جو بڑے بڑے مجاہدوں اور بیسیوں برس کی ریاضتوں کے بعد بھی نصیب ہوجائے تو غنیمت ہے —— کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ کو آگے چل کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے جو طویل المدت اور وقیع النوعیت دین کے کام لینے تھے، ان کاموں کی لیاقت واستعداد اور متعلقہ صفات سے ابتدائے عمر ہی میں ان کو آراستہ فرمادیا تھا۔

## حاصل کردہ علوم وفنون

تقریباً چودہ سالہ طالب علمی کے دوران حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل علوم وفنون کی تحصیل فرمائی۔

① حفظ قرآن مجید ② فن تجوید وقرأت ③ درس نظامی میں موجود تمام کتب صرف ونحو، بلاغت وادب اور فلسفہ ④ دورہ حدیث کی تمام کتب ـــــ بیماری کی وجہ سے ـــــ دوسال میں ⑤ معقولات میں منطق وفلسفہ کی اونچی کتابیں ⑥ افتاء میں رسم المفتی اور سراجی وغیرہ ⑦ تفسیر میں بیضاوی ومدارک (تکمیل فنون کے طور پر آپ نے مزید دوسال لگائے تھے) انگریزی اور ہندی زبان بقدرِ ضرورت آپ نے غالباً انجمن اسلامیہ ہی میں سیکھ لی تھی، کیوں کہ ان پر بقدرِ ضرورت قدرت عملاً دیکھنے میں آئی ہے، تفصیل معلوم نہ ہوسکی، مثلاً تار پڑھ لیتے تھے، لکھوادیتے تھے، اسی طرح خطوط پر پتہ ضرورت پر خود ہی انگریزی میں تحریر فرمادیتے تھے۔

## اساتذۂ کرام

ان علوم کی تحصیل میں جن اساتذۂ کرام سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے استفادہ فرمایا تھا، ان کے اسماءِ گرامی ذیل میں درج کئے جارہے ہیں تاکہ اندازہ ہوسکے کہ اپنے وقت کے کیسے کیسے نامی گرامی اصحابِ فضل وفن سے حضرتؒ نے علم حاصل کیا اور اس کا جو لازمی نتیجہ زندگی اور فکر ونظر پر مرتب ہونا چاہئے تھا کس طرح ہوا:

• استاذ الاساتذہ حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ • شیخ الحدیث قطب عالم حضرت مولانا زکریا صاحبؒ • استاذ الاساتذہ حضرت مولانا عبدالرحمن کیمل پوریؒ • حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحبؒ • حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ • حضرت مولانا ظریف احمد صاحبؒ • حضرت مولانا منظور احمد خان صاحبؒ • حضرت مولانا عبدالجبار اعظمی صاحبؒ • فقیہ العصر حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ • حضرت مولانا زکریا صاحب قدوسیؒ • قاری عبدالخالق صاحبؒ (ابتدائی دور کے اساتذہ ان کے علاوہ ہیں)۔

## اسنادات وانعامات

شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دورۂ حدیث والے سال اعلان فرمایا تھا کہ امتحان میں جو طالبِ علم نمبر اول آئے گا اس کو "بذل المجہود" ـــــ جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی وقیع ووسیع شرح ابوداؤد ہے ـــــ انعام میں دی جائے گی، بفضلہٖ تعالیٰ امتحان کے بعد حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے تمام نامور رفقاء میں اس کے مستحق قرار پائے، اسی طرح ایک سال حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو امتیازی کامیابی پر اہل مدرسہ نے ۵ روپیہ نقد انعام عطا کیا، نیز تکمیل فنون والے سال متعدد کتابیں آپ کو انعام میں دی گئیں، نیز کامل اعتماد اور وقیع توقعات سے مرصع سندِ فضیلت بھی دی گئی۔

اس کے علاوہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانویؒ نے آپ کو تدریس کے لئے "جامع العلوم" کانپور بھیجتے وقت جو پُر اعتماد کلمات آپ کے حق میں تحریر فرمائے تھے اور جس پر حضرت حکیم الامتؒ نے اُن کلمات سے "لفظ بہ لفظ متفق" ہونے کا اظہار فرمایا تھا، یہ تحریر بھی کسی بڑی سے بڑی سند سے کم نہیں ہے۔

## تصوف وسلوک

یہ تو علوم ظاہرہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی دلچسپی اور خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس کے وافر حصہ کے حصول اور اس کے موافق عملی زندگی میں کامیابی کا ذکر تھا، علم وفضل کے ساتھ اسلام نے جس دوسرے امر کی طرف خصوصی توجہ مبذول کرائی ہے وہ باطن کا تصفیہ، نفس کا تزکیہ اور اخلاق کا تجلّیہ ہے، چنانچہ اس موضوع سے دلچسپی اور اس کی تحصیل کا شوق وفکر اپنی خداداد صلابتِ فکر وسلامتِ قلب کی برکت سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو زمانۂ طالب علمی ہی سے تھا، بلکہ طبیعت بھی فطرتاً کچھ اسی کے مناسب حال پائی تھی، یہی وجہ ہے کہ اپنی طالب علمی کے دور ہی سے اپنے وقت کے مجددِ زماں وحکیم دوراں، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے اصلاح وارادت کا تعلق قائم فرمایا، اس معاملہ میں آپ کے ذوق اور فکر کا عالم یہ تھا کہ مدرسہ مظاہر علوم کی ہر تعطیل میں اپنے شیخ کے ہاں "تھانہ بھون" چلے جایا کرتے تھے، حتیٰ کہ جمعہ کی

ہفتہ واری چھٹی بھی کوشش فرماتے تھے کہ تھانہ بھون ہی میں اپنے شیخ کے زیر سایہ گذرے، خط و کتابت اور ترقی مدارج کا سلسلہ پورے آب و تاب اور کمالِ پختگی کے ساتھ چلتا رہا، تا آنکہ محض ۲۲ سال کی جواں عمری ہی میں ان کے شیخ کی بصیرت نے ان کے اندر صلاح وتقویٰ، ورع و پرہیز گاری، اصلاحِ امت کا غم اور تربیت و تلقین کی استعداد کو محسوس فرماتے ہوئے انھیں اپنی جانب سے "بیعت و تلقین" کی اجازت یعنی "خلافت" سے سرفراز فرمایا تھا، اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ جیسی محتاط اور بالغ نظر ہستی ـــــ جہاں بڑے بڑے علماء وصلحاء اپنی اصلاح و تربیت کیلئے دور دراز علاقوں سے آتے اور مدتوں صحبتِ بابرکت سے مستفید ہوتے تھے ـــــ کا اس جواں سال و نو فارغ عالم دین کو اپنے خلفاء کے سلسلہ میں شمولیت کیلئے منتخب فرمانا کوئی معمولی بات نہیں ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے طریق اور مسلک ومزاج کے جاننے والے ہی اس مرتبہ ومقام کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ پاک نے انھیں شروع ہی سے کن صلاحیتوں کا حامل بنایا تھا۔ چنانچہ حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ کی پوری زندگی ان کے شیخ کی بالغ نظری، باریک بینی اور مردم شناسی کی تفسیر بن گئی تھی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جس طرح حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت سب سے آخر میں پائی تھی اسی طرح اس دُنیا سے پردہ فرمانے میں بھی منجانب اللہ ان کے خلفاء میں سب سے آخر قرار پائے۔

حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس تربیت اور اجازت وخلافت پر کبھی اتکاء نہیں کیا اور اسے کافی بھی نہ سمجھا، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد بھی اپنے کو محتاجِ اصلاح سمجھ کر کسی نہ کسی شیخ سے تعلق رکھتے تھے کہ سر پر سایۂ مرشد ہمیشہ فیض فگن رہے، اس سلسلہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا عمل میرے بجائے حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب مدظلہٗ کی زبان سے سنئے وہ فرماتے ہیں:

> "حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بیماری کے زمانہ میں فرمایا تھا میرے مجازین میں سے جس سے مناسبت ہو کسی کو اپنا مصلح منتخب کرلیں، اس پر حضرت والا شاہ ہردوئی نے خواجہ عزیز الحسن کا انتخاب کیا اور اطلاع کی تو حضرت والا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "لاجواب انتخاب ہے"۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد حضرت شاہ محمد عبدالغنی پھولپوری رحمہ اللہ کو اپنا شیخ بنایا، ان کے انتقال کے بعد

شاہ محمد احمد رحمہ اللہ کو پیر بنایا، ان کے انتقال کے بعد مفتی محمود الحسن گنگوہی رحمہ اللہ کو پیر بنایا"۔

آہ! کیا اخلاص کا عالم ہے کہ خود کو کسی مقام پر پہونچ کر بھی کسی مرشد و راہنما کی ضرورت سے مستغنی نہ سمجھا۔

## تدریسی خدمات

تعلیم سے فراغت کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اساتذۂ کرام کے مشورہ سے اپنی مادرِ علمی "مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور" ہی میں معین مدرس کی حیثیت سے تدریسی خدمات کا آغاز فرمایا، یہ ان کے اساتذۂ کرام کی طرف سے ان کی علمی استعداد اور تدریسی صلاحیت کی واضح سند ہے، اس کے بعد اپنے شیخ حضرت حکیم الامتؒ کے ایماء اور مولوی شبیر علی صاحب ناظم خانقاہ تھانہ بھون کی تجویز پر مدرسہ جامع العلوم کانپور میں ـــــ جہاں خود حضرت حکیم الامتؒ نے بھی ابتداء میں تدریسی خدمات انجام دی تھیں ـــــ دو سال تدریس کا کام انجام دیا، پھر بعض مصالح خاصہ سے وہاں سے علاحدہ ہو کر فتح پور کے "مدرسہ اسلامیہ" میں تقریباً دو سال تدریسی مصروفیت اختیار فرمائی۔

## مدرسہ اشرف المدارس کا قیام

بعد ازاں اپنے وطن ہردوئی تشریف لے آئے اور اپنے پیر و مرشد حضرت حکیم الامتؒ سے مشورہ کے بعد اپنی آبائی و موروثی جائداد پر شوال ۱۳۶۲ھ میں ایک دینی مدرسہ کی بناء بنام "اشرف المدارس" ڈالی اور اسکا سرمایہ توکل علی اللہ تجویز کیا، جس کی صورت یہ تھی کہ مدرسہ اور اس کے کام کا تعارف تو کیا جائے مگر وصولی کے لئے مخلوق سے سوال نہ کیا جائے، جو کچھ تعاون لوگ خود پہنچادیں وہ قبول کرلیا جائے، چنانچہ بفضلہٖ تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی حسنِ نیت کی برکت سے آج تک مدرسہ ملک کے ممتاز اداروں میں سے ایک ہونے اور اچھے خاصے مصارف ہونے کے باوجود اسی ترتیب پر قائم و کارکرد ہے، اس مدرسہ کے قیام کے بعد حسبِ دستورِ عام ابتداءً اہلِ شہر نے مخالفت کی جس کی وجہ سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس مدرسہ کو غالباً پہلے

"بلگرام" پھر "سندیلہ" منتقل کیا، جو قریب ہی کے قصبات ہیں، پھر جب لوگوں کو اس نعمت کی ناقدری کا احساس ہوا اور تعاون وقدردانی کا اظہار کیا تو واپس ہردوئی منتقل فرمادیا، اس وقت سے تاہنوز اسی جگہ قائم وبافیض ہے۔ ایک عرصہ تک حضرت رحمۃ اللہ علیہ خود مدرسہ میں مختلف علوم وفنون کی کتابیں ایک خاص انداز اور پختہ تجربہ کے ساتھ پڑھایا کرتے تھے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے براہِ راست پڑھے ہوئے کچھ لوگ اب بھی موجود ہیں ان کا تاثر یہی ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا طرزِ تدریس منفرد تھا، بعد میں مجلس دعوۃ الحق اور اس کے ماتحت سو سے زائد مدارس کی انتظامی ذمہ داریوں کے بوجھ نے تدریسی سلسلہ کو منقطع کردیا، اس مدرسہ کی مذکورہ بالا خصوصیت کے علاوہ انتظامی، تعلیمی اور تربیتی خصوصیات بھی ایک انفرادی شان رکھتی ہیں، صفائی ستھرائی کا اہتمام مزید تر خصوصیت کا حامل ہے، جس کی کچھ تفصیل اسی مضمون میں آگے ملے گی۔

## اصلاحی اور دعوتی خدمات

ہردوئی آکر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے صرف ایک مدرسہ کے قائم کردینے اور اس میں بیٹھ کر درس وتدریس کا کام کرلینے پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ آپ نے اطراف واکناف کے احوال پر نظر فرمائی اور ملت کو درپیش مسائل کا جائزہ لیا، آپ نے دیکھا کہ مسلمانوں کا حال ہر طرح زار ہے اور قابلِ رحم! نہ عقائد میں پختہ ہیں اور نہ ہی عمل میں استحکام ہے، جہالت اور روایت پرستی کا ہر جگہ دور دورہ ہے، خاندانی وعلاقائی رسوم ورواج ہی کو مذہب سمجھتے ہیں اور عید بقرعید منالینے کو فریضۂ بندگی کی تکمیل تصور کرتے ہیں، اس صورتِ حال کے جائزہ نے آپ کے دل ودماغ کو بہت متاثر وفکرمند کیا اور آپ نے عیش وتنعم، راحت وآرام، عزت ووقار کے وسائل سے بھرپور گھریلو زندگی پر قوم وملت کی صلاح وفلاح اور ابلاغ واصلاح کی پرمشقت وگراں بار ذمہ داری کو ترجیح دی اور اس کی تکمیل کے لئے بے چین وبے قرار ہوگئے، چنانچہ ایک طرف انھوں نے اپنے والد گرامی قدر کی ہردوئی میں قائم کردہ ملی، سماجی اور رفاہی خدمات کے بقاء واستحکام کی جانب توجہ دینی شروع کی تو دوسری جانب اطراف ہردوئی کے چھوٹے بڑے دیہات وقصبات کا سفر کرکے دین کی باتیں پہنچانا اور عقیدہ وعمل کی اصلاح

ودرستگی کی دعوت دینا شروع فرمادیا، اس سلسلہ میں ہر قسم کی صعوبتیں برداشت کیں، جہاں پیدل پہنچ سکتے تھے پیدل پہنچے، جہاں سائیکل پر جاسکتے تھے سائیکل پر گئے، بیل گاڑیوں اور تانگوں میں تک سفر کیا، استقبال و پذیرائی کی خوشیاں بھی دیکھیں، انکار ومخالفت اور دھمکیوں کا سامنا اور تجربہ بھی کیا، ان تجربوں سے ان کی ہمت وحوصلہ میں اضافہ ہی ہوتا رہا، تا آنکہ اس انفرادی جہدِ مسلسل کے بعد کام کی اجتماعی صورت اور جماعتی محنت کی راہیں کھلیں۔

## مجلس دعوۃ الحق کی نشأۃِ ثانیہ

آپ نے اپنے شیخ ومرشد پیرومربی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی قائم کردہ "مجلس دعوۃ الحق" کے احیاء اور اس کے مقاصد کی توسیع وتبلیغ کا عزم کرکے اپنے بڑوں سے مشورہ کے بعد ۱۳۷۰ھ میں اس کا دفتر تھانہ بھون سے ہردوئی منتقل فرمایا، اس کے تحت جگہ جگہ مدارسِ اسلامیہ کے قیام، ان میں باتجوید تعلیم قرآن اور سنت کے موافق تربیتِ طلبہ کی کوشش شروع کی، چنانچہ تمام ہندوستان بالخصوص اطرافِ ہردوئی میں مدارس ومکاتیبِ دینیہ کا ایک جال بچھادیا، جس سے ہزارہا طلبہ نے استفادہ کیا اور آج تک کررہے ہیں، پھر مجلس کے تحت مدرسین کی ٹریننگ (تصحیح) کا بیڑہ اٹھایا گیا جس کی بدولت ملک کے سینکڑوں مدارس میں آج قرآن مجید کی باتجوید تعلیم کا رواج عام ہوچکا ہے۔

مدارس کے علاوہ اصلاحی مساعی کا کام بھی پورے اہتمام کے ساتھ جاری رہا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تبلیغی دورے مدت العمر قائم رہے، دعوۃ الحق کے تحت باقاعدہ مبلغین کا نظم بھی کیا گیا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مختصر ومفصل اصلاحی تحریریں برابر چھپتی اور پورے ملک میں عام کی جاتی رہیں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ان مواعظ ومضامین کے ذریعہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنے گم کردہ راہ انسانوں کو ہدایت کی صراطِ مستقیم نصیب ہوئی۔

## خانقاہی نظام

سینکڑوں مدارس کی نظامت، ان کی براہِ راست نگرانی، دعوتی وتبلیغی طویل اسفار، دعوۃ الحق کے اغراض ومقاصد کی تکمیل جیسی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ اُمت کی باطنی

اصلاح اور روحانی تربیت کا فیضان بھی برابر جاری رہا، دور ونزدیک سے آنے والے طالبانِ تربیت کے قیام کا نظم اور ان کی اصلاحِ حال کی فکر، مریدین ومتوسلین کے خطوط کے جوابات اور ان کی اُلجھنوں میں شرعی وسلوکی راہنمائی ایک مستقل خدمت تھی جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ کی اجازت کے بعد سے اپنی حیات کے آخری دن تک کرتے رہے۔ فجزاہ اللہ عنا وعن سائر المسلمین احسن الجزاء آمین۔

## حج وزیارت کا ذوق:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو تمام ہی اہل اللہ کی طرح حرمین شریفین حاضری اور حج وزیارت کے شرف سے مشرف ہونے کا بہت شوق تھا، حق تعالیٰ نے اس کے مواقع بھی بہت عطا فرمائے، بچپن سے ہمیشہ ہی حضرت والاؒ کے سفرِ حج کا ذکر ہم سنتے رہے، ایک عرصے تک تو مسلسل ہر سال سفرِ حج ہوتا رہا، اندازہ ہے کہ کم از کم ۳۰، ۳۲ مرتبہ تو اللہ پاک نے آپ کو یہ شرف کا ضرور عطا فرمایا تھا۔ خاص بات یہ تھی کہ ہر دفعہ حضرت والا بہت اہتمام سے حاضر ہوتے اور اس کو ہمیشہ حاضری ہی سے تعبیر فرماتے۔ کسی نے ''تشریف'' لے جانے کا لفظ استعمال کیا تو بہت عاجزی سے فرمایا..... ''حاضر'' ہونا کہیں بھئی! وہاں تو سب حاضر ہی ہوتے ہیں، مالک الملک اور احکم الحاکمین کا دربار ہے، یہاں کس کا کیا مقام؟..... میں نے ایک مرتبہ حج کیلئے جاتے ہوئے فون پر سہولت کے لئے دعا کی درخواست کی تو فرمایا..... ''اللہ تعالیٰ سہل بھی فرمائے اور قبول بھی فرمائے، قبولیت کی دعا کیلئے بھی کہنا چاہیے''۔

حرمین شریفین میں آپ کا قیام وہاں قیام پذیر متعلقین کے لئے نعمتِ مغتنم ہوتا اور استفادہ کا سلسلہ جاری رہتا، اصول وضوابط کی رعایت اور تلقین یہاں بھی فرماتے تھے مگر کیفیت میں شفقت کا غلبہ ہوتا، بہت ہی تسامح اور رعایت کا معاملہ فرماتے تھے۔

## نکاح اور ازدواجی زندگی

جیسا کہ آپ جان چکے ہیں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے والدین وجیہ ورئیس ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت خلیق ودین دار تھے، ادھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم خالص دینی واسلامی اور مصروفیات

دعوتی واصلاحی تھیں۔ظاہر ہے کہ والدین ان کے لئے رشتہ کی تلاش اسی پس منظر میں کررہے ہوں گے اور ظاہر ہے کہ اس کے لئے آپؒ کے والد محترم نے حضرت حکیم الامتؒ سے بھی صلاح لی ہوگی، چنانچہ حضرت حکیم الامتؒ ہی نے آپ کے رشتہ کے سلسلہ میں ڈاکٹر احمد شاہ کی صاحبزادی کی نشان دہی وسفارش فرمائی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ محترمہ کو اگرچہ کہ اس میں کچھ تذبذب ہوا، مگر والد محترم نے محض اپنے اور اپنے بیٹے کے شیخ کی رہنمائی میں برکت وسلامتی کا یقین رکھتے ہوئے اس رشتہ کو طے فرمادیا، اور بفضلہٖ تعالیٰ انجام کار ایسا ہی ہوا کہ اس میں غیر معمولی خیر وبرکت ثابت ہوئی۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ محترمہ —— اور ہماری مخدومہ امی جان صاحبہ مدظلہا —— اگرچہ ایک مہذب اور سنجیدہ خانوادہ سے تعلق رکھتی تھیں لیکن وہ خود اور ان کے اہل خاندان عصری تعلیم سے استفادہ کئے ہوئے تھے، جس کی وجہ سے عصری تہذیب سے بھی کچھ نہ کچھ متاثر تھے، ادھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت خالص مذہبی ودینی قسم کی تھی، مزید برآں ان کا مشرب دیوبندی وتھانوی تھا، مزاج میں اتباعِ سنت کا اہتمام اور معاملات ومعاشرت میں شرعی احکام کی پابندی راسخ تھی، اس سب کے باوجود حکیم الامتؒ کا تجویز کردہ یہ جوڑا عجیب وغریب باہمی اتحاد واعتماد کا مظہر جمیل بن کر سامنے آیا، اس سلسلہ میں واقعی امی جان صاحبہ مدظلہا کا ایثار وخود سپردگی لائقِ تحسین ہی نہیں بلکہ اُمت کی عورتوں کے لئے قابلِ تقلید بھی ہے کہ انھوں نے اپنے کو اس اللہ والے شوہر کے سامنے اس قدر مٹایا کہ نہ صرف وفادار وخدمت گذار بیوی کا رول ادا کیا، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر مجسمہ عقیدت اور پیکر وفا واطاعت بن کر زندگی بھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سکون واطمینان، راحت وآرام کا وسیلہ ثابت ہوئیں۔

غالباً شیخ بوعلی دقاقؒ کے بارے میں سنا تھا کہ وہ اپنی اہلیہ سے فرمایا کرتے تھے: سارا جہاں اگر مخالف ہوجائے مگر آپ میرے موافق رہیں تو میرے لئے سب کچھ سہہ لینا آسان ہے لیکن اگر آپ نے مخالفت کی تو اگرچہ کہ سارا عالم میرا معتقد ہو، زندگی کا سکون نصیب نہیں ہوسکتا۔ حقیقتِ واقعہ بھی یہی ہے کہ ایک عام آدمی بھی اپنے گھر سے اگر موافقت ومرافقت نہیں پاتا تو اس کی زندگی اجیرن اور حوصلے وعزائم شکستہ ہوجاتے ہیں چہ جائے کہ خادمِ دین اور داعیٔ اسلام!

حضرت امی جان صاحبہ مدظلہا طبعاً نہایت ہی عفیف و باحیا، مزاج میں انتہائی نفاست وسلیقہ، غربا پروری، یتامیٰ نوازی، ہمدردی وغم گساری کا مجسمہ، پیکر جود وسخا اور خوگر عفو ودرگذر رہیں۔[1]

تعلیم یافتہ ہونے اور ناز ونعم میں پروردہ ہونے کے باوصف انھوں نے اپنی زندگی کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج ومنشا اور چاہت وپسند کے تابع کرلیا تھا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر اشرف المدارس کے قیام اور اپنے پورے اوقات دعوت وتبلیغ کے لئے وقف کردینے کے بعد ابتداءً کچھ عسر وتنگی کے حالات بھی پیش آئے، شخصی طور پر مقروض ہونے کی نوبت بھی آئی، لیکن امی جان صاحبہ مدظلہا تنگی وفراخی کو نظر میں لائے بغیر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی راحت وسہولت کو ہمیشہ اپنا فرض سمجھتیں اور ہر خواہش پر اس فرض کو مقدم رکھتی رہیں۔

ان کے والد ڈاکٹر تھے، ان کی بھائی ڈاکٹر تھے، ان کے ماموں بڑے رئیس اور شکار کے دلدادہ تھے، انھوں نے ملک وبیرونِ ملک شکار کے وہ شوق کئے کہ ایک تاریخ بن گئی۔ چنانچہ اپنے شکار کے دلچسپ اور حیرت انگیز واقعات پر مشتمل باقاعدہ ایک ضخیم کتاب لکھ کر شائع بھی کی تھی، جدید تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے ان کے گھرانہ پر تہذیبِ قدیم کی پاسداری کے ساتھ ساتھ تہذیبِ جدید کے اثرات بھی پائے جاتے تھے۔

یہ اس لئے عرض کیا کہ بعد کے واقعات کو پڑھنے والا سمجھ سکے کہ حضرت امی جان صاحبہ مدظلہا کا ایثار وقربانی کچھ معمولی قسم کی بات نہیں ہے اور اس دور میں بے نظیر نہ سہی کم نظیر تو ضرور ہے، ایک دیہاتی اور دنیا کے بدلتے نقشوں سے غافل وبے خبر عورت کا کسی ماحول میں ڈھل جانا اتنا مشکل نہیں جتنا کہ تعلیم یافتہ اور تجدد پسند ایسے گھرانے کی خاتون کا اپنے کو ایک پختہ عالم دین اور خادمِ اسلام ومسلمین کے مزاج ومنشا میں فنا کردینا مشکل ہے۔ راقم سطور کو اپنے والدین ماجدین کی بدولت اپنے بچپن کا کچھ حصہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں گذارنے کا موقع ملا، کبھی کبھی امی جان صاحبہ اپنے احوال سناتی تھیں مگر وہ عمر کا ایسا حصہ تھا کہ نہ ہم غور سے سنتے تھے نہ ہی ان باتوں کی قدر پہچانتے تھے۔

---

[1] جس وقت یہ مضمون لکھا جارہا تھا وہ حیات تھیں، لیکن رمضان ۱۴۳۰ھ کو وہ بھی دارِ فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئیں، راقم سطور نے حضرت امی جان صاحبہؒ کے سلسلہ میں مستقل مضمون لکھا ہے جو اسی کتاب میں شامل ہے۔

## مرض الوفات اور وفات

تین برس پہلے آپ کی طبیعت ناساز ہوگئی تھی برین ہیمبرج کے شکار ہو گئے تھے، ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ کرشماتی طور پر آپ کو اللہ نے زندگی بخشی ہے لیکن صحت ہونے کے بعد میموری (حافظہ) کا کام کرنا مشکل ہے، مگر دنیا نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے اس مقبول بندے کا صحت کے بعد نہ صرف یہ کہ حافظہ محفوظ تھا بلکہ حسبِ معمول تمام تر علمی واصلاحی ودعوتی سرگرمیوں میں مشغول بھی ہو گئے تھے۔ وفات سے دو تین دن قبل احقر نے عصر بعد فون کیا تو معلوم ہوا کہ مجلس چل رہی ہے اور عشاء کے قریب فون کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت مسجد تشریف لے گئے ہیں، خود انتقال کے دن بھی معلوم ہوا کہ صبح ۶ر بجے سے شام ۷ر بجے تک کام میں مشغول رہے، صبح کی نماز، ترانہ کی حاضری، پورے مدرسہ کا دورہ کر کے انتظام وصفائی کی نگرانی حسب معمول فرمائی، مہمانوں کو مدرسہ اور اس کے انتظامی خصوصیات سے واقف کرایا، جانے والوں کو رخصت فرمایا، عصر بعد مہمانوں کی چائے کا انتظام فرمایا مدرسہ میں امورِ مشورہ کو ملاحظہ اور ان کا حل فرمایا، نمازیں وقت پر پڑھیں، مغرب بعد کچھ ضعف ونقاہت کا اظہار فرمایا اور عشاء سے قبل محبوبِ حقیقی سے جا ملے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

سانحہ وفات کی اطلاع آدھے گھنٹے میں ملک وبیرون ملک پہونچ گئی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو جنازوں کی منتقلی اور تدفین میں تاخیر کی غلطی بہت ناگوار تھی اس پر نکیر فرماتے رہتے تھے، متعلقین وخدام نے طے کیا کہ رات کے کسی حصہ میں ہی یا پھر علی الصباح حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تدفین کا کام مکمل ہو جائے لیکن رات تمام لوگوں کی آمد جاری رہی، صبح ہوتے سوگواروں اور جنازے میں شرکت کے خواہشمندوں کا تاحدِ نظر تانتا بندھ گیا، مجمع قابو سے باہر اور انتظام درہم برہم ہو گیا، تمام تر کوشش کے بعد جنازہ ہر دوئی کی عیدگاہ تک پہونچ سکا، مخدومی حضرت قاری امیر حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے صبح ۹ر بجے نمازِ جنازہ پڑھائی اور ۱۰ر بجے اللہ کی اس امانت کو سپردِ لحد کر کے اللہ کے حوالہ کر دیا گیا۔

اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَہٗ مَا اَعْطٰی وَکُلٌّ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّی

## اولاد واحفاد

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی دو اولادیں تھیں، ایک لڑکا اور ایک لڑکی، صاحبزادۂ محترم مولوی حافظ اشرف الحق صاحب مرحوم تقریباً آٹھ سال تک مسلسل بیماری کی آزمائش سے گذر کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی حیات ہی میں سن ۱۹۷۵ء میں بہ عمر ۲۸ سال داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ .....نہایت ہی ذہین وفطین، خوش مزاج ونرم گفتار اور صابر وشاکر طبیعت کے حامل تھے، بیماری کے اس طویل عرصے میں بھی تلاوت وعبادت کا اہتمام ہمیشہ جاری رہتا تھا، آخری دن بھی نمازوں کا اہتمام کیا، حضرت ہی نے اپنے ہاتھوں سے اپنے اس لختِ جگر کو سپردِ خاک کیا، اس موقعہ پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے صبر اور رضاء بالقضاء کا جو منظر سامنے آیا وہ بڑے بڑے علماء واولیاء کیلئے باعثِ رشک ثابت ہوا۔

صاحبزادی مدظلہا الحمد للہ موجود ہیں جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ وجانشین حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب مدظلہ کی اہلیہ محترمہ ہیں، یہ بھی بفضلہٖ تعالیٰ صالحہ وقانتہ ہیں، نرینہ اولاد نہ ہونیکی وجہ سے انہوں نے ہی آخر تک اپنے والدین کا حق خدمت ادا کیا ہے۔ فجزاھا اللہ احسن الجزاء

حضرت حکیم صاحب مدظلہ کے تین لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں جو بفضلہٖ تعالیٰ سلامت ہیں اللہ تعالیٰ باسلامت رکھے، ان میں سے بڑے نواسے حضرت علیم الحق صاحب زید مجدہ حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ کے مجاز ہیں دوسرے محترم فہیم الحق صاحب اور تیسرے مولوی سلیم الحق صاحب ہیں، انہی نواسوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی آخری سانس تک خدمت کی اور مثالی خدمت کی، اللہ پاک تمام متعلقین کی طرف سے ان سب حضرات کو بہتر جزا عطا فرمائے، آمین۔

## قلبی تاثرات

علم وعمل کا مہر درخشاں نہیں رہا — اب مومنوں کے کیف کا ساماں نہیں رہا
جس کے بیان پہ حُسنِ خطابت کو ناز تھا — ممتاز وہ خطیبِ خطیباں نہیں رہا
عالم کی موت اصل میں عالَم کی موت ہے — ہم میں وہ اک مفسرِ قرآں نہیں رہا
ابرار حق وہ حق نما حق گو تھا حق بیاں — اربابِ حق کے درد کا درماں نہیں رہا
سب ہی رفیق جس کے تھے، دشمن نہ تھا کوئی — وہ پیکرِ خلوص واحساں نہیں رہا

نتیجہ فکر: ڈاکٹر رفیق بالاکوٹی

دوسرا باب
آئینۂ صفات

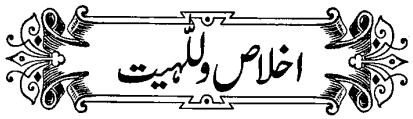


اہل اللہ کی اصل شان خلوص وللّٰہیت ہی ہے، اسی کی وجہ سے وہ اہل اللہ کہلاتے ہیں، اور یہی اسلام کی اساس اور جڑ ہے، یہی تمام مذاہب کی دعوت ہے وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ

حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک ایک اَدا، ان کے اخلاص کی دلیل تھی، کتنے ہی مواقع میں اپنے چھوٹوں کی توجہ دہانی پر رجوع واعتراف کرتے دیکھا گیا، تفصیل میں گئے بغیر ایک دو واقعات نقل کرتا ہوں۔

● حیدرآباد کے نواب خاندان سے تعلق رکھنے والے ایک طالب علم تھے، طبعاً شوخ تھے، بار بار شکایت آتی تھی، ایک دن حضرت سزا دے رہے تھے کہ انہوں نے زبان سے گالی بک دی، حضرت والاؒ نے اس کے بعد اٹھی ہوئی چھڑی اسی طرح روک لی اور فوراً پلٹ کر اپنے دفتر کی طرف چلدیئے، ایسے بہت سے واقعات ہیں کہ وہ کتنے ہی غصے میں تنبیہ فرمارہے ہوں اگر ذرا بھی نفس کی آمیزش کا خطرہ ہوتا وہ کسی کی پرواہ کئے بغیر اپنی حفاظت فرمالیتے تھے۔

● اسی للّٰہیت کا اثر تھا کہ ایک طالب علم ہمارے زمانے میں پڑھتے تھے، بہت ہی شوخ وشریر تھے، ہر استاذ ہر نگراں ان کی حرکات سے بیزار تھا، بار بار حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس شکایت جاتی اور کافی سزا ملتی تھی، مگر اثر ندارد، پھر وہ حسب حال بحال ہوجاتے تھے، ساتھی کہتے تھے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی پٹائی اُس کی نیند کی گولی ہے کھائے بغیر سو نہیں پاتا۔ ایک دفعہ حضرت بہت خفا ہوئے اور کمرے پر پہونچ کر دو طالب علموں سے پکڑوا کر خوب پٹائی کی، (پٹائی کرنے کا حضرت کا خاص انداز تھا کہ مضروب مجروح نہ ہو اور کسی نازک جگہ ضرب نہ پڑے)

وقفے وقفے سے کئی چھڑی لگائی گئی، وہ بہت رو رہا تھا، حضرت کے جانے کے بعد ہم سب کمرے والوں نے اس سے کہا کہ بھئی تم چلے کیوں نہیں جاتے، روزانہ تم بھی پٹتے ہو اور حضرت کو بھی اذیت دیتے ہو، یہاں ضابطے کے مطابق نہیں رہ سکتے تو کسی اور مدرسے میں چلے جاؤ یا کوئی دوسرا راستہ اختیار کرلو، ساری خیر خواہیاں سننے کے بعد اس نے صاف کہہ دیا کہ میں سوچتا تو ہوں کہ ایسی حرکتیں نہیں کروں گا مگر چھوٹ نہیں رہی ہیں اور مجھے حضرت کو چھوڑ کر کہیں نہیں جانا ہے، وہ کتنی بھی سزا دیں پڑھوں گا تو حضرت کے پاس ہی پڑھوں گا۔

## علمی استعداد

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فطری طور پر انتہائی ذہین وفطین تھے، تقوی وپرہیزگاری نے ان کی ذکاوت کو مزید جلا بخشی تھی، پھر طالب علمی کا دور پوری یکسوئی وتندہی کے ساتھ گذارا تھا۔ بڑی محنت وعرق ریزی سے علم حاصل کیا تھا، ان کی طالبعلمی کے زمانہ کا روزنامچہ (ڈائری) اور ان کے اساتذۂ کرام کی شہادت اس ذوق وشوق اور جہد وعمل کی شاہد ہیں۔ خود فرمایا کہ میرے والد اگر چاہتے تو ہر دوئی سے سہارنپور کھانا بھیجنے کا نظم بھی کرسکتے تھے، لیکن انھوں نے مجھ سے سہارنپور بھیجتے وقت فرمادیا تھا کہ بیٹا تم جو علم تم حاصل کرنے جارہے ہو یہ نازونعم سے نہیں! جہد ومحنت سے حاصل ہونے والا علم ہے، اس لئے اپنا ہر کام خود کرتے ہوئے علم حاصل کرو۔ یہ بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خود فرمایا کہ میں تہجد ادا کرنے کے بعد ناشتہ بناتا تھا، پھر پیدل جامع مسجد پہونچتا تھا، نماز کے بعد جامع مسجد ــــ جہاں قاری عبدالخالق صاحب "ایک ایک آیت کی مشق کرواتے تھے ـــــ اس مشق میں شریک ہوتا تھا۔ پھر ایک آدھ کتاب جو نصاب ــــ میں شامل نہیں تھی بعض اساتذہ سے خارج میں اوقات تعلیم سے قبل پڑھ لیتا تھا اور پھر پہلی گھنٹی میں بروقت درسگاہ میں حاضر رہتا تھا، یہ نظام راقم سطور کا خود حضرت محی السنۃ رحمۃ اللہ علیہ زبان مبارک سے ایک سے زائد مرتبہ سنا ہوا ہے۔

اسی سے قارئین ان کے رات دن کے نظام العمل اور نہایت سنجیدہ اور فکرمند دور طالب علمی کا اندازہ کرسکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ نتائج میں بھی وہ اپنے جلیل القدر رفقاء

میں بفضلہٖ تعالیٰ سب سے ممتاز رہے۔ یہ تو کسب اور سعی ظاہری کا حال ہے، جہاں تک وہب وعطاءِ الٰہی کا معاملہ ہے ـــــ جو آدمی کے تقویٰ و پرہیز گاری، آہ وزاری، اور نور باطن کے بقدر منجانب اللہ عطا کیا جاتا ہے اور جو دراصل نورِ علم ہے ـــــ تو ان کی نورانی وربّانی زندگی اُن "علوم لدنیہ" کی مقدار کو سمجھنے کے لئے کافی ہے۔

بہر حال جاننے والے اور قریب سے دیکھنے والے جانتے ہیں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے علوم دینیہ میں کمال عطا فرمایا تھا، علمی صلاحیت غیر معمولی تھی، جزئیات پر بھی نظر تھی، اسی طرح تصنیف وتالیف کا ملکہ بھی حاصل تھا، تحریر جامع ومرتب ہوا کرتی، بڑی بڑی باتیں مختصر الفاظ میں سمو دیا کرتے تھے۔ مگر طبیعت میں چونکہ نظم وانتظام غالب تھا، اور قدرت کو ان سے اصلاً جو کام لینا تھا طبیعت کا رجحان اسی کی طرف ہونے کی وجہ سے تصنیف وتالیف کی طرف زیادہ التفات نہیں فرمایا۔ دور شباب میں جب کہ بستی بستی، گاؤں گاؤں تبلیغِ دین اور اصلاحِ معاشرہ کی انتھک جدوجہد فرمایا کرتے تھے اس وقت کام اور کام کرنے والوں کی ضرورت کے مدنظر چند اصلاحی ودعوتی رسائل آپ نے خود مرتب فرمائے تھے جن کی فہرست تیسرے باب میں شامل کی جائیگی۔

جہاں تک درس وتدریس کا تعلق ہے ایک عرصہ تک آپ نے یہ کام بھی کیا ہے، تقریباً ہر فن کی کتاب پڑھائی ہے اور بہت عمدگی وپختگی سے پڑھائی ہے۔ جن لوگوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تدریس کا زمانہ پایا اور ان سے براہِ راست پڑھنے کا شرف حاصل کیا وہ بتلاتے ہیں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ میں تدریسی صلاحیت غیر معمولی تھی اور مختلف فنون کی کتب پڑھا لیتے تھے، ہر کتاب میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بس یہی فن ان کا پسندیدہ موضوع ہے، چنانچہ خود ان کے تلامذہ میں پڑھانے کی غیر معمولی صلاحیت اور علم میں پختگی اب تک بھی موجود ہے۔

حضرت مولانا عبدالعزیز صاحبؒ[1] فرماتے تھے کہ انہیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے نحو میر اس طرح پڑھائی تھی کہ مکمل ازبر ہوگئی تھی، چونکہ ہر قاعدہ لفظ "بدانکہ" سے شروع ہوتا ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] سابق رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند

پوری کتاب میں جتنے "بدانکہ" ہیں نمبروار یاد بھی کرواتے تھے، اس کا جائزہ بھی لیتے تھے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے طرزِ تدریس میں فنون کے اندر اجراء وتمرین کی اہمیت زیادہ تھی، صرف کتابی امثلہ پر اکتفا نہیں فرماتے تھے۔ طالب علم سے زیادہ کام لیتے تھے اور اسے مختلف تدابیر سے چوکنا رکھتے تھے، غافل ہونے نہیں دیتے تھے، وقار ومتانت کی برقراری کے ساتھ بے تکلفی وخوش مزاجی سے بھی طلبہ کو محظوظ فرماتے تھے۔

میرے والد ماجد حضرت مولوی عبدالغنی صاحبؒ[1] فرماتے تھے کہ میں نے متعدد کتابیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں، ہر فن میں حضرت کو مہارت حاصل تھی، میں عصری تعلیم کے زمانہ ہی سے "حساب" میں ماہر تھا اور امتیازی کامیاب ہوا کرتا تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جب "سراجی" پڑھائی تو جو مشقیں مجھے دیا کرتے تھے اور تقسیم کی مختلف پیچیدہ صورتوں کو جس سُرعت سے خود حل فرمایا کرتے تھے اس کو دیکھ کر میں ان کی استعداد پر دنگ رہ جایا کرتا تھا۔ یہی حال ہدایہ وغیرہ کے اسباق میں فقہی جزئیات کے حل اور ان کی تفہیم کا تھا۔

## مزاجی اعتدال

حضرت تھانویؒ کے بارے میں عام طور سے لوگوں کے ذہن میں تھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ طبعاً سخت مزاج اور شدت پسند تھے، غیر تو غیر بعض مرتبہ حضرت کے متعلقین بھی اسی قسم کی باتیں کرتے تھے چنانچہ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ، حضرت تھانویؒ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> "روایتیں مخالفوں اور دشمنوں ہی کی پہنچائی ہوئی نہ تھیں، بڑے بڑے مخلص وجاں نثار اسی لپیٹ میں تھے، دوست مگر نادان، معتقد مگر نافہم، مخلص مگر کج رائے گویا لغتِ مسیح نصرانیوں کی زبان سے اور مناقبِ شہید کربلا مرثیہ خوانی کے ممبر سے"۔ (حکیم الامت نقوش وتاثرات ص:۲)

یہی حال ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بھی بعض متعلقین اور قریب سے نہ جاننے والوں کا تھا۔ حالانکہ قریب سے دیکھنے والے شہادت دیں گے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ طبعاً نہایت ہی

---

[1] سابق نائب ناظم مدرسہ فیض العلوم، حیدرآباد

ملنسار، خوش مزاج اور خورداں نواز تھے، البتہ غیر مہذب حرکات اور ناپسندیدہ افعال پر ناراض ضرور ہوتے تھے، ان کی گرفت کر کے اصلاح فرمادیا کرتے تھے، جبکہ ایک مصلح کی شان ہونی بھی یہی چاہیے۔ حضرت حکیم الامتؒ نے مرشد کامل کی پہچان کیلئے جو دس بنیادی باتیں "تسہیل قصد السبیل" میں ارشاد فرمائی ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ:

"وہ اپنے مریدوں کی تعلیم جی لگا کر کرتا ہو، اور چاہتا ہو کہ یہ درست ہو جائیں، اور اگر مریدوں کی کوئی بری بات دیکھتا یا سنتا ہو تو ان کو روک ٹوک کرتا ہو یہ نہ ہو کہ ہر ایک کو اس کی مرضی پر چھوڑ دے۔" (اصلاحی نصاب، ص:۵۲۹)

پھر حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ خفگی و ناراضگی بالکل وقتی ہوتی تھی، بلکہ بعض اوقات تو ضرورتِ اصلاح کی خاطر مصنوعی معلوم ہوتی تھی۔ بارہا دیکھا کہ کسی شخص یا واقعہ پر سخت ناراضگی و غضب کا اظہار فرمایا اس کے معاً بعد کوئی دوسرا شخص یا دوسری اچھی حالت سامنے آئی تو کیفیت اس قدر بدل گئی کہ گویا کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ "عدل" یعنی ہر صاحبِ حق کو اس کا حق دینے کا بڑا اہتمام تھا۔ ناراضگی کے مستوجب کو ناراضگی اور محبت و رضامندی کے حقدار کو رضامندی اور احترام کے مستحق کو احترام، شفقت کے مقام پر شفقت انکی بارگاہ سے ہر ایک کو ملتی رہتی تھی۔ مختصر یہ کہ ان کی خفگی و خوشی اللہ رب العزت کی خوشنودی اور احکام کی پابندی کے ساتھ ہوتی تھی، اسی وجہ سے ان کا روٹھنا اہل تعلق کے قلوب کو اداس اور ویران کر دیتا تھا اور ان کی ایک مسکراہٹ اجڑے دلوں اور غمزدہ قلوب میں خوشی و مسرت کی لہر دوڑاتی تھی۔

● حضرت سفر حج پر تشریف لیجا رہے تھے، اس زمانہ میں بذریعہ کار لکھنؤ کا، وہاں سے بذریعہ ٹرین بمبئی کا، بمبئی سے بذریعہ طیارہ جدہ کا سفر ہوا کرتا تھا۔ یہ ہماری طالب علمی کا زمانہ تھا، ان دنوں ہر دوئی میں بکثرت بیرون ملکی طلبہ بھی زیر تعلیم تھے، ایک افریقی طالب علم نے حضرت کو وداع کرنے کے لئے لکھنؤ تک چلنے کی اجازت طلب کی، حضرت نے اجازت نہیں دی اور فرمایا کہ تم لوگ پڑھنے آئے ہو، اوقات خراب مت کرو، یہیں سے رخصت کر کے پڑھنے میں مصروف رہو۔ انہوں نے خوش دلی سے قبول کر لیا۔ ایک دوسرے افریقی طالب علم کو حضرت نے سامان لے کر لکھنؤ پہونچنے کی ہدایت دی۔ اس طالب علم کو خیال ہوا کہ

اکیلے کیا جائیں کسی کو ساتھ لے لینا چاہیے، اس نے اسی ساتھی سے ـــــ جسے حضرت نے اجازت نہیں دی تھی ـــــ کہا کہ حضرت نے ہم دونوں کو سامان لیکر لکھنؤ پہونچنے کے لئے کہا ہے۔ یہ بیچارے سمجھے کہ شاید حضرت کی بعد میں رائے بدل گئی ہوگی۔ ہنسی خوشی تیار ہو کے چلے گئے، ادھر جب حضرت لکھنؤ پہونچ گئے تو میزبان کے گھر حاضرین میں حضرت کی نظر اس طالب علم پر پڑ گئی، فوراً سوال فرمایا: تم منع کرنے کے باوجود یہاں کیسے آ گئے؟ اور اس نافرمانی پر سخت ناراضگی اور تکلیف کا اظہار فرمایا۔ یہ بیچارہ صفائی پیش کرنا ہی چاہ رہا تھا کہ اس کے ساتھی نے حضرت کے پیچھے کھڑے ہو کر اشارہ کیا کہ "میرا نام نہ بتلانا"..... اب اس کیلئے بڑی آزمائش تھی، ایک طرف اپنی بے قصوری کے باوجود حضرت کی ناراضگی و خفگی، دوسری طرف اپنے ساتھی کو قصوروار ہونے کے باوجود بچانا۔ بہر حال اللہ کے بندے نے خاموشی اختیار کر لی۔ حضرت نے مجلس سے اٹھا دیا کہ ابھی مدرسہ چلے جاؤ۔ چپ چاپ اٹھ کر چلے گئے، یہ تو خیر ایک قصہ ہو گیا۔ طالب علمی کے زمانے میں نادانی سے ایسی حرکتیں ہو جایا کرتی ہیں مگر بتلانا جو چیز چاہتا ہوں وہ یہ کہ اس سفر کے رفیق و شریک حاجی عبدالرحمن صاحب کا بیان ہے کہ لکھنؤ سے بمبئی کے دورانِ سفر حضرت نے متعدد مرتبہ فرمایا "بمبئی پہونچ کر یاد دلانا ایک ضروری تار بھیجنا ہے" وہاں پہونچ کر یاد دہانی کی گئی تو اس طالب علم کا نام لے کر (جنہیں حضرت نے ڈانٹ کر لکھنؤ سے واپس مدرسہ بھیج دیا تھا) فرمایا کہ اس کے نام ایک تار بھیج دو کہ "میں نے معاف کر دیا ہے" اور فرمانے لگے بے چارہ پردیس میں ہے اور سوچتا ہوگا کہ حج کو جا رہے ہیں، معاملہ کی صفائی اور معافی کا موقع بھی نہیں ملا، اسلئے اس کے دل کو ملال رہے گا۔ میں کہتا ہوں اس کے دل کو ملال رہا ہو یا نہ ہو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دل کو برابر ملال رہا، یہ تھی ان کی ڈانٹ ڈپٹ کی حقیقت!

● فیض العلوم میں میرے والد ماجد کی مخلصانہ خدمات سے وہ ہمیشہ مطمئن اور مسرور رہے، اس لئے کہ والد صاحب جوانی میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور چودہ سال ان کی خدمت میں رہے تھے، بقول مولانا بشارت علی صاحب رحمہ اللہ کے "حضرت کے

لوگوں میں حضرت کے مزاج شناس مولوی عبدالغنی صاحب سے زیادہ کوئی نہیں"۔ یہی بات حضرت قاری امیر حسن صاحبؒ نے ہم لوگوں سے بار بار فرمائی۔ جب فیض العلوم کے قیام کیلئے حضرت حاجی عبدالستار صاحبؒ کی خواہش پر حضرت والاؒ نے ان کا تبادلہ فیض العلوم کر کے بھیجا تو انہوں نے اس مدرسہ پر اتنی محنت کی کہ اسے اشرف المدارس کا چربہ بنا دیا تھا، پھر بھی بعض معاونین کی جانب سے شکایات کا سلسلہ چلتا رہتا تھا اور حضرت کی ایسے مواقع پر خاص حکمتِ عملی ہوتی تھی کہ اپنوں پر اظہار ناراضگی اور سخت گرفت کرتے تھے، بعد میں کسی طرح ان کی دلداری کر کے غم غلط کر دیا کرتے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت حیدرآباد تشریف لائے تو والد صاحبؒ کی - آنے کے بعد سے - مسلسل گرفت پکڑ اور ذرا ذرا سی بات پر خفگی وناراضگی ہوتی رہی۔ مختصر قیام تھا، واپس ہوتے وقت ریلوے اسٹیشن پہونچنے والوں کے نام خود طے کئے، ان میں والد صاحب کا نام بھی شامل تھا، مجھے اچھی طرح یاد ہے، نامپلی اسٹیشن پر حضرت نے مجمع سے علاحدہ لیجا کر والد صاحب کو کچھ ہدیہ دیا اور فرمایا "تمہارے کام سے میں خوش ہوں اطمینان رکھو"۔

## اِتباعِ سنت کا اہتمام

ہمارے اکابر کے نزدیک "ولایت" نام ہے گناہوں سے بچنے اور سنتوں کے اہتمام کرنے کا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت میں اللہ تعالیٰ نے اتباعِ سنت کا ایسا ذوق وشوق رکھا تھا کہ ہر جاننے اور دیکھنے والا اس کا معترف ہے حتی کہ آخیر عمر میں ان کا لقب ہی "محی السنۃ" معروف ہو گیا تھا اور اسی نام سے وہ عوام وخواص میں جانے پہچانے جاتے تھے، عبادات سے لے کر عادات تک اور تدین سے لیکر تمدن تک پوری زندگی اتباعِ سنت کے نور میں منور اور احکامِ شریعت کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ والحمد للہ اولاً وآخراً

● حضرت رحمۃ اللہ علیہ صبح وشام کی عام عملی سنن کا جو اہتمام فرماتے تھے ان کی تفصیل میں گئے بغیر چند معمولات کا ذکر کرتا ہوں، مثلاً اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود نمازوں کی سننِ مؤکدہ کے علاوہ تہجد، اشراق، اور اوابین کا سفر وحضر، صحت وبیماری میں بھی اہتمام کرتے دیکھا۔ اسی

طرح وضو میں مسواک کا اہتمام بھی فرماتے تھے۔ایک دفعہ راقم تہجد کا وضو کرا رہا تھا مسواک طلب فرما کر استعمال کی، اس کے بعد فرمایا ''مسواک کا اہتمام کرنا چاہیے، اگر مسواک نہ ہو تو موٹے کپڑے سے یا پھر کم از کم انگلی ہی سے دانتوں کی صفائی کر لینی چاہئے، کیونکہ یہ اہم سنت ہے''.....اسی طرح اکرام مسلم اور اس میں فرقِ مراتب کا بڑا خیال فرماتے تھے۔ ملاقاتوں میں، مجالس میں، صفوں میں، پہلے علماء کرام پھر معمر و سفید ریش افراد کو دوسروں پر ترجیح دیتے تھے۔تقسیم میں اہل یمین کی تقدیم کا ہر وقت لحاظ رکھا کرتے تھے۔اسی طرح لباس کے پہننے اتارنے میں بھی اس کے مسنون طرز کے پابند تھے۔سفر سے قبل دوگانہ کا بھی بہت اہتمام تھا حتیٰ کہ جب وہیل چیر ہی کے ہو کر رہ گئے تھے تب بھی انہیں ہر سفر سے قبل دو رکعت نفل اہتمام کے ساتھ پڑھتے دیکھا گیا۔معذور ہونے سے قبل تک سرمہ لگانے کا بھی اہتمام تھا۔ایک مرتبہ حضرت لونہ والا میں تبدیلی آب و ہوا کے لئے تشریف فرما تھے، میں بھی ایک دور فقاء کے ساتھ ملاقات کے لئے حاضر ہوا، حضرت چارپائی پر لیٹے ہوتے اور ہم لوگ اطراف بیٹھ جاتے تھے، بہت ساری باتیں بڑی بے تکلفی سے سناتے اور نصیحتیں بھی فرماتے تھے، اسی سلسلہ میں سرمہ کے اہتمام کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا: ''مجھے شروع سے اس سنت کی توفیق ملتی رہی دیکھو یہ عمر ہوگئی ہے، معالج کہتے ہیں کہ آپ کی آنکھیں بہت عمدہ ہیں مجھے اب بھی خوب نظر آتا ہے، یہ اسی سنت کی برکت ہے''۔

● حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بھانجی کا عقد تھا، بہن صاحبہ جدید تعلیم یافتہ اور کسی اسکول کی پرنسپل تھیں، کافی رکھ رکھاؤ اور تکلف سے رہا کرتی تھیں، حضرت والا نے اس موقعہ پر انہیں راضی کر لیا کہ یہ نکاح ان کی نگرانی میں اور سنت کے مطابق سادگی کے ساتھ انجام پائے گا، یہ حضرت کیلئے بہت خوشی کا اور خاندان میں ایک اچھی مثال پیش کرنے کا موقعہ تھا۔دینی قسم کے نکاحوں میں عام طور سے خواہش ہوتی ہے کہ کسی بڑے بزرگ عالم دین کا وعظ اور دعا بھی ہو جائے اور انہیں سے خطبۂ نکاح پڑھوالیا جائے۔فقیہ العصر حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حضرت کے استاذ تھے، ان سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بڑی عقیدت و محبت تھی، وہ

بھی انہیں مثل اولادِ صالح کے بہت چاہتے تھے، حضرت والا نے انہیں خط لکھا کہ میری بھانجی کا نکاح ہے اور تمام امور حتی المقدور سنت کے مطابق انجام پا رہے ہیں، میری خواہش ہے کہ اس موقع پر حضرت والا تشریف لا کر عقد پڑھا دیں۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے جواب لکھا، "اگر آپ یہ ثابت کر دیں کہ نکاح پڑھانے کیلئے کسی کو باہر سے بلانا بھی سنت ہے تو میں آنے کیلئے تیار ہوں"..... حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس جواب کا ذرا بُرا نہ مانا بلکہ اس توجہ دہانی پر خوش ہوتے ہوئے استاذِ محترم کا شکریہ ادا فرمایا، سبحان اللہ! یہ کیسی سچی محبتیں اور للّٰہیت کی جیتی جاگتی تصویریں ہیں، ان کے ہاں دین سے بڑا کوئی رشتہ نہ تھا، سب محبتیں اور تعلقات دین کی نسبت سے تھیں۔

● بنگلور میں حضرت تبدیلی آب وہوا کے سلسلہ میں چند دن کے لئے محترم ہاشم موسیٰ صاحب کے مکان میں مقیم تھے، ہم لوگ بھی حاضر خدمت ہوئے، اس اثنا میں میسور کا سفر طے پایا، حضرت نے ہم لوگوں سے فرمایا کہ صبح کی نماز مسجد میں پڑھ کر آئیں، آتے ہی روانگی ہو جائیگی، ہم لوگ مسجد سے واپس آئے حضرت بھی بالا خانے میں تیاری فرما رہے تھے، صاحبِ خانہ نے ہم لوگوں کے لئے چائے لائی تو ہم لوگوں نے پی لی، ایک معروف پیر اور عالم دین بھی اس سفر میں ساتھ تھے، حضرت ان کا بڑا خیال فرماتے تھے، جب حضرت نیچے آ کر ہم لوگوں کو چلنے کا حکم دے رہے تھے حضرت کی نظر چائے کی پیالیوں پر پڑی، ایک پیالی میں گھونٹ بھر یا اس سے بھی کم چائے بچی ہوئی تھی، فوراً دریافت کیا کہ یہ کس نے بچائی ہے؟ سب خاموش رہے، پھر پوچھا یہ کس کی پیالی ہے بھئی! پیر صاحب نے کہا میری ہے، فرمایا اتنی چائے کیوں بچائی ہے؟ یہ اللہ کی نعمت کی ناقدری نہیں ہے؟ وہ چُپ رہے، حضرت کو جلال آ گیا پیالی کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے فرمایا "آپ نہیں پئیں گے تو لاؤ میں پی لیتا ہوں"۔ تب انہوں نے فوراً اٹھا کر پی لیا۔ کہنے کو یہ معمولی بات ہے لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ ایسی باریک باریک باتوں پر نظر رکھتے تھے، خلافِ سنت کو کبھی گوارا نہیں فرماتے تھے۔

● جب آپ کی صاحبزادی کا نکاح ہو رہا تھا آپ نے ہر کام سنت کے مطابق انجام

دینے کا بڑا اہتمام فرمایا، یہاں تک کہ چھواروں کی تقسیم کا مسئلہ آیا تو باقاعدہ تحقیق کر کے خود انتظام فرمایا، نیز اس کی تاکید فرمائی کہ چونکہ چھواروں (سوکھے کھجوروں) کا ہی ذکر ہے اس لئے اس میں مزید کسی چیز کو شامل نہ کیا جائے۔

● اسی طرح جب نواسی کا نکاح فرمایا تو لڑکے والے چونکہ سفر کر کے آئے تھے اور واپس بھی ہونے والے تھے اس لئے صرف ان کے لئے کھانے کا نظم کیا، وہ بھی غالباً چار پانچ آدمی ہوں گے، مقامی کسی ایک آدمی کو بھی شریک نہیں فرمایا، امی جان صاحبہ نے شرکاءِ دعوت میں حضرت قاری صاحبؒ[1] کو بڑھا لینے کی اجازت چاہی تو اس کی بھی اجازت نہیں دی اور فرمایا کہ آج تو نہیں پھر کسی اور موقعہ سے قاری صاحبؒ کی دعوت کر لی جائے، حالانکہ یوں حضرت قاری صاحبؒ کی ضیافت وخدمت تو آپ کے گھر سے مسلسل چلتی رہتی تھی، مگر حضرت چاہتے تھے کہ جب نکاح کو ارزاں اور سہل بنانے کی تلقین دوسروں کو کی جاتی ہے تو یہاں اور بھی اہتمام ہونا چاہیے۔

● صاحبزادے کا انتقال اذانِ عشاء کے وقت ہوا، اس دن بھی حضرت والاؒ نے حسبِ معمول نمازِ عشاء کی خود امامت فرمائی، اور اعلان کیا کہ اشرف میاں جو کافی عرصے سے بیمار چل رہے تھے آج انہیں مکمل آرام ہو گیا ہے، جن لوگوں سے ہو سکے قرآن مجید پڑھ کر ایصالِ ثواب کریں، تدفین میں تعجیل کے حکم کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کی کوشش تو یہ تھی کہ رات ہی میں تدفین ہو جائے مگر انتظامی دشواریوں کی وجہ سے صبح کرنی پڑی۔ جوان بیٹے - وہ بھی اکلوتے - سے جدائی کے ایسے وقت بوڑھے باپ کی بے کلی و بے خودی کی کیا کچھ کیفیت ہوتی ہے ہر دل والا سمجھ سکتا ہے مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس حال میں تمام امور کے سنت کے مطابق انجام پانے پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھے۔

● بہن کا انتقال عید کی رات میں ہوا تھا، ظاہر ہے کہ صبح عید تھی تو کیا عید ہوتی؟ بچوں کیلئے ایک ہی تو پھوپی تھیں وہ بھی چل بسیں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے عید کی تیاری فرمائی اور تمام

---

[1] حضرت مولانا قاری امیر حسن صاحبؒ جو اشرف المدارس ہردوئی میں کھڑی جوانی میں مدرس ہوئے تھے پھر پوری عمر حضرتؒ کے ساتھ حسن وفا کا ثبوت دیتے رہے۔

گھر والوں کو پابند کیا کہ وہ بھی حسبِ معمول عید کی سنتوں کی تکمیل کریں، کیونکہ غم بھی اللہ نے دیا ہے اور عید بھی اللہ نے دی ہے، اگر ایک کا تقاضہ اظہارِ غم ہے تو دوسرے کا تقاضہ اظہارِ خوشی ہے۔ میں نے اس واقعہ کی خود حضرت سے تحقیق کی تو فرمایا "جی ہاں! اللہ نے توفیق دی تھی"۔

## قرآنِ کریم سے والہانہ تعلق

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دعا میں اللہ تعالیٰ سے قرآن مجید کی محبت اور اس سے غایتِ تعلق کو مانگتے ہوئے فرمایا: "و تخلطه بلحمی و دمی" اے اللہ! اس قرآن کی برکت وعظمت کو میرے گوشت اور خون میں تک شامل فرما دیجئے، ایک اور دعا میں متعدد اسماء الٰہیہ کے صدقہ میں اللہ تعالیٰ سے التجاء فرمائی گئی کہ قرآن کریم کو میرے دل کی بہار، آنکھوں کی ٹھنڈک، غموں کا علاج اور درد والم کا مداوا بنا دیجئے۔

اتباع سنت کے غایت اہتمام کی بدولت اللہ تعالیٰ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بھی قرآن مجید سے ایسی عقیدت ومحبت اور والہانہ تعلق وشغف نصیب فرمایا تھا کہ ان کی زندگی پر بس قرآن کریم ہی کا رنگ چھا گیا تھا۔ "لونہ والا" کے قیام میں، جب میں حاضر خدمت تھا ایک روز فرمایا: "جب مجھے پہلی دفعہ بیت اللہ حاضری کی توفیق ملی تھی تو میں نے حج کے بعد مقام ابراھیم پر اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ ہندوستان جا کر قرآن مجید کی صحیح تعلیم کو رواج دینے کی کوشش کروں گا"..... پھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا: "پچاس سال سے اس عہد کو پورا کرنے کی جدوجہد میں لگا ہوا ہوں، جہاں جاتا ہوں سارے عالم میں یہی پیغام دیتا ہوں کہ قرآن مجید صحیح پڑھنا سیکھو اور اس کا ادب واحترام کرو، اذان نماز کو سنت کے مطابق بنالو"

چنانچہ حضرت والا کی تمام زندگی قرآن کریم کے حقوقِ ظاہرہ ومعنویہ کی ادائیگی کے اہتمام اور دوسروں کو اس کی طرف دعوت دینے میں گذر گئی۔ خاص طور سے اس کے ظاہری احترام جس کی جانب اس زمانہ میں بڑی غفلت ہوگئی اور ہوتی جارہی ہے کی طرف بڑے سوز وگداز اور والہانہ انداز سے توجہ دلاتے رہتے تھے۔ تجوید کے مطابق تلاوتِ قرآن کا رواج تو کہنا چاہیے کہ ہندوستان میں ان کے نمایاں کارناموں میں شمار کئے جانے کے قابل

ہے۔آج بیشتر مدارسِ دینیہ میں تجوید کا اہتمام بلا واسطہ یا بالواسطہ انہی کا فیض ہے۔ قرآن کریم کو صاف ستھرا رکھنے، جزدان میں محفوظ وملبوس رکھنے، اس کے لئے جو جگہ مختص ہو اس جگہ کے نمایاں اور صاف ہونے، جزدان کے میلے کچیلے اور گردوغبار سے پاک ہونے، اس کے بوسیدہ اور علاحدہ شدہ اوراق کے محفوظ کرنے، اس کے رکھنے کیلئے بجائے دوسری تپائیوں کے صرف "رحل" کے استعمال کرنے کی بہت ترغیب دیتے تھے، پھر اس رحل کو بھی فرماتے تھے کہ پایوں پر ہی کھڑا کرنا چاہیے، کروٹ نہیں، فرماتے تھے کہ اس کا اوپری حصہ چونکہ کلام اللہ سے مس ہوتا ہے اس لئے اسے فرش پر نہ رکھا جائے۔

اسی طرح خلافِ تجوید تلاوت کو قطعاً برداشت نہیں فرماتے تھے۔حافظ کا بھی بڑا اکرام فرماتے تھے، اس کو نیچے بٹھا کر قرآن سننا سنوانا پسند نہیں کرتے تھے، اپنے پاس برابر والی جگہ پر بٹھاتے تھے، جلسوں میں مقررین کے انتظار میں تلاوت وقرات کا سلسلہ چلانے کو قرآن مجید کی نہایت ہی ناقدری اور توہین قرار دیتے تھے۔قرآن مجید کو بلا جزدان رکھنے کے سخت مخالف تھے اور جزدان کو برسوں نہ دھونے کی عام عادت پر بھی نکیر فرماتے تھے۔

فرماتے تھے..... "اپنے جسم کے کپڑے، اپنے سر کی ٹوپی تو روزانہ یا ہفتہ وار دھلتی رہے، مگر کلام اللہ کا جزدان برسوں نہ دھویا جائے، یونہی گردوغبار میں اٹا رہے، کس قدر افسوس کی بات ہے"۔پھر یہ بھی فرماتے تھے کہ "اگر جزدان دھویا جائے تو اس کا دھوون نالیوں میں نہ بہایا جائے، ایک برتن میں جمع کر کے درخت کی جڑوں میں ڈال دیا جائے"۔فرماتے تھے "کعبۃ اللہ کے غلاف کی تو اتنی قدر کہ اس کا ایک دھاگہ مل جائے تو لوگ سر آنکھوں پر رکھیں، مگر کلام اللہ کے جزدان کی کوئی وقعت دلوں میں نہیں ہے جبکہ وہ تو بیت اللہ کا غلاف ہے اور یہ کلام اللہ کا غلاف ہے!"۔

## طبعی نفاست ونزاکت

کہتے ہیں..... ؎ "خدا جس کو حسن دیتا ہے نزاکت آ ہی جاتی ہے"

نہایت حسین وخوبصورت ہونے کے ساتھ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے طبیعت بھی کچھ اس قدر نفیس

ونازک پائی تھی کہ کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ اور یہ فطری نفاست ونزاکت بھی بناوٹ وتصنع سے پاک تھی، رہن سہن، رکھ رکھاؤ، لباس و پوشاک، حجرۂ مبارک اور فرش وفراش، اشیاء واسباب، ہر ایک چیز اور ہر ایک ادا ان کے طبعِ نازک کی آئینہ دار ہوا کرتی تھی، واقعی سلیقہ ایک فطری چیز ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے بھی کہیں قیام ہو وہ چاہتے تھے کہ ہر کام ایک مخصوص ترتیب اور اہتمام سے ہو، بدسلیقگی اور بھونڈا پن سخت ناگوار اور بارِ خاطر تھا، ایک مرتبہ میں نے حیدرآباد کے قیام میں کھانے کے لئے دسترخوان بچھایا اس دسترخوان پر صبح ناشتہ میں پتہ نہیں کسی سے تیل کے ایک دو قطرے گر گئے تھے۔ جب بچھایا تو سفید اور ایکدم صاف ستھرے دسترخوان پر وہ سالن کے ایک دو دھبے واضح نظر آرہے تھے، آپ جب دسترخوان پر تشریف لائے تو سب سے پہلے اسی پر نظر پڑی سخت ناگواری ہوئی، مجھ سے فرمایا: "تمہیں یہ دھبے نظر نہیں آئے؟ تمہارے کپڑوں پر تم اس کو برداشت کرلو گے؟ اس کو تم رومال بنا کر اوڑھ لو! اپنے رومال پر تو ایک داغ پسند نہیں، اللہ تعالیٰ کی روزی رکھنے کے دسترخوان پر سب برداشت کر لیتے ہیں؟ جاؤ صاف دسترخوان لاکر بچھاؤ"۔ عجیب شان تھی، طبعی نفاست تو تھی ہی اس میں روزی کا احترام اور اس کی قدر وعظمت بھی شامل تھی۔

کھاتے بہت کم تھے مگر نہایت نفیس ہلکی پھلکی غذا کھاتے تھے۔ ان کے کھانے کی ہر چیز محترمہ امی جان صاحبہ نہایت سلیقے اور ڈھنگ سے تیار کرواتی تھیں۔ کھاتے وقت باتیں بھی فرحت افزا پسند کرتے تھے، گرانی وتکلیف کی باتوں سے منع کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ کھاتے وقت "ب" بھی مت کہو اس لئے کہ بیماری کی طرف دھیان چلا جاتا ہے، اسی طرح موت کی، بیماری کی اور پریشانی کی باتیں کھاتے وقت مناسب نہیں ہیں۔ فرماتے تھے کہ ایسی باتوں سے دل دماغ پر بہت اثر ہوتا ہے اور ایسی حالت میں کھائے ہوئے کھانے کا کیا خون بنے گا؟

خوشبو کا ذوق بھی بہت اعلیٰ تھا، اصلی عطریات ہی کا استعمال فرماتے تھے، تیز اور سنتھیٹک خوشبو سے تکدر ہوتا تھا، اگربتی کے دھواں اور خوشبو دونوں سے سخت تکلیف ہوتی تھی۔ فرمایا کرتے تھے "اگربتی کی خوش بو سے تو میرے حلق میں خراش ہو جاتی ہے"۔

پلنگ پر چادر ایک دم سفید ہوا کرتی تھی اور رضائی بھی کبھی سفید غلاف چڑھی ہوئی کبھی ویسی ہی، مگر صاف ستھری ہوتی تھی۔ نماز پڑھنے کے لئے اخیر عمر میں ایک چھوٹی سی گدی تھی اس پر اور وضو کے لئے جو چوکی بنی ہوئی تھی اس پر، اسی طرح سرہانے کے تکئے اور گاؤ تکئے پر بھی سفر حضر ہر حال میں ایکدم سفید غلاف ہوا کرتا تھا، ذرا سا بھی میل محسوس ہوتا تو ناگواری اور گرانیٔ خاطر ہوا کرتی تھی۔ اسی لئے سفر میں بستر اور تکیوں کے لئے دُھلے ہوئے سیٹ بھی علاحدہ سے رکھے جاتے تھے، ایک مرتبہ الہ آباد کے سفر میں جب حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کے ہاں پہونچے تو ہم لوگوں کی غفلت سے غلاف پر کوئی دھبّہ لگ گیا تھا، ناگواری ہوئی فرمایا "ابھی کہیں ایک طرف جا کر بدل لو"۔

کھانے پینے کے برتن سفید چینی کے ان پر بہت ہی نازک کام ہوتا تھا، کبھی بے ڈھنگے اسباب استعمال میں کم از کم میں نے نہیں دیکھے، جبکہ مجھے بہت کچھ خدمت کا اور قریب رہنے کا موقعہ ملا ہے۔ یاد رہے کہ ان چیزوں کے لئے تکلف اور اسراف بالکل نہیں ہوتا تھا، خدام و منتظمین ان کی طبعی نفاست اور مزاجی نزاکت، نیز دی ہوئی تربیت کی وجہ سے ہر کام میں شروع ہی سے اس کا خیال رکھا کرتے تھے۔

پلیٹ میں دال سالن تھوڑا تھوڑا نکالتے تھے، زیادہ مقدار میں نہیں لیتے تھے، بلکہ کوئی ایک دم سے بہت سارا سالن نکال لے تو طبعی تکدر چہرہ پر محسوس ہوتا تھا۔ کھاتے وقت دوسروں کی بہت سی ناپسندیدہ حرکتوں کو ضبط فرما لیتے تھے مگر کبھی کبھی اصلاح ضروری سمجھتے تو ٹوکتے تھے مگر حفظِ مراتب کا لحاظ بھی فرماتے تھے۔

یہی حال اسباب و سامان رکھنے میں بھی تھا، کہیں اینٹیں رکھوانی ہوں، مطبخ کی لکڑیاں رکھوانی ہوں ایک ترتیب اور سلیقے سے رکھواتے تھے، خود کھڑے ہو کے طریقہ بتلاتے تھے، مجلس میں چارپائیاں بھی ایک ترتیب سے لگنی چاہیے، ان پر بیٹھنے والوں کی بھی ترتیب ہونی چاہیے، فرش بھی سلیقہ سے بچھنا چاہیے، عصر بعد کی مجلس میں جو جوٹ کے پٹے بچھائے جاتے تھے، وہ طلبہ نے ایک دن نئے پرانے کیف ما اتفق بچھا دیئے، حضرت اندر سے تشریف

لانے تک چونکہ لوگ بیٹھ چکے تھے تو اس وقت تو نظر نہ پڑ سکی، جب مغرب پڑھ کر سنتوں کیلئے چبوترہ پر تشریف لائے تو دیکھا کہ چھوٹے بڑے نئے پرانے پٹے سب بے ترتیب بچھے ہوئے ہیں، باری والوں کو بلا کر سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ "روز سکھاتا ہوں اور بتلاتا ہوں مگر تم لوگ سیکھتے نہیں، یہی کام اگر ترتیب اور سلیقے سے کرتے تو تمہارا کیا نقصان تھا؟ اس لاپرواہی سے بہت تکلیف ہوتی ہے، قلق ہوتا ہے، یہی چیزیں دیکھ دیکھ کر میری صحت ناساز ہوتی جارہی ہے"۔

میز پر رکھا ہوا سامان بھی قرینے اور ترتیب سے ہونا چاہیے حد یہ ہیکہ دوا کی بوتلیں بھی ایک لائن میں رکھی ہوئی ہوں، بڑی پیچھے ہوں اور چھوٹی آگے ہوں، ٹیبلٹ بھی جما کر رکھے گئے ہوں۔ کہتے ہیں کہ جب حضرت برج کینڈی ہاسپٹل میں کئی دن کے علاج کے بعد کوما سے باہر آئے اور دیکھنے سمجھنے لگے تو قریب کی میز پر بے ڈھب رکھی ہوئی اشیاء کی طرف اشارہ کر کے انہیں صحیح رکھنے کی ہدایت دینے لگے تھے، کمال یہ ہے کہ یہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا فطری سلیقہ تھا، تکلف تصنع کچھ نہ تھا۔

## مذاق ومزاح

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مزاجِ مبارک میں جہاں نہایت ہی نفاست ونظافت تھی، وہیں مذاق ومزاح کا بھی بہت ہی سنجیدہ اور پروقار ذوق پایا جاتا تھا، کبھی کبھی زیر لب مسکراہٹ کے ساتھ بہت ہی نفیس مزاح فرمالیا کرتے تھے۔ قہقہہ تو کبھی یاد نہیں کہ لگایا ہو، ضحک بھی کبھی کبھار، اکثر تبسم فرمایا کرتے تھے۔ لیکن ان کی ایک مسکراہٹ ہزاروں مجروح ومغموم دلوں کو فرحت ومسرت سے بھر دیتی تھی۔

● میرے ایک دوست اور بچپن کے ساتھی ہیں ماشاء اللہ حافظ، قاری اور عالم دین ہیں حضرت بھی ان کو اچھی طرح جانتے ہیں ادھر کچھ عرصے سے ان کی جسامت میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی تو ان کا عالم حافظ ہونا تو معلوم ہی تھا جسم کی فربہی بھی نظر آئی تو مسکراتے ہوئے فرمایا بسطۃً فی العلم والجسم

● رمضان شریف میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تراویح مہمانوں کے ہمراہ چبوترہ پر ہوتی تھی، مسجد میں علاحدہ ہوتی تھی، بعض طلبہ شہر کی مساجد میں سنانے جایا کرتے تھے۔ چبوترہ کے پیچھے اب جو مہمان خانہ ہے پہلے اس میں سب بیرون ملکی طلبہ رہتے تھے۔ تمام عمارتوں کو نماز عشاء سے قبل مقفل کر دیا جاتا تھا، جب غیر ملکی حفاظ شہر میں تراویح سنا کر واپس آئے اس وقت تک نہ مسجد میں تراویح ختم ہوئی تھی نہ چبوترہ پر۔ اسلئے ان کی عمارت مقفل ہی تھی۔ یہ لوگ عمارت کے سامنے اکڑوں بیٹھے ہوئے نگراں کا انتظار کر رہے تھے۔ حضرتؒ جب ترویحہ کے بعد نماز کیلئے کھڑے ہوئے تو یہ لوگ اس طرح بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ انہیں دیکھ کے مسکراتے ہوئے فرمایا: "بس ایک ایک لوٹے کی کمی ہے"۔

● ایک سفر میں اپنی صدری کے جیب میں رقم رکھ کر حضرت قاری صاحبؒ کو پہنا دی اور فرمایا کہ آپ اس پر نظر رکھیں یعنی حفاظت کریں، پھر مسکراتے ہوئے فرمایا ہم قاری صاحب پر نظر رکھیں گے۔

● ایک مرتبہ دسترخوان پر متعدد لوگ تھے، ناشتے میں انڈے آئے تو دیسی مرغی کا انڈا ایک ہی تھا، چونکہ حضرت معمولاً وہی استعمال کرتے تھے، وہ انڈا خود لے کر بقیہ انڈے یہ کہتے ہوئے آگے بڑھا دیئے کہ "ہم چھوٹے آدمی ہیں چھوٹا انڈا کھاتے ہیں آپ بڑے لوگ ہو بڑا انڈا کھایئے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ اکثر مسکراتے تھے، ہنستے بہت کم تھے مگر بعض دفعہ سیدھے سادے لوگوں کی کھری کھری باتوں پر اگر قریبی لوگوں میں ہوتے تو ٹوٹ کے ہنستے تھے۔

● ایک دفعہ منشی اسرار صاحب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سر میں تیل ڈال رہے تھے، میں پیر دبا رہا تھا، ذرا بدوی مزاج کے آدمی مگر انتہائی مخلص و مطیع خادم تھے، حضرت نے جہاں بھیجا چلے گئے، جس کام پر لگایا جی جان سے انجام دیتے تھے، گفتگو میں بے باک تھے، تیل لگاتے ہوئے دیہاتی انداز میں کچھ نہ کچھ سناتے رہتے تھے، اس دن کہنے لگے کہ حضرت! میں لکھنؤ کی فلاں مسجد میں جمعہ پڑھا تھا، امام صاحب نے بیان میں ایک مسئلہ غلط بتا دیا، مجھے

بے چینی شروع ہوئی، اب ٹوکتا ہوں تو لوگ کہیں گے یہ جاہل کہاں سے بول رہا ہے؟ اور نہ ٹوکتا ہوں تو لوگ غلط بات پر عمل کر لیں گے، سب طرف دیکھتا رہا کوئی بھی نہیں بولتا، نماز بھی ہوگئی کسی نے نہیں بتایا، میں نے امام صاحب کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑے ہو کر کہا کہ امام صاحب نے بیان میں یہ جو مسئلہ بتایا ہے میں نے بڑوں سے ایسا نہیں سنا بلکہ ایسا سنا ہے، آپ لوگ علماء سے تحقیق کر کے عمل کر لیں، سنتوں کے بعد کئی لوگ میرے پاس آئے اور متولی صاحب بھی آئے کہنے لگے کھٹک تو ہم کو بھی ہو رہی تھی مگر ہمت نہیں ہوئی کہنے کی، میرا شکریہ ادا کیا اور پوچھنے لگے: آپ کس مدرسہ کے فارغ ہیں؟ میں نے دل میں کہا یار یہ تو بڑی گڑبڑ ہوگئی، مگر میں نے فوراً جواب دے دیا کہ "صُحبت العلوم" کا پڑھا ہوا ہوں، وہ لوگ کہنے لگے یہ مدرسہ کہاں ہے؟ میں نے کہا حضرت ہردوئی کی صحبت میں پڑا رہتا ہوں۔ پہلے تو حضرت بس مسکراتے ہوئے خاموش سُن رہے تھے، مگر جب یہ آخری بات سُنی ہنسی کو برداشت نہیں کر سکے اور اُٹھ کے بیٹھ گئے اس روز یہ عاجز حضرت پر بہت گرانی اور انقباض دیکھ رہا تھا، منشی صاحب کے اس قصے نے وہ بھی ان کے مخصوص لہجے اور انداز میں حضرت کا انقباضِ طبع دور کر دیا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ میسور سے بنگلور واپس آ رہے تھے، گاڑی حضرت کے بہت ہی معتقد ایک بنگلوری تاجر کی تھی، وہی چلا رہے تھے، راستے میں انہوں نے کہا کہ حضرت! یہ سیٹ پیچھے ہٹا کر اور کھول دیجئے تو آپ لیٹ سکتے ہیں، پیچھے ایک مقامی عالم اور مرشد بیٹھے ہوئے تھے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: مولانا کا کیا ہوگا؟ وہ تاجر بڑی سادگی سے بنگلوری لہجے میں کہنے لگے "ان کو دوسری گاڑی میں ڈالدیں گے" اس بھولے پن اور "ڈالدیں گے" کے لفظ سے بہت محظوظ ہوئے۔ ہم دوسری گاڑی میں تھے، جب حجرے میں ملنے گئے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے صوفی عبدالرحمٰن صاحب سے فرمایا: ان لوگوں کو سنایا؟، جب انہوں نے سارا قصہ سنایا تو پھر حضرت ہنستے ہوئے اٹھ کے بیٹھ گئے۔ یہ ان کی تحقیر کی بات نہ تھی طرفین کو باپ بیٹے جیسی محبت تھی، لیکن عوامی زبان کی سادہ تعبیر اور ان کے بولنے کے انداز سے استلذاذ تھا۔

غرض یہ ہے کہ ایسے کم ہی مواقع دیکھنے والوں نے دیکھے ہوں گے، عموماً پسندیدگی کے مواقع پر بس ایک مسکراہٹ ہی سے حاضرین میں خوشیاں بکھیر دیتے تھے، اور یہی سنتِ نبوی بھی ہے۔

● ایک اہلِ تعلق ملاقات کے لئے آئے تھے، کافی دیر تک بیٹھے رہے، جب جانے لگے تو انہوں نے عرض کیا: اجازت چاہتا ہوں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اجازت ہے، پھر فوراً ہی مسکراتے ہوئے فرمایا: "جانے کی اجازت ہے کہیں اجازت وخلافت نہ سمجھ لینا"۔

## مسلک ومشرب کا اہتمام

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کسی مسئلہ میں اکابر علماء دیوبند کے مسلک ومشرب اور ان کی علمی وفقہی تحقیقات سے عدول نہیں فرماتے تھے۔ جدید تحقیقات سامنے آتیں تو یوں بآسانی متاثر نہوتے تھے۔ کسی مسئلہ میں کھٹک ہوجائے تو اپنے شاگردوں کی جانب بھی مستفسرانہ نظر فرمالیا کرتے تھے مگر مطمئن کتاب ہی سے ہوتے تھے۔ خواہ وہ بہشتی زیور ہی کیوں نہ ہو، کوئی اہم مسئلہ پیش آئے تو متعدد علماء اہل فتویٰ کو بلا کر ان کے سامنے رکھتے اور ان کی اجتماعی تحقیق وجواب کے بغیر مطمئن نہوتے۔ دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارن پور سے استفاء کرواتے، اپنے دل میں کوئی خاص مضمون آتا تو حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ، حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ وغیرہ کے سامنے بیان کرنے کے بعد اگر یہ حضرات پسند فرماتے تو پھر بیان کرتے تھے اور خوب بیان کرتے تھے، یہ بھی بتلاتے رہتے تھے کہ فلاں بزرگ نے اس کو پسند کیا ہے۔ پھر مسلک میں بھی اپنے شیخ کے مشرب کا لحاظ ہوتا تھا۔

## مشربِ شیخ کی رعایت

حضرت رحمۃ اللہ علیہ طالب علمی کے زمانے سے ہی حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے معتقد ومداح تھے، ان کے والد حضرت محمود الحقؒ ایڈوکیٹ بھی انہی سے بیعت بلکہ ان کے مجاز صحبت تھے، شیخ اور مرید میں مناسبت جس قدر ہوگی اسی قدر افادہ واستفادہ کا رشتہ مضبوط ہوتا ہے، حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ ایک ایک معاملے میں حضرت حکیم الامتؒ کے مزاج ومذاق کی رعایت

فرماتے تھے، کسی اور کی طرف ان کی نظر اٹھتی ہی نہ تھی، دعوۃ الحق اور اشرف المدارس دونوں کا نظام حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے منشاء کے مطابق قائم فرمایا اور مدت العمر نباہا۔ اہل سلسلہ کی تربیت میں بھی اس کا بڑا خیال فرماتے تھے، عصر بعد کی مجلس میں اکثر حضرت تھانویؒ کے ملفوظات کا سلسلہ ہی چلتا تھا، نام بھی ہمیشہ بڑی محبت اور جذباتی انداز میں حکیم الامت مجدد الملۃ حضرت والا تھانوی نور اللہ مرقدہ کہہ کر لیتے تھے، ایسا لگتا تھا کہ اگر حضرت تھانویؒ سامنے ہوتے تو حضرت قربان ہی ہو جاتے۔ مولانا ظہور الحسن صاحب کسولویؒ نے اپنے رسالہ "جامع المجددین" کے آخر میں بجا فرمایا تھا کہ "اگر کسی کو حضرت تھانویؒ کا مزاج و مذاق دیکھنا ہے تو ہردوئی جا کر حضرت مولانا ابرار الحق صاحب مدظلہٗ کو دیکھ لے"۔

● جس زمانے میں دار العلوم دیوبند کے اختلافات کا قضیہ نامرضیہ چل رہا تھا حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ بالکل غیر جانبدار تھے اور اپنے کام سے کام رکھے ہوئے تھے، انہی دنوں معالج کی ایماء پر کچھ دن بمبئی، پھر حیدر آباد قیام تجویز ہوا، بمبئی سے جس دن نکل رہے تھے کسی نے اخبار دکھایا جس میں اس قضیے کے ایک فریق نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے اپنی حمایت و تائید کا بیان جاری کر دیا تھا، ایسے مواقع پر جذبات سے کھیلنے اور جذبات پر چلنے والے لوگ بڑوں کو بھی نہیں چھوڑتے، انہیں اپنی اغراض سے مطلب ہوتا ہے کسی کی مصلحت و آبرو سے کیا لینا دینا؟ جب حیدر آباد پہونچے تو حضرت کے ایک مجاز حضرت مولانا حکیم محمد امین صاحب پرنامبٹی رحمۃ اللہ علیہ بھی پہونچے، حضرت ان کا بہت اکرام فرماتے تھے وہ بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے عاشق صادق تھے، نواب باقر خان صاحب کی حویلی میں قیام تھا، خوب یاد ہے کہ ظہرانہ کے بعد جب قیلولہ فرما رہے تھے تو حکیم صاحب سر دبا رہے تھے اور یہ عاجز پیر..... حکیم صاحب سے حضرت نے اخبار کی خبر کا تذکرہ کرتے ہوئے افسوس اور تکلیف کا اظہار فرمایا کہ علماء تک ایسی بے اصولی اور بد دیانتی سے کام لیتے ہیں! حکیم صاحب نے تھوڑی دیر کے بعد سوال کیا کہ اس سلسلہ میں حضرت والا کا موقف کیا ہے؟ حضرت نے حسب معمول خاموشی اختیار کر لی، یہاں تک کہ ہم سمجھے جواب نہیں دینا چاہتے ہوں گے، مگر

خاصی دیر سکوت کے بعد اس قدر ارشاد فرمایا" قاری صاحب اگر حضرت والا کا طریق اختیار کرتے تو شاید یہ نوبت نہ آتی"..... چونکہ حضرت حکیم الاسلامؒ بھی حضرت حکیم الامتؒ کے خلفاء میں سے تھے تو حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ نے تمام قضیے کو بس اس نظر سے دیکھا کہ ماضی میں جب اسی ادارہ کے سلسلہ میں اپنے شیخ کی نظیر موجود تھی تو کیوں نہ اسی کو اختیار کرلیا گیا اور مرید کے لئے اپنے شیخ کے عمل سے بہتر نظیر کیا ہو سکتی تھی۔ کہنے کا مقصد صرف اس قدر ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ خود تو ہر معاملے میں اور ہر اختلاف ونزاع میں اپنے شیخ کے مسلک ومشرب پر مضبوطی سے جمے رہتے ہی تھے دوسرے متعلقین کے معاملے کو بھی بس اسی کسوٹی پر رکھ کے دیکھا کرتے تھے، کسی کی تغلیط وتنکیر تو نہیں فرماتے تھے مگر پسند اسی کو کرتے تھے کہ حضرت حکیم الامتؒ کے مزاج ومذاق کی رعایت رکھی جائے۔ یاد رہے کہ یہ حضرت کا ایک محدود ومحتاط تبصرہ تھا، وہ بھی صرف رازدارانہ طریقہ پر، کسی معتمد مخلص کے پوچھنے پر ورنہ حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت حکیم الاسلامؒ کا حاضراً وغائباً بہت احترام فرماتے تھے، مجھے اس واقعہ سے حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج میں مشرب شیخ کی رعایت میں جو رسوخ تھا بس وہی بتلانا مقصود ہے، کسی معاملے کی تحقیق مقصود نہیں۔

● میں ایک مرتبہ حرم شریف میں حضرت والا کی قیام گاہ پر بعد عصر کی مجلس میں شرکت کیلئے حاضر ہوا، اسی وقت دیوبند سے حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحبؒ کا فون آیا تھا وہ معلوم فرمارہے تھے کہ تھانہ بھون میں جو" حکیم الامت سمینار" ہونے جارہا ہے اس میں ہم لوگ بھی مدعو ہیں مگر ہمارا خیال یہ ہے کہ اگر آپ اس سے متفق ہوں تو ہم شریک ہوں ورنہ نہیں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا" میں کسی کو منع تو نہیں کرتا مگر چونکہ یہ کام جس طرح ہورہا ہے وہ حضرت والاؒ کے مزاج ومذاق کے مطابق نہیں ہے اس لئے اگر میں وہاں موجود ہوتا تب بھی میں تو شرکت نہ کرتا"۔ حضرت مہتمم صاحب نے جواب دیا کہ جب آپ مطمئن نہیں تو ہم بھی نہیں۔

اسی طرح لاؤڈ اسپیکر کا معاملہ ہے، چونکہ حضرت حکیم الامت کا فتویٰ نماز میں عدم استعمال کا تھا اگرچہ کہ بعد کی تحقیقات کی روشنی میں خود حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے صراحۃً

جواز کا فتویٰ دیا تھا مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے نماز میں مدت العمر اس کا استعمال نہیں فرمایا، دوسروں کے استعمال کو غلط نہیں فرماتے تھے مگر خود کے لئے وہی پسند فرماتے تھے جس پر شیخ کو پایا تھا، غرض کہ بہت مثالیں اور بے شمار واقعات اس سلسلہ میں لکھے جاسکتے ہیں مگر ان سب کا احصاء مقصود نہیں ہے صرف مزاج ومذاق کا تعارف مقصود ہے اس لئے یہاں بھی ان امثلہ پر قناعت کی جاتی ہے۔

## معاملات کی صفائی

معاملات کی صفائی اسلامی تعلیمات کا اہم شعبہ ہے، بلکہ یہی وہ شعبہ ہے جس سے اسلام زیادہ متعارف اور قلوب پر اثر انداز ہوتا ہے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیاں اس کے اہتمام سے معمور تھیں لیکن اس زمانہ میں اچھے اچھے اہلِ علم اور بڑے بڑے عبادت گذار اس شعبہ کی طرف سے غفلت میں ہیں۔ بقول حضرت حکیم الامتؒ:

''اس جزو زمان میں جزوِ معاملات ومعاشرت کو عوام نے عملاً اور علماء نے عمداً کالمحذوف والمطروح کردیا ہے''۔ (تبلیغ دین)

اسی تأثر وتجربہ کی وجہ سے وہ اپنے پاس تربیت پانیوالوں کی اس پہلو سے بڑی کڑی نگرانی کرتے اور پختہ تربیت فرمایا کرتے تھے۔ خود ان کے معاملات میں بھی اپنے شیخ کے صفائی معاملات وحسنِ معاشرت میں پختگی کا وصف نمایاں طور پر نظر آتا تھا۔

● ایک مرتبہ میں اپنے ایک دوست جناب سید معین الدین صاحب کے ہمراہ ہردوئی پہونچا، پہونچنے پر معلوم ہوا کہ حضرت الٰہ آباد تشریف لے جارہے ہیں۔ بڑا افسوس ہوا، ہمارا ارادۂ قیام بھی ہردوئی میں بس تین دن کا تھا، حضرت کی واپسی تک ظاہر ہے کہ یہ وقت نکل جاتا، میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ حضرت نے قیام گاہ پر طلب کرکے ارشاد فرمایا: تم لوگ ایسے وقت آئے ہو کہ میرا سفر کا نظام ہے، حضرت مولانا محمد احمد صاحب علیل ہیں، الٰہ آباد میں مقیم ہیں، وہیں جانا ہے۔ پھر بہ تکلف پوچھا کہ کیا تم لوگ بھی چل سکتے ہو؟ میں نے عرض کیا: حضرت! ہمارے لئے تو یہ عین سعادت کی بات ہے، فرمایا: یہ مطلب نہیں! مطلب یہ ہیکہ تمہارے جو

رفیقِ سفر ہیں ان کی مالی گنجائش کیا ہے؟ انھیں ان زائد مصارف کا تحمل ہو سکے گا؟ عرض کیا: وہ الحمدللہ صاحبِ گنجائش ہیں کچھ بار نہیں پڑے گا۔ فرمایا: ہاں بس یہی معلوم کرنا تھا، ٹکٹ کے لئے آدمی جا رہے ہیں بنوالیا جائے گا۔ کچھ دیر بعد قاصد آیا کہ طلبی ہوئی ہے، پھر حاضر ہوا۔ فرمانے لگے معلوم ہوا ہے کہ تخصیص (ریزرویشن) کی گنجائش نہیں ہے، صرف ایک کرسی (سیٹ) ہے وہ بھی اے سی میں۔ میرا تو انتظام ہو جائے گا، باقی لوگوں کے لئے مشکل ہے۔ میں نے عرض کیا: حضرت ہم لوگ چالو (عام) ڈبے میں سفر کرلیں گے، فرمایا: اس گاڑی میں بھیڑ بہت ہوتی ہے۔ ہوسکتا ہے کھڑے ہو کر سفر کرنا پڑے، ہم نے کہا حضرت! ہمت ہے انشاء اللہ کرلیں گے۔ مکرر پوچھا کوئی دشواری تو نہ ہوگی؟ عرض کیا گیا بالکل نہیں، اس ایک سیٹ کی آپ کے لئے تخصیص ہو جائے، بالکل اطمینان سے ہم لوگ بھی دوسرے ڈبوں میں ساتھ رہیں گے۔

● ایک دفعہ ہردوئی حاضر ہوا تو قریب کے کسی سفر میں مجھے بھی ساتھ لے لیا، یہ سفر کچھ ریل سے، کچھ بس سے اور کچھ رکشہ میں طے ہوا، راستہ میں بس کے ٹکٹ لینے اور رکشہ والے کو دینے کے سلسلہ میں کبھی حضرت نے صرف کیا، کہیں میں نے دیدیا۔ وہاں سے لوٹنے کے بعد جب میں حیدرآباد واپسی کی اجازت طلب کرنے حضرت کے پاس گیا تو فرمایا: ہاں بھئی! وہ حساب تو ابھی کیا نہیں! عرض کیا کونسا حساب؟ کاغذ قلم لے کر پوچھا جاتے وقت ریل کا ٹکٹ کس نے لیا تھا؟ پھر بس میں کون خریدا؟ کتنی رقم ہوئی؟ رکشہ والے کو کس نے دئے کتنے دئے؟ دوطرف دونوں کے خرچ کی ہوئی رقم لکھی۔ جو رقم میں نے دی تھی وہ مجھے واپس کردی۔ جب حساب صاف ہو گیا تو فرمایا تمہارا خرچ میرے ہی ذمہ ہے، اس لئے تم سے خرچ نہیں لینا ہے، اس کے بعد دریافت کیا، حیدرآباد آمدورفت کا کیا ٹکٹ ہے بتلایا گیا کہ ۳۰۰ روپئے تو وہ بھی اپنی صدری سے نکال کر مجھے عطا فرمائے اور کھڑے ہو کر مصافحہ ومعانقہ سے سرفراز فرما کر رخصت فرمایا۔

## علماء کا اکرام

حضرت رحمۃ اللہ علیہ علماء کا بہت اکرام فرماتے تھے، پہلے تو علماء، اکابرین اور بزرگانِ دین کے بارے میں ان کے پاس تذکرہ بھی نہیں ہونے دیتے تھے، اگر کوئی عالم کسی عالم کے بارے میں کسی غلطی کا ذکر کرتا تو اس کے اکرام میں یا پھر اہم بات ہونیکی وجہ سے کبھی سُن لیتے تو بھی اس عالم پر شخصی تنقید نہ فرماتے تھے۔ صرف اسقدر فرماتے تھے "تعجب ہے" یا "حیرت ہے کہ ایسی بات کہدی"..... بلکہ اگر ناقل کے نقل میں غلو محسوس ہوتا یا منقول عنہ کے مقام کو اس سے بلند خیال فرماتے تو ناقل پر جرح فرماتے تھے۔ اپنی زبان سے تو علماء کرام کے بارے میں شخصی تبصرہ کبھی نہ فرماتے تھے، بہ حیثیتِ مجموعی بعض اعمال وسنن سے غفلت کا ذکر عموم کے ساتھ تو ہو جاتا تھا مگر ان کی زبان سے کسی کی غیبت یاد نہیں پڑتا کہ سنی گئی ہو۔ ایک مرتبہ ہردوئی میں چاء کے دسترخوان پر ایک صاحبِ علم نے اخبار کے حوالہ سے دیوبند کے کسی عالم کے ہاں شادی میں کی گئی اسراف وتبذیر، ریا ونمود اور امراء ووزراء کی شرکت وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اخبار نے دیوبند کے حوالے سے اس پر مزید تنقید کی ہے۔ حضرت چونکہ منکرات پر بہت ناراض ہوتے تھے، راوی کا انداز ایسا تھا کہ حضرت اس پر متعجب ہو کر افسوس وقلق کا اظہار فرمادیں۔ حضرت پر فوراً اثر ہوا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے اخبار کا بیان دوبارہ کہنے کے لئے فرمایا، انہوں نے جب دُہرایا تو اسمیں بار بار دیوبند کا نام آرہا تھا، حضرت نے فرمایا: خیر یہ عمل تو قابلِ افسوس ہے مگر شائع کرنیوالے کی غرض ایک مخصوص مسلک کو بدنام کرنا اور اس کے علماء کی تنقیص معلوم ہوتی ہے ورنہ "ایک عالم" کہہ دیتے "دیوبندی عالم" کیوں کہا؟ کیا دوسری اور جماعتوں کے علماء اس سے محفوظ ہیں؟

غرض یہ کہ غائبانہ بھی علماء کی شان میں گستاخی یا ان کی بدنامی گوارا نہیں فرماتے تھے، خواہ وہ علماء حضرت سے اختلاف بھی کیوں نہ رکھتے ہوں اور کیوں ایسا نہ ہوتا جبکہ خود ان کے مربی وشیخ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کا مزاج بھی یہی تھا کہ اپنے بدترین حاسد یا مخالف کا بھی اگر وہ عالم ہوں تو بلا احترام نام سننا گوارا نہ فرماتے تھے[1]۔ فرماتے تھے کہ کچھ بھی ہو وہ عالم تو ہیں۔

---

[1] جناب احمد رضا خان صاحب کے بارے میں ملفوظات میں منقول ہے کہ بنا القاب انکا نام لینے کو حضرت رحمہ اللہ نے ناپسند فرمایا تھا

اسی طرح احترام علماء کے سلسلہ میں حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ کی غیرت کا یہ عالم تھا کہ غیر عالم کیلئے "مولانا"..... کا لفظ بولنا اور لکھنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ فرماتے تھے لفظ "مولانا" عرف میں مستند عالم کی علامت ہو گیا ہے، غیر مستند و غیر معتبر حضرات کیلئے دوسرے القاب و آداب کا استعمال کریں مگر مولانا نہ کہا کریں۔

● چنانچہ ایک دفعہ جب احقر نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو "کتاب الکبائر" کا اپنا ترجمہ پیش کیا تو چونکہ وہ دہلی سے چھپ کر آیا تھا، طابع نے خود ہی میرے نام کے ساتھ "مولانا" بڑھا دیا تھا۔ اس زمانہ میں میں ترک تعلیم کر کے تدریس میں لگا ہوا تھا، حضرت نے مجھ سے فرمایا تمہاری تعلیم مکمل ہو گئی؟ میں نے عرض کیا نہیں! فرمایا: پھر اپنے نام کے ساتھ مولانا کیوں لکھا؟ میں نے وجہ بتلا دی، فرمایا اس لفظ کو مٹا کر کتاب فروخت کرو، کیا یہ خلافِ واقعہ نہیں ہے؟ پھر اس واقعہ کے کئی برس بعد میں نے ضابطے کی فراغت حاصل کر لی تو یادداشت اور حافظہ کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ ملاقات کی صف میں مجھ سے آگے جو صاحب تھے ان کو روک کر فرمایا عالم سے مقدم کیوں ہو گئے؟ پہلے علماء کا نمبر ہے!

● اسی طرح یہاں ایک مدرسہ میں تشریف لے گئے تو وہاں عمارت پر سنگ بنیاد کے کتبہ پر ایک غیر عالم بزرگ کے نام کے ساتھ "مولانا" اور "مفسر قرآن" لکھا ہوا تھا، حضرت نے مدرسہ کے ذمہ دار سے پوچھا، ان کے عالم ہونے کی آپ کو تحقیق ہے؟ انہوں نے عرض کیا: جی! وہ باقاعدہ عالم تو نہیں ہیں، اس پر حضرت نے ناراضگی کا اظہار فرمایا، اور چونکہ وہ ذمہ دار مدرسہ حضرت کے اہل تعلق میں سے تھے تو فوری اثر کے ساتھ اس کتبے کو نکلوا بھی دیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ عالم کا ایک امتیاز ہے اس کے لقب کو دوسرے کے لئے استعمال کرنے کا مطلب اس امتیاز کو ختم کر دینا ہے۔ کیا کوئی شخص کسی غیر ڈاکٹر کو ڈاکٹر کہتا ہے اور کہے بھی تو کیا اس کو قبول کیا جاتا ہے؟ پھر "مولانا" جب ہمارے عرف میں مستند عالم دین ہونے کی پہچان ہے تو اس کا بے محل استعمال کیسے درست ہو سکتا ہے؟ پھر اسی طرح جب علماء کے نزدیک غیر عالم کو تفسیر کرنے کا حق نہیں ہے بلکہ علماء میں بھی سب کو نہیں ہے اس کے باوجود کسی

غیر عالم کو علماء خود اپنی زبان سے "مفسر قرآن" کہنے لکھنے لگیں تو تفسیر کی شرائط ہی بے معنیٰ ہو کر رہ جائیں گی۔

● ایک زیر انتظام مدرسہ میں وہاں کے اہل علم ذمہ دار سے کسی مالی خیانت کا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو علم ہوا، حضرت نے اپنے ایک معتمد علیہ سے اس کی تحقیق کروائی، جانچ کے بعد اس شکایت کا سچ ہونا جب علم میں آیا تو خود طویل سفر فرما کر اس مدرسہ میں تشریف لائے۔ یہاں آنے کے بعد تنہائی میں ان سے مشافہۃً تسلیم کروایا پھر ہدایت دی کہ اس غلطی کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم آپ کو برطرف کر دیں۔ مگر چونکہ آپ عالم ہیں، دین کی خدمت کرتے ہیں اور آئندہ بھی کریں گے، اس لئے اس برطرفی سے بدگمانیوں کو تقویت ملے گی اور آپ کے ساتھ تمام اہل علم کی بدنامی ہوگی، اس لئے مناسب یہ ہے کہ آپ شخصی عذر بتلا کر خود ہی مستعفی ہو جائیں، لوگوں کے پوچھنے پر آپ صاف کہہ سکتے ہیں کہ میں خود اپنی مصلحت سے مستعفی ہوا ہوں، رہ گئی خیانت کردہ رقم تو آپ ہر ماہ اس کی اتنی مقدار مرکز دعوۃ الحق کو چندہ کے عنوان سے بھجواتے رہیں تا کہ اہلِ مرکز اور دفتر والوں کو بھی اس واقعہ کا علم نہو۔ اِدھر مقامی معاونین و منتظمین کو بھی حسنِ تاویل سے مطمئن فرمایا۔ سبحان اللہ! ناموسِ علماء کے تحفظ کی یہ کیسی عمدہ مثال ہے اور جس کے دل میں واقعی اس منصب کی عظمت نہو وہ اس قدر محتاط نہیں ہو سکتا۔ جب عام مؤمنین کے حق میں قرآن کریم کہتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تو علماء اور خواصِ امت کے عیوب اچھالنے کی کیسے گنجائش نکلتی ہے؟۔ برخلاف اس کے اب دینی اداروں سے نکلنے والا اور نکالنے والا دونوں ایک دوسرے پر خیانت غبن اور نہ جانے کن کن جرائم کا الزام وہ بھی رائی کو پربت بنا کر لگاتے رہتے ہیں۔ آج کل تو اخبارات و میڈیا کا استعمال کرنے سے تک گریز نہیں کیا جا رہا ہے۔ فیا للاسف

● مولانا محمد رضوان القاسمی رحمہ اللہ نے خود مجھ سے فرمایا تھا کہ حضرت کے بارے میں میرا خیال یہ تھا کہ ہم جیسے لوگوں کی ان کے ہاں کوئی اہمیت نہ ہوگی، جانے کے لئے ہمت

بھی نہوتی تھی، مگر جب میں ہردوئی گیا تو حضرت کے اکرام واعزاز اور علماء کی قدردانی دیکھ کر میں پانی پانی ہوگیا، بار بار لوگوں سے فرماتے تھے "یہ حیدرآباد کے بڑے عالم ہیں اور بہت کام کررہے ہیں وغیرہ"۔ مہمان خانہ خود آتے تھے اور ہر چھوٹی بڑی ضرورت کی نگہداشت فرماتے تھے واپسی کے وقت خود اپنی گاڑی نکلوا کر اس میں اسٹیشن کے لئے روانہ فرمایا، گاڑی نکلنے تک کھڑے رہے اور دعائیں دیں۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اکرام علماء کا یہ تاثر کسی ایک مولانا کا تاثر نہیں سینکڑوں علماء کا احساس ہے۔

● ایک بزرگ تھے مولانا محمد وکیع صاحبؒ۔ حضرت کے غالباً ہم درس تھے، دیہاتی مزاج وانداز کے آدمی تھے، بظاہر لگتا بھی نہ تھا کہ عالم ہیں۔ ہردوئی حضرت کے ہاں آتے جاتے رہتے تھے، ہم طلبہ ان سے بے تکلفی سے ملتے تھے وہ بھی دیہاتی انداز میں بڑی سادگی سے گھل مل جاتے تھے، رمضان شریف میں، میں چند دن حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں قیام کے ارادہ سے ہردوئی پہنچا ہوا تھا، گرما کا موسم تھا بڑا لمبا روزہ اور مختصر سی شب ہوا کرتی تھی، حضرت بھی اس سال رمضان میں علیل چل رہے تھے اور مخدومہ امی جان صاحبہؒ بھی بیمار تھیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے تراویح کے بعد فرمایا کہ "مولانا کیلئے سحر میں تم گھر سے دودھ اور پاپے پہونچا دینا"۔ میں نے کہا ٹھیک ہے! وہ بزرگ تراویح کے بعد وہیں چبوترے پر پڑ گئے، میں مہمان خانہ میں جا کر سو گیا دو ہی گھنٹے میں سحر کا وقت ہوگیا۔ میں جب اٹھا تو وقت بہت کم رہ گیا تھا، اتنے ہی وقت میں مطبخ سے اپنی روٹی لے کر خود سحری کرنا اور اندر (حضرت والا کے مکان) سے مولانا کیلئے سحر کا انتظام کرنا تھا، خیر میں پہلے حضرت کے گھر میں باروچی خانہ میں پہونچا، اتفاق سے بجلی بھی غائب تھی، جلدی سے فرائنگ پیان میں دودھ گرم کیا اور ایک پلیٹ میں پاپے رکھ کر ان بزرگ کے سامنے لا کر رکھ دیا، اور اپنی سحری کی فکر میں مہمان خانہ چلا آیا، اتنے میں حضرت ٹارچ لے کر ان کے ہاں پہونچے اور اسطرح ان کے سامنے ناشتہ رکھا ہوا دیکھ کر غضبناک ہوگئے، مجھے طلب فرمایا، ایک صاحب دوڑتے ہوئے آئے کہ حضرت یاد فرمارہے ہیں! میں سوچنے لگا یا اللہ! کیا ہوگیا، میرا خیال تھا کہ حضرت سو رہے

ہوں گے، دوڑتا ہوا پہونچا تو وہ پاپوں کی پلیٹ اور دودھ کا برتن لے کر واپس جارہے تھے، میں نے عرض کیا حضرت میں لے جاتا ہوں، جواب ملا کوئی ضرورت نہیں! میری سمجھ میں نہ آسکا کہ ہوا کیا؟ پیچھے پیچھے چلتا رہا، اندر گئے، گیاس کا چولہا ان دنوں نیا نیا آیا تھا، لائٹر سے جلانا چاہا، جل نہیں سکا، میں نے عرض کیا حضرت میں جلاتا ہوں، فرمایا: کوئی ضرورت نہیں! میں خود کرلوں گا، پھر بھی ہاتھ سے لائٹر لے کر میں نے چولہا جلایا، حضرت نے دودھ چولہے پر رکھا، گرم کیا، ایک کشتی اٹھائی، اس میں شکردان/ پیالی/ چمچ/ چاءدان/ ٹی کوزی/ چینی کی پلیٹ میں پاپے سب جمائے۔ میں درمیان میں عرض کرتا رہا: حضرت میں کرلوں گا۔ کچھ جواب نہ ملا بلکہ اظہارِ رنج فرمایا گیا کہ برسوں سے میرے پاس رہتے ہو، کچھ نہیں سیکھا، علماء کی توہین کرتے ہو، وہ میرے مہمان ہیں، عالم دین ہیں، اس طرح کھانا کھلاتے ہو؟ تمہیں کچھ خیال نہ ہوا کچھ نہیں سیکھتے ہو"۔ بہرحال پھر بھی میں نے عملی مداخلت کرتے ہوئے یہ سب اپنے ہاتھ میں لیا اور حسبِ مرضی سب جما سجا کے دودھ دان میں دودھ ڈالکے، اس پر دسترخوان ڈھانک کے پورے سلیقے طریقے سے انہیں لیجا کر پیش کردیا۔ ان کاموں سے فارغ ہوکر گھڑی دیکھی تو چند منٹ اختتام سحر میں رہ گئے تھے، دوڑتا ہوا مہمان خانہ پہونچا دو چار نوالے جو ہوسکے کھالیا۔ کوتاہی تو اپنی ہی تھی اور انجام بھگتنا ہی تھا۔ سحری نہ کرسکنے کا کچھ زیادہ غم نہ تھا، اب جو بے چینی ستا رہی تھی وہ حضرت کو راضی کرنے کی بے چینی تھی، جب تک اس طرف سے اطمینان نہ ہوجائے سکون ملنا مشکل تھا۔ ایک معافی نامہ لکھ کر جیب میں رکھ لیا اور ایک ایک لمحہ مناسب موقع کے انتظار و تلاش میں جس کرب و بے چینی کے ساتھ گذر رہا تھا اللہ ہی بہتر جانتا ہے، دل کو یہ اطمینان تو تھا کہ معافی کوئی مشکل مسئلہ نہیں ہے پر بے چینی اس مسئلہ کے نمٹ جانے کی تھی، اسلئے کہ وہ میرے محسن و مہربان مربی تھے ان کے دل کا تکدر میرے لئے ناقابلِ تحمل تھا۔ الغرض دور دور سے نظر رکھتے ہوئے پیچھے پیچھے پھرتا رہا تا آنکہ وہ دفتر میں کام کرنے کیلئے بیٹھ گئے، میں ذرا فاصلے پر باادب بیٹھ گیا اور نظر اپنی جانب اٹھنے کے انتظار میں ان کی نظروں کی نگرانی کرتا رہا، تھوڑی بے اعتنائی کے بعد توجہ فرمائی گئی تو ہیبت

طاری ہوگئی۔ واقعی غلطی بھی ایسی ہی تھی کہ وہ جس قدر خفا ہوتے کم تھا، آگے بڑھ کے درخواست پیش کردی غور سے پڑھتے رہے قلم اٹھایا اور تحریر فرمایا "دل سے معاف ہے آئندہ خیال رکھا کریں" پھر درخواست میری طرف بڑھاتے ہوئے فرمانے لگے —— آہ! وہ شفقت آمیز و دردانگیز لہجہ آج بھی یاد آجائے تو دل تڑپ اٹھتا ہے —— "میرا مقصد یہ ہے کہ تم لوگ علماء کا اکرام سیکھ لو۔ سلیقہ سیکھ لو۔ یہی تو باتیں سیکھنے کی ہوتی ہیں" اور پھر اپنے کام میں مشغول ہوگئے۔

● حضرت قاری صدیق احمد صاحبؒ کا بہت ہی متواضعانہ مزاج تھا، شروع میں وہ ہردوئی کم تشریف لاتے تھے، مگر جب آتے تھے تو ایک عجیب شان عجز و انکساری کے ساتھ آتے تھے، میرے بچپن میں ایک مرتبہ ہردوئی سے قریب کسی جلسہ میں شرکت کے لئے ہردوئی تشریف لائے۔ اس جلسہ میں حضرت کی بھی شرکت تھی، حضرت کے پاس اس زمانے میں "جیپ کار" تھی اور کبھی کبھی حضرت خود بھی ڈرائیو کرلیا کرتے تھے، جب جانے کے لئے تیاری ہوئی اور جیپ میں سب سامان رکھا گیا تو حضرت قاری صدیق احمد صاحبؒ چپ کے سے جیپ کے پچھلے حصہ میں بیٹھے ہوئے طلبہ کے ساتھ بیٹھ گئے، جب حضرت باہر آئے تو پوچھا: قاری صاحب آگئے؟ انہوں نے پیچھے سے کہا جی حضرت بیٹھ گیا، حضرت پیچھے آئے اور فرمایا: آپ آگے بیٹھیں گے، وہ فرمانے لگے مجھے یہاں آرام ہے (ان کا مقصد تھا کہ حضرت کو زیادہ جگہ رہے اور آرام سے بیٹھیں، حضرت چاہتے تھے کہ وہ ایک عالم و بزرگ ہیں آگے بیٹھیں) حضرت نے فرمایا آرام آگے زیادہ رہے گا، انہوں نے کہا حضرت میں بہت آرام سے بیٹھا ہوا ہوں، حضرت نے ان کے مزاج کے مدنظر ان سے پوچھا آپ بتلایئے کہ آپ خادم ہیں یا مخدوم؟ انہوں نے فرمایا میں خادم ہوں تو فرمایا خادم کو تو کہنا ماننا چاہیے، فرمانے لگے: تھوڑی دیر کے لئے مخدوم ہی سہی! فرمایا مخدوم کو آگے بیٹھنا چاہیے آخر اتر کر سامنے آئے اور اگلی سیٹ پر دونوں بیٹھ گئے۔

● ایک مرتبہ حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ تشریف لائے، یاد ہے کہ ہدیہ بھی

ساتھ لائے ایک سبز رنگ کی لنگی اور ایک اخباری کاغذ میں چند دیسی انڈے تھے (حضرت انڈہ ہمیشہ دیسی استعمال فرماتے تھے) دفتر اہتمام میں ملاقات کے بعد وہ ہدیئے پیش کر دئے، میں عموماً وہاں دیسی پنکھا کھینچنے کی خدمت پر موجود رہتا تھا، جو ہدایا آیا کرتے انھیں گھر میں پہونچا دیا کرتا تھا، ان کے جانے کے بعد میں نے یہ چیزیں اٹھانا چاہیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ سے منع فرمادیا، مجھے خوب یاد ہے کہ جب کام سے فارغ ہوئے تو حضرت خود ان دو چیزوں کو لے کر گھر میں آئے، تہبند اپنی الماری میں رکھ لی اور انڈے محترمہ امی جان صاحبہؒ کے ہاتھ میں دیتے ہوئے فرمایا "یہ قاری صدیق صاحب کا تحفہ ہے یا آپ کھائیں یا مجھے دیں، تبرک ہے"۔

● حضرت مولانا یوسف صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ہردوئی رحمہ اللہ کے رفقاء درس میں سے تھے، ان کے بارے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع ملی کہ وہ کسی سفر کے دوران ہردوئی سے گذر رہے ہیں، حضرت نے اسٹیشن پر ان کی ضیافت کا ارادہ فرمایا، چاء، بسکٹ، پانی وغیرہ کا انتظام کر کے اور فرش فروش ساتھ میں لے کر اسٹیشن پہونچے، حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ بھی ان دِنوں (جو دونوں کے استاذ تھے) ہردوئی میں موجود تھے، وہ بھی ساتھ ہو لئے، حضرت نے اسٹیشن پر ایک طرف کو فرش بچھا کر دسترخوان سب تیار رکھا تھا، جیسے ہی گاڑی رُکی حضرت نے مولانا یوسف صاحبؒ سے ملاقات کی اور دسترخوان پر لے آئے، ناشتہ کے دوران مولانا یوسف صاحبؒ نے حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ 'مولانا! آپ جیسے حضرات کا اس کام میں لگنا باعث برکت ہے آپ کچھ وقت ہمارے اس کام کیلئے بھی فارغ کیجئے۔" حضرت مفتی صاحبؒ فرماتے تھے میں نے مناسب یہ سمجھا کہ اس کا کوئی جواب مولانا ابرار الحق صاحب دیں اس سے پہلے مجھے اس کا جواب دیدینا چاہیے، اس لئے میں نے ان سے کہا کہ "دیکھئے آپ ایک کام کر رہے ہیں یہ ایک کام کر رہے ہیں، وہ بھی ضروری ہے یہ بھی ضروری ہے، اس لئے یہ جماعت میں اس وقت جاسکتے ہیں جب کہ آپ ان کا مدرسہ سنبھالنے کے لئے آجائیں۔" (مفہوم مسموعہ از والدی)

اس واقعہ میں جہاں حضرت مولانا یوسف صاحبؒ کا جذبۂ دعوت قابلِ عبرت ہے کہ

اس مختصر سی ملاقات اور مختصر ناشتے کے وقفے میں بھی اپنی دعوت پیش کرنے سے غفلت نہ کی، وہیں حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ کا حلم وتحمل بھی لائق سبق ہے کہ باوجود برجستہ گو اور سریع الجواب ہونے کے بھی استاذ محترم کے احترام میں سکوت سے کام لیا، نیز حضرت مفتی صاحبؒ کی شفقت ومحبت اور حکمت ومصلحت بھی سیکھنے کی چیز ہے کہ کہیں دو دوستوں کی یہ مخلصانہ دعوت سوال وجواب یا بحث ومباحثہ کی شکار نہ ہو جائے خود ہی مداخلت فرما کر یکسوئی فرمادی، کیونکہ یہی جواب استاذ کے بجائے ساتھی سے ملتا تو پھر اس کا جواب بھی ہوسکتا تھا، دونوں کی فکری ترجیحات کا علاحدہ علاحدہ ہونا استاذ محترم کے سامنے بالکل واضح تھا، مگر اس کے باوجود باہم خلوص ومحبت، اکرام واحترام میں کوئی کمی نہ تھی۔

● مہاراشٹرا کے ایک بزرگ عالم دین حضرت مولانا سید محمد گیورائی صاحبؒ دارالعلوم دیوبند کے فارغ اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ کے خلیفہ تھے، اپنے علاقے میں جہالت اور رسومات کے مٹانے اور حق کا احقاق کرنے کے لئے بے مثال قربانیاں دی تھیں، وہ حضرت حکیم الاسلام کے بعد حضرت ہردوئیؒ سے رجوع ہو گئے تھے، طرفین ایک دوسرے کا بہت ہی احترام اور اکرام کرتے تھے، ایک مرتبہ انہوں نے حضرت کو لکھا کہ "چالیس سال سے جس مسجد میں درس قرآن دیتا آرہا ہوں اور جس کے لئے میں نے ابتداء میں لوگوں کے ڈنڈے کھائے سر پھڑوایا، اور اللہ کی توفیق سے حق کا احقاق ہوا، جماعت کا تعارف کرایا اور کام کو جمانے میں بھرپور مدد کی اسی مسجد میں اب جماعت کے ایک نوجوان کہتے ہیں کہ درس قرآن بند کر کے فضائل اعمال پڑھو، میں نے جب ان سے کہا کہ اسی درس قرآن کے ذریعہ گذشتہ چالیس سال میں یہ تبدیلی آئی ہے کہ لوگ اہل حق کو ماننے لگے ہیں، تمہیں پچھلے حالات کا کیا پتہ؟ تو وہ کہتے ہیں کہ آپ نے چالیس سال میں ایک چلہ بھی جماعت میں نہیں لگایا اس لئے آپ کے وہ چالیس سال بھی ضائع ہو گئے، یہ بھی لکھا کہ اس ناقدری اور طرز عمل سے مجھے ذہنی تکلیف ہے۔"

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بھی یہ تحریر پڑھ کر بہت دُکھ ہوا، حضرت نے کچھ دن کے لئے اپنے پاس

بُلوالیا، پھر اپنی تحریر کے ساتھ مرکز نظام الدین بھیجا تاکہ وہ حضرت جیؒ کو واقعہ کی پوری تفصیل سنائیں، حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ نے جب یہ ماجرا سنا تو سر پکڑ کے بیٹھ گئے اور بہت افسوس کرتے ہوئے فرمایا "جو ہمارے علماء کرام اور ان کی خدمات کی قدر نہیں کرتا وہ ہماری جماعت کا آدمی نہیں ہے"..... پھر مہاراشٹر کے ذمہ داروں سے ربط کر کے اس نوجوان کو مولانا سے معافی مانگنے کا پابند کیا۔ جب ساری تفصیل حضرت والاؒ کو پہونچی تو قلب کو اطمینان ہوا۔

جب کبھی حضرت کا پربھنی جانا ہوتا تو گاڑی بھیج کے مولانا کو بلواتے اور اپنے قیام کے دوران انہیں بہت ہی اکرام کے ساتھ رکھتے، ان سے بیان کرواتے، ان کی قدر کرنے کی تاکید فرماتے، تاکہ علاقے کے لوگ محروم نہ ہوں اور کسی وبال میں مبتلا نہ کئے جائیں۔

## امر بالمعروف ونہی عن المنکر

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر علماء کی ذمہ داریوں میں ایک اہم ذمہ داری ہے، اس کے لئے جرأت وہمت اور صحیح علم کے علاوہ حکمت ومصلحت کی بھی ضرورت ہوتی ہے، اس کے بغیر ان کا نفع نہیں ہوتا بلکہ اُلٹا ضرر ہوتا ہے، حضرت کی شخصیت ظاہراً بھی بہت وجیہ تھی اور باطنی رعب کا تو کیا کہنا؟ ایسا رعب بادشاہوں کو بھی نصیب نہ ہوا ہوگا۔ حضرت پورے اعتماد، وکمالِ دلسوزی، اور دردِ دَرُوں کے ساتھ منکرات پر نکیر فرمایا کرتے تھے۔ فرماتے تھے "نکیر تو ہو مگر تحقیر نہ ہو"..... اور یہ وصف خود آپ کے اندر خوب نمایاں تھا کہ جب بھی نکیر فرماتے تو انداز میں درد وقلق تو ہوتا تھا پر تحقیر وتوہین کبھی نہ ہوتی تھی، اکثر ایسے مواقع پر دل دَہلا دینے والے درد کے ساتھ "کیا حال ہو رہا ہے؟" فرمایا کرتے تھے۔ اپنوں پر ——— جن کے بدگمان نہ ہونے بلکہ خوش ہونے اور فخر کرنے کا امکان غالب ہوتا تھا——— سختی اور خفگی سے نکیر فرماتے اور فوری اصلاح کرواتے تھے، مگر اجنبی اور نئے لوگوں کو بڑے حکیمانہ انداز میں سمجھاتے تھے۔

● ایک دفعہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ بذریعہ ٹرین سکندرآباد اسٹیشن پہونچے، یہ فجر سے قبل کا وقت تھا، طے پایا کہ اسٹیشن کی مسجد میں باجماعت نماز ادا کرلی جائے، یہ مسجد بہت بڑی اور نئی تعمیر

شدہ تھی، اس کے خطیب سخت قسم کے مخالفِ دیوبندیت پیر صاحب، امام اسی مسلک سے وابستہ عالم اور کمیٹی انہی کی متبع اور ہم رنگ تھی، کسی غیر مسلک کے عالم کو بیان کرنیکی اجازت تو کیا ہوتی تبلیغی جماعت کا دخول بھی ممنوع تھا، کسی قسم کے اعلان نہ کئے جانیکی نمایاں تختیاں جگہ جگہ لگی ہوئی تھیں، بہر حال! نماز پڑھ لینے میں تو ـــ ونری الصلوٰۃ خلف کل برو فاجر ـــ کے مطابق ہم اہلِ دیوبند توسع سے ہی کام لیتے ہیں، اس لئے نماز میں شریک ہوگئے، سامنے قبلہ کی دیوار سے مار بل کا چبوترہ بنا ہوا تھا جس پر بغیر کسی حائل کے قرآن مجید جگہ جگہ رکھے ہوئے تھے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نظر اس پر پڑگئی، وہ قرآن مجید کی تو کیا اس کی نسبت سے کسی اور چیز کی بھی ادنیٰ بے ادبی کو گوارا نہیں کرسکتے تھے، ہم سوچ ہی رہے تھے کہ اب کیا ہوگا؟ اگر حضرت کو التفات نہ ہو تو ٹھیک، اور اگر ہو جائے تو وہ خاموش نہیں رہیں گے، ادھر مسجد کا ماحول نکیر کا متحمل نہیں، بالخصوص ان لوگوں کو ہمارے اکابر کی نکیر وہ بھی بغیر اجازت تو بہت گراں ہوگی، جس کا ہمیں خوب تجربہ تھا۔ اور اگر خدانخواستہ کوئی ذمہ دار یا امام صاحب نے کوئی گستاخی کی تو یہ بات ہمارے لئے ناقابلِ برداشت ہوجائیگی، قصہ مختصر یہ کہ جیسے ہی امام صاحب نے سلام پھیرا حضرت والاؒ اپنی جگہ کھڑے ہوگئے اور صفوں کی جانب رُخ کرکے اعلان فرمایا "دعا کے بعد پانچ منٹ تشریف رکھیں ضروری بات کی طرف توجہ دلائی جائیگی" جب دعا ہوگئی تو حضرت اٹھے اور امام صاحب کے بازو کھڑے ہوکر مصلیوں سے سوال فرمایا "مسجد میں مقتدیوں کیلئے صرف ایک ایک جانماز بچھی ہوئی ہے اور امام صاحب کیلئے تین مصلے بچھے ہوئے ہیں، میں پوچھتا ہوں کہ ایسا کیوں؟ سب خاموش رہے، دوبارہ فرمایا: صرف پوچھتا ہوں آپ لوگوں سے! پھر خود ہی فرمایا: امام صاحب کا یہ اکرام اسی لئے کیا گیا نا کہ وہ قرآن مجید کے حافظ اور بہترین قاری ہیں؟ اس پر سب نے اثبات میں جواب دیا، اس کے بعد فرمایا "اب پوچھتا ہوں کہ جس قرآن کے حافظ ہونے اور عمدہ پڑھنے کی وجہ سے امام صاحب کیلئے تین تین قیمتی مصلے بچھائے گئے ہیں، خود اس قرآن مجید کے رکھنے کے لئے بھی کچھ بچھانا چاہئے یا ویسے ہی فرش پر اور پتھروں پر رکھ دینا چاہئے؟ پھر اس چبوترہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ دیکھئے اللہ تعالیٰ کی کتاب کس طرح بے ادبی سے رکھ دی گئی ہے، جیسے

ہی لوگوں کی نظر پڑی پوری مسجد میں سے لوگ تیزی سے آگے بڑھے اور قرآن مجید کے نسخوں کو رومالوں اور کپڑوں سے جھاڑ کر الماریوں میں رکھنے لگے، اس کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "اس چبوترہ پر مخمل کا ایک قیمتی کپڑا بچھا دیا جائے اور اگر مسجد میں گنجائش نہیں تو اس کی قیمت میں ہدیہ کرنا چاہوں گا"..... کسی ذمہ دار نے آگے بڑھ کر کہا: مسجد میں بہت پیسہ ہے مولانا! آج ہی انتظام کر دیں گے، امام صاحب نے جو معمر قاری تھے احترام کے ساتھ مصافحہ کر کے رخصت کر دیا، کسی نے کسی قسم کا اشکال واعتراض نہ کیا، دراصل اس میں آپ کی وجاہت کے علاوہ اخلاص وحکمت کا بڑا دخل ہے۔

● ایک مرتبہ ایک معروف مارکیٹ کی مسجد میں نماز پڑھی، وہاں کے ذمہ دار لوگ واقف کار بلکہ تعلق رکھنے والے تھے، دالان میں پھٹی ہوئی جانمازیں بچھی ہوئی تھیں اور بہت گندی بھی ہو رہی تھیں، حضرت والا نے معتمد صاحب سے پوچھا کہ یہ تو مارکیٹ کی مسجد ہے سب مصلی تاجر ہیں، جانمازیں خریدنے کی گنجائش نہیں ہے؟ انہوں نے کہا حضرت! جانمازیں تو بہت ہیں، نئی بھی رکھی ہوئی ہیں، فرمایا پھر بچھاتے کیوں نہیں؟ کہنے لگے حضرت! جمعہ کے دن بچھاتے ہیں پھر اٹھا دیتے ہیں، فرمایا یہ عجیب بات ہے، ہفتہ واری مصلیوں کیلئے تو نئی جانمازیں ہوں اور پنجوقتہ مصلیوں کے لئے پھٹی پرانی؟ بہت سمجھدار ہیں آپ لوگ! بعض لوگوں سے سنا گیا کہ اس پہلو کی طرف کبھی دھیان نہ گیا۔

● پربھنی میں ایک دفعہ معززینِ شہر اور متولیانِ مسجد کو جمع کر کے نماز کے بعد ان سے فرمایا مجھے بعض مخبروں نے خبر دی ہے کہ یہاں کی کسی مسجد میں احکام اور سنت کے مطابق اذان نہیں ہوتی۔ آپ لوگوں کو اس کی اطلاع نہیں ہے؟ پھر فرمایا: مخبر بھی بتلا دیتا ہوں کہ کون ہیں! "لاؤڈ اسپیکر"[1] صبح سب مسجدوں کی اذانیں مائک کے ذریعہ قیام گاہ تک سنائی دیں، کسی نے بھی قاعدہ کے مطابق اذان نہیں کہی، موٹی موٹی غلطیاں تجوید کی پائی جاتی ہیں۔ بعض مؤذنوں کے تو الفاظ بھی نہیں سمجھ میں آئے کہ کیا کہتے ہیں۔ بہت افسوس کی بات ہے، اذان شعائر اسلام میں سے ہے، اس کا احترام یہی ہے کہ سیکھ کر دی جائے، سیکھنے کی فکر نہیں،

---

[1] حضرتؒ "لاؤڈ اسپیکر" کو "آلۂ مکبّر الصوت" ہی کہا کرتے تھے۔

جس کی جیسے سمجھ میں آیا دینے لگے۔ پھر حاضرین کو فرمایا کہ سب لوگ ابھی مسجد میں اذان و اقامت کی عملی مشق کریں۔ اس طرح حضرت والا بڑی حکمت کے ساتھ اور دلچسپ و قابل قبول عنوان سے منکرات پر نکیر فرماتے تھے۔

## حسنِ انتظام

حسنِ انتظام بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خاص شان تھی، حق تعالیٰ نے ان کو حافظہ بھی بڑا قوی عطا فرمایا تھا، کون کب آنے والا ہے، کب جانے والا ہے ذہن میں رہتا تھا، اس کے باوجود دفتر میں بھی ہدایت دی تھی کہ تمام مہمانوں کے آمد و رفت کا چارٹ روز کا روز پیش کر دیں، ہر دوئی اسٹیشن پر آنے جانے والی گاڑیوں اور بسوں کے بارے میں تازہ معلومات رکھتے تھے، کونسی گاڑی بروقت چلتی ہے اور کونسی لیٹ ہوجایا کرتی ہے، ان کے پہونچنے میں کتنا وقت لگتا ہے وغیرہ سب ازبر رہتا تھا، ان معلومات کے ذریعہ واردین وصادرین کو سہولت بخش مشورے دیا کرتے تھے، کسی مہمان کیلئے بس میں سیٹ روکنے کے لئے کسی کو بھیجتے تو بس کے رخ کے اعتبار سے اسے تاکید کرتے تھے کہ داہنی جانب کی سیٹ پکڑیں یا بائیں جانب کی تاکہ دھوپ سے حفاظت رہے۔

مدرسہ میں ہر چیز کا نظام بنا ہوا ہوتا تھا، اس میں حسب تجربہ وتجاویز ردوبدل ہوتا رہتا تھا، صفائی کرنے والوں، فرش بچھانے اٹھانے والوں، دفتری کام کرنے والوں، تدریسی خدمات انجام دینے والوں، پکانے والوں حتی کہ گھنٹہ بجانے والوں کا بھی مقررہ و مرتبہ نظام ہوا کرتا تھا۔ حد یہ ہے کہ دواؤں کے اوقات کا نقشہ بھی دواؤں کے اوپر لگا رہتا تھا۔ مدرسہ میں چھوٹی سے چھوٹی جگہ کو بھی کسی کام کے قابل بنا دیتے تھے۔

سفر میں ہر ضرورت کی چیز ساتھ رہا کرتی تھی، خواہ اس کے لیجانے میں کتنی بھی زحمت کیوں نہ ہو خود تکلیف اٹھانا گوارا تھا مگر کسی دوسرے کو زحمت دینا قطعاً ناپسند تھا۔ شروع شروع میں سامانِ سفر میں کپڑوں کا سوٹ کیس، بستر بند، سفری جس میں تمام ضرورت کے برتن حتی کہ چاء دان اور نگوزی تک ہوتی تھی، تسلہ، لوٹا، وضو بنانے کیلئے چوکی، ناشتہ دان، ان

کے علاوہ لکڑی کا ایک تختہ بھی ہوتا تھا جو ریل کی دو سیٹوں کے درمیان خلا پُر کر کے تخت بنا لینے کا کام دیتا تھا، اس تختے میں چھوٹی لائن اور بڑی لائن کی بوگیوں کے حساب سے ایڈجسٹمنٹ کی گنجائش بھی ہوتی تھی، جب ٹیپ ریکارڈر ایجاد ہوا تو آپ کے برادرِ نسبتی محترم ڈاکٹر محمود شاہؒ نے لندن سے آپ کیلئے روانہ کیا تھا، وہ بہت وزن اور صندوق نما ہوتا تھا۔ اس کے اور اس کی ریلوں کے رکھنے کے لئے مستقل اٹیچی ہوا کرتی تھی، جہاں جاتے خود ہی سیٹ کر کے سناتے تھے پھر خود ہی سلیقے سے اٹیچی میں رکھ دیتے تھے۔ سفر کے آغاز سے قبل اور اختتام پر پھر درمیان میں جہاں جہاں رکتے یا سواری تبدیل ہوتی تو حکم ہوتا تھا کہ پہلے ڈاک گن لی جائے، ریل سے اترتے تو سامان اُتارنے اور گن لینے کی اطلاع سے قبل کسی سے نہ ملتے، اسٹیشن پر نصف گھنٹہ قبل رہنے کیلئے فرماتے، خود کے نکلنے میں تاخیر ہوتی تو رفقاء اور سامان کو پہلے بھیج دیتے تاکہ وہ لوگ لگیج کروا کے تیار رہیں۔

● ایک مرتبہ بمبئی پہونچ کر ریلوے اسٹیشن سے قیام گاہ تشریف لے جا رہے تھے، راستہ میں کچھ احباب نے گاڑی روک کر ملاقات کی، یہ احباب حضرت حکیم الاسلامؒ کو لینے کیلئے اسٹیشن جا رہے تھے۔ جب یہ معلوم ہوا تو حضرت نے پوچھا کہ کار میں کتنے لوگ ہیں؟ بتایا گیا کہ پانچ ہیں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: پھر مہمان کہاں بیٹھیں گے؟ کہنے لگے ایڈجسٹ کر لیں گے، یہ سن کر بہت ناراض ہوئے، فرمایا کہ جن لوگوں کو استقبال کی خواہش ہے وہ ان کی اپنی ضرورت ہے اس کے لئے سواری کا خود انتظام کر لیتے یا دوسری سواریوں سے واپسی کا انتظام کر لینا چاہیے، مہمان وہ بھی ایک بڑے عالم کا یہی اکرام ہے؟ ان کے ساتھ ان کے کوئی خادم بھی ہوں گے، سامانِ سفر ہوگا۔ اس کار میں تو ڈرائیور اور میزبان کا نمائندہ ہو، باقی جگہ مہمان کی مصلحت سے خالی رکھنی چاہیے، اب واپسی میں زائد لوگ دوسری سواری سے جائیں اور قاری صاحب کو آرام سے قیام گاہ پہونچائیں۔ ظاہر ہے کہ یہ وہ باتیں ہیں جن پر اکثر لوگ دھیان نہیں دیتے۔

● ڈاکٹر احمد ولی اللہ صاحب حیدرآبادی اواخرِ عمر میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مشیر صحت رہے،

حضرت رحمۃ اللہ علیہ ان کو اپنی صحت کی صورتحال کی وجہ سے ڈھاکہ کے سفر میں ساتھ رکھنا چاہتے تھے۔ انہیں جیسے ہی اطلاع ملی وہ فوراً دہلی پہونچ گئے، ویزا کے لئے حضرت نے ان کا پاسپورٹ لیتے ہوئے پوچھا کہ کیا نظام ہے، انہوں نے عرض کیا کہ فلاں تاریخ کو ڈاکٹرز کی ایک میٹنگ میں شرکت کرنی تھی لیکن وہ پروگرام میں نے کینسل کر دیا ہے، آپ کی رفاقت مقدم ہے، سُن لیا اور چُپ ہو گئے۔ پھر اپنے میزبان منتظمین کے ذریعہ ڈاکٹر صاحب کے ویزا اور ٹکٹ کا ایسا انتظام فرمایا کہ وہ سفر میں ساتھ بھی رہیں اور اس میٹنگ میں شرکت بھی یقینی ہو جائے۔ ڈھاکہ پہونچ کر جب حضرت نے ان کو سارا نظام سمجھا دیا اور بتلایا کہ چونکہ میں نے اپنی ضرورت سے آپ کو زحمت دی تھی اس لئے آپ کے کسی نظام میں خلل ڈالنا نہیں چاہتا تھا، اللہ تعالیٰ نے ایسی ہی صورت بنادی۔ چنانچہ وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حسنِ انتظام کی برکت سے دورانِ سفر ڈھاکہ سے حیدرآباد آکر میٹنگ میں شرکت کر کے پھر واپس ہو سکے۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ اپنے خادموں اور معتقدوں کی اس قدر رعایت، اور ان کی مصلحتوں کا اتنا خیال میں نے اور کہیں نہیں دیکھا تھا۔

● حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ حیدرآباد تشریف لائے ہوئے تھے، دعوۃ الحق کی ایک شاخ کے ذمہ داروں نے طلبہ کے تکمیلِ حفظ کیلئے حضرت سے فرمائش کی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے صبح ۹ بجے کا وقت دیا، ادھر ایک دوسرے مدرسہ دارالعلوم حیدرآباد کے ذمہ داروں نے بھی اسی دن وقت مانگا تھا، حضرت نے قبول کر کے ان سے فرمایا کہ ۱۱ بجے فلاں مدرسہ میں پہونچئے، وہاں سے چلیں گے۔ دعوۃ الحق کے مدرسہ والے حضرت کو لینے کیلئے دیر سے آئے، حضرت بروقت تیار ہو کر بیٹھے انتظار فرما رہے تھے، ان لوگوں کے تاخیر سے پہونچنے پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: میں چلتا تو ہوں لیکن دارالعلوم والے اگر وہاں وقت پر پہونچ جائیں تو میں ان سے وعدہ خلافی نہیں کروں گا۔ چنانچہ اس مدرسہ میں پہونچنے کے بعد ابھی طلبہ کو بٹھایا ہی جا رہا تھا کہ ۱۱ بج گئے، اور دارالعلوم کے احباب بھی بروقت پہونچ گئے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی گاڑی منگوائی اور دارالعلوم کے لئے نکل گئے، لوگ خوشامد کرتے رہے مگر آپ نے نظام میں

تبدیلی نہ فرمائی۔ دارالعلوم پہونچے، مدرسہ کا معائنہ کیا، کچھ مشورے دئے اور جب اپنے وقت پر واپس ہونے لگے تو ان لوگوں نے چاء پانی کا پیشکش کیا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا آپ لوگوں نے اس کیلئے تو نہیں کہا تھا، بس جس کام کے لئے کہا گیا تھا اور وعدہ کیا گیا تھا وہ پورا ہوگیا۔ وہاں سے بھی بروقت نکل کر قیام گاہ پہونچ گئے۔

یہ ہلکی سی جھلک ان کے حسنِ انتظام کی ہے، مزاج مبارک کو سمجھنے کے لئے یہ کافی ہے، ورنہ سینکڑوں واقعات حسنِ انتظام کے جمع کئے جاسکتے ہیں، اسی حسنِ انتظام کی بدولت وہ نہ دوسروں سے خود تکلیف اٹھاتے تھے نہ اپنے سے کسی کو تکلیف دیتے تھے..... "نہ بہ اشتر بر سوارم نہ چو اشتر زیر بارم"..... کے مصداق تھے۔

## زہد واستغناء

اولیاء اللہ توکل علی اللہ کی دولت کی وجہ سے غیر اللہ سے مستغنی ہوجاتے ہیں، حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت میں بھی یہ صفت غایت درجہ موجود تھی۔

● وانمباڑی میں ذمہ دارانِ مدارس کا جوڑ تھا، اس کی سرپرستی کیلئے حضرت کو مدعو کیا گیا تھا، چونکہ اس اجلاس کا قرآن مجید کی تعلیم سے تعلق تھا اس لئے حضرت نے اس میں شرکت کا ارادہ فرمایا، سفر براہِ حیدرآباد ہوا تھا، چونکہ اس علاقہ میں جانا کم ہوا تھا اور لوگ مزاج سے واقف نہ تھے، اس لئے حیدرآباد سے نکلتے وقت حضرت والد محترم سے ایک تحریر کتابت کرواکے لے گئے، جس کا مضمون یہ تھا "میرا سفر دینی ضرورت کے سلسلہ میں ہوا ہے، ہدایا کے قبول کرنے سے معذور رہوں، ہدیہ کے بجائے ادعیہ کی ضرورت ہے۔"

● ایک مرتبہ حیدرآباد کے ایک نواب صاحب نے بہت قیمتی پن سیٹ تحفہ میں دیا، مگر چونکہ آدابِ ہدیہ اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج کے خلاف طریقے سے پیش کیا تھا اس کی طرف التفات بھی نہیں فرمایا، انہیں آداب سیکھنے کی تلقین فرمائی۔

● حضرت رحمۃ اللہ علیہ بیرون ملک تشریف لے جاتے وہاں بھی اپنے خدام و متعلقین کو سختی سے پابند فرماتے تھے کہ سفر دین کی نسبت سے ہورہا ہے، کہنے سننے کا نظام تو بنایا جائے مگر دعوتوں

اور ہدئے تحائف کا سلسلہ نہ رہے، حد یہ ہے کہ اگر کوئی مدرسہ کیلئے کچھ تعاون کرنا چاہتا تو فرماتے کہ براہِ راست بھیج دیں، میری آمد محض دین کی نیت اور اصلاحی مقصد سے ہوئی ہے۔

## طلبہ پر شفقت

طلبہ پر غیر معمولی شفقت فرماتے تھے، چھوٹے بچوں پر تو بہت ہی مہربان تھے، ان کا سب کچھ گوارا فرمالیتے تھے، مگر ان پر کسی قسم کی سختی گوارا نہ تھی، اساتذہ ونگران حضرات بھی اس کے پابند تھے کہ طلبہ کے ساتھ شفقت کا معاملہ کریں، فرماتے تھے کہ طلبہ ہمارا ذریعہ معاش اور ذخیرۂ معاد ہیں اس نسبت سے بھی ان کا اکرام بہت ضروری ہے۔ آپ کے زیر انتظام مدارس میں جانے کتنے اساتذہ محض بچوں کی تادیب ضربی کے نتیجے میں معطل کئے گئے۔

● ایک استاذ نے ایک طالب علم کی سخت پٹائی کردی، حضرت کو علم ہوا، حضرت نے استاذ سے جواب طلب کیا، انہوں نے غلطی اور سزا کی واجبیت کا ذکر کیا، حضرت خفا ہو گئے اور فرمایا ''اگر گڈا میاں (حضرت کے نواسے جو اس وقت پڑھ رہے تھے) یہ غلطی کرتے تو آپ اتنی سزا دیتے؟ تمام طلبہ کو انہی کی طرح سمجھا کرو۔

طلبہ کی عیادت کرنے اور دعائے مسنون پڑھنے کا بڑا اہتمام فرماتے تھے، اساتذہ و منتظمین کو بھی اس عمل مسنون کی ترغیب دیتے تھے۔

● میں جب پڑھتا تھا بیمار ہو گیا، بخار شدید تھا طرح طرح کے خیالات آرہے تھے، فوراً کاغذ قلم لے کے بچپن کی نادانی میں ایک تحریر حضرت کو لکھدیا کہ ''میں پردیس میں بیمار ہو گیا ہوں، میرا یہاں آپ کے علاوہ اور کون ہے؟ آپ کو دیکھنے کے لئے ترس رہا ہوں'' حضرت والا — اللہ انہیں غریقِ رحمت فرمائے — جواب لکھ کر بھیجا کہ ''مجھے تمہاری بیماری کی اطلاع نہیں ہوئی، کام سے فارغ ہوتے ہی آؤں گا'' پھر تھوڑی دیر بعد تشریف لائے، دعا پڑھی، تسلی دی، سر پہ ہاتھ رکھا۔ پھر تو گویا ساری بیماری ہی ختم ہو گئی۔

● ایک دفعہ کمرہ میں تشریف لائے ایک طالب علم نے کہا اُدْخُلُوْهَا بِسَلَامٍ حضرت واپس گئے پھر دروازہ پر زور سے السلام علیکم فرما کر داخل ہوئے، عجیب ادائیں تھیں، بات

میں بات یاد آتی جاتی ہے، ایک چھوٹے سے لڑکے نے دوسرے کی شکایت کرتے ہوئے کہا، حضرت! اس نے مجھے ''سالے'' کہا، اس دوسرے لڑکے نے فوراً کہا: حضرت! میں نے ''سالے'' نہیں ''صالح'' کہا تھا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ارے بھئی! یہ تو تمہیں دعا دے رہے ہیں اور تم ناراض ہور ہے ہو، یہ سن کر دونوں بھاگ گئے۔

ایک دفعہ مدرسہ میں تعطیلات ہوئیں اور طلبہ گھر چلے گئے، ہم دور والے تھے مختصر چھٹی میں وہیں رہتے تھے، ایک دن حضرت دفتر اہتمام کے سامنے چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے ہم چھوٹے چھوٹے طلبہ سب پہونچ گئے اور بے تکلفی سے باتیں شروع کردیں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی انداز سے بات کرتے رہے، ایک طالب علم نے حضرت سے ایک پہیلی بجھوائی، کسی نے کوئی اور پیش کردی، کسی نے کہا اب آپ پوچھئے، حضرت والا نے فرمایا: بورڈ پر تین مرتبہ ''لڑکے'' لکھو، پھر اس کو مکمل جملہ بناؤ، سب خاموش ہوگئے کہ اس کا جملہ کیسے بنے گا؟ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''لڑ کے لڑ کے لڑ کے'' یعنی پہلا اسم دوسرا فعل بہ معنےٰ لڑائی کرکے اور تیسرا فعل بہ معنےٰ گر گئے۔

پھر فرمایا: تین سوال کا ایک جواب دو، سموسہ کیوں نہ کھایا؟ لوٹا کیوں نہ لیا؟ جوتا کیوں نہ پہنا؟ تین متضاد سوال تھے، سب چپ ہوگئے فرمایا: ''تلا نہ تھا'' غرض! دیر تک یہ مجلس چلتی رہی کہ ایک باوقار و ذی احتشام اور باقی سب کم سن طالب علم باپ بیٹوں کی طرح بے تکلف وقت گذارتے رہے۔

اسی طرح جو بڑے طالب علم معاشی طور پر خستہ حال ہوتے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے حالات کا علم ہوتا تو وقتاً فوقتاً ان کی مالی امداد فرمایا کرتے تھے، اور بہت مخفی طریقے پر کرتے تھے، اس طرح کتنے ہی طلبہ تھے جن کی ضروریات آپ کے اس مسنون عمل سے پوری ہوجایا کرتی تھیں۔

درسگاہوں کے علاوہ طلبہ کی قیام گاہوں کا بھی معائنہ فرماتے تھے، بالخصوص رات میں ایک آدھ گشت (راؤنڈ) ضرور لگاتے تھے، چھوٹے بچوں کے حلقوں میں گرما میں پنکھے بند

ہوتے تو کھلواتے، سرما میں کھلے ہوتے تو بند کرواتے، رضائیاں نہیں اوڑھی ہوتے تو اُڑھواتے تھے، بارہا خدمت گذاری کے زمانے میں ٹارچ لے کر میں خود ساتھ ہوا کرتا تھا۔

● مدرسہ اشرف المدارس میں طلبہ کو ہر سال داخلہ لینا پڑتا تھا، اس کے لئے نئی اور پرانی سب درخواستیں رمضان سے قبل موصول ہو جاتی ہیں، حضرت والا رمضان المبارک میں نائب صاحب وغیرہ سے قدیم طلبہ کی تجدید داخلہ کے سلسلہ میں رائے لیا کرتے تھے، بعض طلبہ سے نگرانوں کی بیزارگی اور خود نائب صاحب کی عاجزی کی وجہ سے ان کے اخراج کا مشورہ دیا جاتا تھا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اکثر ان حالات کا علم رہتا تھا، مگر اخراج کے مشورہ کو اکثر مسترد فرما دیتے تھے۔ ایک دفعہ نائب صاحب نے ایک طالب علم کے بارے میں سختی سے کہا کہ حضرت! آپ تو سفروں میں رہتے ہیں، سنبھالنا ہمیں پڑتا ہے، ہم اس کو نہیں سنبھال سکتے۔ حضرت نے سب سُن کر فرمایا: اچھا اگر ہر مدرسے والا اس کو اسی طرح نکالدے تو آخر وہ کہاں پڑھے گا؟ یہ کہہ کر پھر منظوری دیدی۔

اس شفقت ورحمت کے باوجود بعض دفعہ اخلاقی یا اجتماعی مصلحت کی خاطر اخراج ناگزیر ہو ہی جاتا ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ بھی کرتے تھے مگر اس قدر نصح وخیر خواہی کے ساتھ کرتے تھے کہ خود وہ طالب علم پشیمان ہو جاتا، یہاں تک کہ اس فیصلے کو اپنی "شامتِ اعمال"[1] سے تعبیر فرماتے تھے، اللہ اکبر! اخراج کا ایک واقعہ اور اس کے لئے لکھا گیا مراسلہ مکمل اس عاجز کے ذہن میں محفوظ ہے۔

● ایک طالب علم حیدر آباد کے بہت ہی شوخ مزاج تھے، روز کچھ نہ کچھ مسئلہ ان کی وجہ سے پیدا ہوتا تھا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی تربیت کی ہر ممکن کوشش کی، نرمی سے سختی سے، جیسا بن پڑا، مگر اُن پر اس کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا، نگران حضرات اور نائب ناظم صاحب سب ہی نے ان کو سنبھالنے سے ہاتھ اٹھا لئے، تب حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اخراج کر کے انہیں گھر واپس بھیج دیا، گھر والوں کو جو تحریر روانہ فرمائی وہ اہل مدارس کیلئے بطور خاص قابل غور ہے، ایک ایک لفظ نصح وخیر خواہی وہمدردی میں ڈوبا ہوا ہے، حضرت والا نے اخراج کی اطلاع دیتے ہوئے

[1] حضرتؒ بدقسمتی کا لفظ استعمال نہیں کرتے تھے، فرماتے تھے کہ ایمان والا بدقسمت کیسے کہلایا جاسکتا ہے؟

سرپرست کے نام لکھا:

''آپ کے صاحبزادے یہاں زیرِ تعلیم تھے، ان کی تعلیم وتربیت کے لئے ممکنہ کوشش کی گئی مگر میری شامتِ اعمال سے انہیں یہاں کوئی نفع نہیں ہو رہا ہے، اس لئے مشورہ کے بعد گھر واپس بھیج دینا طے پایا ہے، تجربہ یہ ہے کہ ایک ہسپتال میں علاج نہیں ہو پاتا تو دوسرے ہسپتال منتقل کر کے دیکھا جاتا ہے، دوسری جگہ فائدہ ہو جاتا ہے، اس لئے ان کو کسی اور مدرسہ میں شریک کریں انشاء اللہ نفع ہوگا۔ والسلام''

طلبہ کے لئے کھانے کا معیار حضرت والا کے ہاں بہت عمدہ تھا، روٹی سالن چاء، ہر چیز کے معیار پر نظر رکھتے تھے، پکے ہوئے کھانے کے چکھوانے کا انتظام تھا، مطبخ اور اس میں استعمال کئے جانیوالے برتن، اطراف واکناف، گودام اور اس میں رکھے ہوئے سامان کی صفائی ستھرائی معیاری ہوتی تھی، وقفے وقفے سے گودام پہونچ کر جائزہ لیا کرتے تھے، طلبہ کو سالن کے سلسلہ میں شکایت ہوتی اور آپ اسے معقول سمجھتے تو تلافی کا انتظام کرواتے تھے، باورچیوں سے فرما رکھا تھا کہ اگر تمہاری غفلت سے سالن بگڑ گیا اور کھانے قابل نہ رہا تو طلبہ کے لئے تو باہر سے انتظام کر دیا جائے گا مگر نقصان کا ہرجانہ تمہارے ذمے رہے گا۔ ہمارے زمانے میں ایک دفعہ دال میں نمک اتنا زیادہ ہو گیا کہ کھانا مشکل تھا، حضرت کو اطلاع ہوئی آکر چکھا اور تقسیم رُکوادی، اسی وقت بازار سے دہی منگوا کر دیا۔

## اندازِ تربیت

حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ کی خداداد صلاحیتوں میں ایک اہم صلاحیت وصفت مُربی ہونے کی تھی، حق تعالیٰ شانہ نے انہیں اُمت کی تربیت کی زبردست خصوصیت عطا فرمائی تھی، بڑی سے بڑی بات کو سہل انداز میں بیان کرتے، حسی اور ظاہری مثالوں سے بات کو واضح کرنے اور مخاطب کی فہم کی رعایت رکھتے ہوئے بات کرنے کا خاص ملکہ حاصل تھا، اسی وجہ سے اُن سے تعلق رکھنے والوں اور پاس رہنے والوں کی مسلسل تربیت ہوتی رہتی تھی، بعض دفعہ باتوں باتوں میں اہم کوتاہیوں کی طرف متوجہ فرما دیتے تھے، بعض دفعہ بالخصوص نشاندہی فرماتے

تھے، کبھی اجتماعاً تو کبھی انفراداً، کبھی علی رووس الاشہاد تو کبھی خلوت وتنہائی میں، پھر عنوان وتعبیر میں مراتب اور قوتِ تعلق کی کمی بیشی کا بھی خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ امراء واہلِ دنیا کیلئے علاحدہ انداز، علماء واہل دین کے لئے الگ طریقے، مانوس ومعتقد طبقے کیلئے دیگر اسلوب، نامانوس اور غیر معتقد لوگوں کے واسطے اور نہج اختیار فرماتے تھے، غرض ہر طبقہ فہم کو اس کے حساب سے تنبیہ فرماتے تھے، اس میں بالخصوص علماء کرام کی بڑی رعایت فرماتے تھے، مگر چھوڑتے کسی کو نہیں تھے سب کو ٹوکتے تھے۔

● ایک مرتبہ میں کچھ دن کے لئے حاضر خدمت ہوا، مہمان خانے میں قیام تھا، کچھ اور علماء کرام بھی آگئے تھے، ہمارے کمرے میں ایک دو ساتھی تہجد میں اُٹھ کر اپنی اپنی جگہ نماز پڑھ رہے تھے، بقیہ نہیں اُٹھے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس وقت مہمان خانے کا دورہ فرمایا، دن بھر گذر گیا، عصر بعد کی مجلس میں اعمالِ نافلہ کی ترغیب پر کلام فرمایا، اسی ضمن میں یہ بھی فرمایا کہ کبھی میں گشت لگا کر دیکھتا ہوں تو بعض لوگ تہجد پڑھ رہے ہوتے ہیں، ذکر کر رہے ہوتے ہیں اور بعض لوگ وہیں پڑے سوتے رہتے ہیں، اپنے ہی کچھ ساتھی جب ہمت کر کے اٹھ رہے ہیں تو انہیں دیکھ کے تو ہمت کر لینی چاہیے، یہ صحیح ہے کہ ضروری نہیں ہے، مگر بڑی فضیلت اور شرف کی بات تو ہے، عادت ڈالنے اور کوشش کرنے سے عادت پڑتی ہے، کوشش کرنی چاہیے، اس توجیہ وترغیب کا اثر یہ ہوا کہ اگلی صبح کو سبھی کو تہجد کی توفیق مل گئی۔

● ایک مرتبہ حضرت قاری مبین صاحب الٰہ آبادی تشریف لائے ہوئے تھے، حضرت نے قاری صاحب کو نمازِ عشا پڑھانے کے لئے فرمایا، نہ حضرت کو ذہن میں رہا کہ وہ مسافر ہیں نہ خود ان کو یاد رہا، نماز پڑھادی۔ سب لوگ مسجد سے نکل گئے، حضرت جب گھر کے قریب پہونچے تو انہی کو خیال ہوا، فوراً طلبہ کو لے کر واپس مسجد آئے اور زور سے اعلان فرمایا کہ "بھئی نماز عشاء دوبارہ پڑھی جائیگی"، سب لوگوں نے صفیں درست کرلیں، حضرت نے فرمایا قاری صاحب مسافر تھے ان کے ذہن میں بات نہیں رہی لیکن یہاں جو اتنے سارے علماء حفاظ موجود تھے ان میں کسی کو خیال نہ ہوا؟ ایک صاحب نے کہا: مجھے خیال ہوا تھا مگر میں نے بتایا نہیں!

پوچھا کہ کیوں نہیں بتایا؟ کہنے لگے کوئی نہیں کہہ رہا تھا تو میں نے بھی نہیں کہا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ خفا ہوئے کہ تم نے جان بوجھ کر اتنے لوگوں کو زحمت میں ڈالا، اور حکم فرمایا کہ اس غلطی اور کوتاہی کی اصلاح کے لئے نماز کے بعد پچاس رکعت نفل نماز پڑھ کر مجھے اطلاع کرو۔

ظاہر ہے کہ دین کے مسئلے اور شرعی معاملے میں ان کا یہ تساہل وتغافل سخت غلطی تھی، اگرچہ نادانی سے کی تھی مگر اس کی گرفت کر کے ایسی اصلاح فرمائی کہ پھر عمر بھر ایسے مواقع میں یاد رہے۔

● میرے بچپن میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ تبدیلی آب وہوا کے لئے پورے گھر والوں کے ساتھ حیدرآباد تشریف لائے ہوئے تھے اور محترم نواب باقر خان صاحب کے بنگلہ میں فرسٹ فلور پر مقیم تھے۔ حسب معمول والدہ محترمہ پکوان کی خدمت کیلئے وہیں مقیم تھیں، اور ہم لوگ بھی والدہ کے ساتھ تھے۔ کھیل میں کوئی بات پیش آئی جس پر میں نے چھوٹی بہن کو ایک چپت رسید کردی، حضرت ادھر سے گذر رہے تھے دیکھ کر قریب طلب کیا اور میرے کان پکڑ کر فرمایا "اس کو تم نے چپت کیوں لگائی؟ یہ تو ظلم ہے، ہر بڑا چھوٹے پر ظلم کر رہا ہے، ہر بڑا چھوٹے پر ظلم کر رہا ہے"۔ وہ تو بچپن کی بات ہے، گوشمالی پا کر پھر اپنے کھیل میں لگ گئے مگر واقعہ اور جملہ یاد رہ گیا اور زندگی میں نہ جانے کتنی دفعہ برموقعہ آواز مبارک کانوں کے پردہ سے ٹکرائی کہ ہر بڑا چھوٹے پر ظلم کر رہا ہے اور نہ جانے کتنی دفعہ اپنے چھوٹوں پر ظلم سے اس جملے نے مجھے بچالیا، فجزاہ اللہ خیرا الجزاء

● ایک مرتبہ رمضان شریف کے اعتکاف میں بہت سے احباب نے میرے ساتھ ہردوئی سفر کرنے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کا ارادہ ظاہر کیا، میں نے سب کے ہمراہ عید کے دوسرے ہی روز سفر کا نظام بنالیا۔ کل تیرہ آدمی تھے ہردوئی شب کے وقت پہونچے، خیال ہوا کہ دیر ہوجائیگی تو گیٹ بند ہوجائے گا، سیدھے مدرسہ پہونچ جائیں، اسٹیشن سے رکشے کر کے سیدھے مدرسہ پہونچ گئے۔ حضرت اندر تھے اطلاع کروادی، معلوم کرایا کہ کھانا کھا چکے ہیں یا نہیں؟ ہم لوگوں نے کہلوایا کہ ابھی نہیں کھایا ہے، اطلاع ملی کہ اتنے آپ لوگ

وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر نمازِ عشاء پڑھ لیں کھانے کا انتظام ہو جائے گا۔ چنانچہ ہمارے نماز پڑھنے تک تازہ کھانا گرم گرم آیا، ہم لوگوں نے بھی خوب سیر ہو کر کھالیا۔ پھر ایک صاحب آئے اور انہوں نے معلوم کیا کہ سب کے پاس بلانکٹ اور تکیہ ہے؟ یہاں انتظام ہے جس کے پاس نہ ہو انتظام کر دیا جائے گا، جن جن کے پاس پورا بستر نہیں تھا انہوں نے نام لکھوا دیا اور تھوڑی دیر میں اس کا بھی انتظام ہو گیا۔ پھر اطلاع آئی کہ سب لوگ مہمان خانہ میں رہیں، حضرت تشریف لائیں گے، اتنے میں حضرت آ ہی گئے سلام مصافحہ معانقہ سے فراغت کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ ایک دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے ہم سب اطراف جمع ہو گئے، خیر خیریت دریافت کرنے کے بعد فرمایا: آپ لوگ گھر سے سفر میں چلے تھے تو اپنی ضرورت کے سب سامان اور پورا بستر ساتھ کیوں نہ لے لیا تھا؟ یہ کیوں سمجھا گیا کہ وہاں انتظام ہو جائے گا؟ خیر یہاں کچھ انتظام ہے کر بھی دیا جاتا ہے لیکن آپ لوگوں کا فرض کیا تھا؟ یہ عجیب بات ہے کہ آپ خود تو تنہا اپنی ضرورت کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے اور میزبان سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ تمام آدمیوں کا انتظام کر دے گا۔ ایک ایک آدمی ایک ایک بلانکٹ اور ایک ایک تکیہ کا بوجھ اٹھا لیتا تو مجھے اتنے بلانکٹوں کا اور اتنے تکیوں کا انتظام نہ کرنا پڑتا۔ اور ایک قافلہ آ جائے، پھر کچھ لوگ آ جائیں آخر کہاں تک ان کے بستر فراہم کئے جا سکتے ہیں؟ آپ خود سوچیں۔ پھر فرمایا کہ میں بے فکری کو بتلا رہا ہوں کہ یہ بات خود کیوں نہ سوچی؟ اسی طرح آپ لوگ اسٹیشن پر اترے تھے رات کا وقت ہو رہا تھا، راستے میں ہوٹلیں کھلی رہتی ہیں، یہ کیوں نہ سوچا کہ چلو ہم کھانا کھا کے چلیں تا کہ رات کے وقت میزبان کو تکلیف نہ ہو۔ یہاں باورچی مدرسہ میں چھٹی رہنے کے باوجود مہمانوں کے لئے مقرر ہے مگر آخر وہ بھی تو بیچارہ انسان ہے، دن بھر کام کیا تھا، تھک کے سو گیا تھا، نیند سے بیدار کر کے کھانا پکوا کے آپ لوگوں کو کھلایا گیا، اس زحمت کے ہونے کو آپ لوگوں نے خود سے کیوں نہ سوچا؟ اسی غفلت کی طرف توجہ دلا رہا ہوں۔ پھر فرمایا: میرے والد صاحب مجھے نصیحت کرتے تھے کہ بیٹا! کہیں بھی جاؤ کسی دوسرے کا بوجھ نہ بنو، سفر میں اپنی ضرورت کی ہر چیز لے لو، کچھ چنے بھی ساتھ رکھ لو موقع محل کا

خیال رکھو، کسی پر اپنا بوجھ نہ ڈالو، ضرورت کے وقت چنے کھا کے پانی پی لیا کرو، مگر دوسروں کو بے موقع زحمت میں نہ ڈالو۔ الحمدللہ میں ان باتوں کا ہمیشہ خیال رکھتا ہوں۔

اس واقعہ میں غور کرنے والوں کے لئے کئی سبق ہیں، ذرا ان کی شفقت تو دیکھئے پہلے کچھ نہ کہا، کھانا بھی کھلایا، بستر بھی دلوایا، زحمت کر کے خود تشریف لائے اور بڑی محبت سے دیر تک سمجھاتے اور نصیحت فرماتے رہے، واقعی ھکذا شفقۃ الانبیاء والمرسلین

● ایک مرتبہ حیدرآباد تشریف لائے مدرسہ فیض العلوم کے مہمان خانہ میں قیام تھا، خطوط اور درخواستوں کی یکسوئی فرما رہے تھے۔ راقم الحروف اور ایک رفیق سفر افریقی طالب علم بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک درخواست کا جواب لکھ کر سادے لفافے میں رکھ کر ان طالب علم کو دیا کہ دفتر میں دے دو۔ وہ بیچارے سمجھ نہیں پائے، مدرسہ کے سامنے سڑک پر نصب پوسٹ آفس کے لیٹر بکس میں ڈال دیا اور آ کے بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی طرف دیکھا تو پوچھا: دے آئے؟ کہنے لگے ڈال دیا پھر پوچھا کیا کہا؟ کہا: ڈال دیا۔ کہاں ڈال دیا؟ لیٹر بکس میں ڈال دیا! اس پر حضرت خفا ہو گئے اور فرمایا: اللہ کے بندے تمہیں کچھ عقل ہے، وہ سادہ لفافہ تھا، اس پر اسٹامپ بھی نہیں لگے تھے، دفتر میں دینے کو کہا تو پوسٹ باکس میں ڈال دیا، عجیب نامعقول آدمی ہو!، اب کیا کیا جائے وہ کسی کا نجی مسئلہ یا مدرسہ سے متعلق بات تھی، اب پتہ نہیں ڈاکیہ نکال کر لے بھی گیا ہوگا۔ میں نے عرض کیا: حضرت! کشادگی کا وقت دیکھ کر اس وقت وہاں موجود رہ کر ڈاکیہ سے حاصل کر لیں گے۔ فرمایا: یہ ٹھیک ہے۔ اس کا انتظام ہو گیا، بات ختم ہو گئی، اس باز پرس سے اس طالب علم پر اپنی ناسمجھی اور حضرت کی ناراضگی کا اس قدر خوف اور غم طاری ہوا کہ زار و قطار رونے لگے، بے چارے کی ہچکیاں بندھ گئیں، اتنے میں پھر حضرت نے جو نظر اٹھائی اور انہیں دیکھا تو خود حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا دل بیٹھ گیا، آنکھیں نم ہو گئیں، اور قلم رکھ کر دونوں ہتھیلیوں سے آنکھیں پونچھتے ہوئے فرمایا۔ تنبیہ و تربیت کے لئے ڈانٹتا ہوں، میں ناراض تھوڑا ہی ہوتا ہوں، چاہتا ہوں کہ تم لوگ بڑوں کے پاس رہنا اور خدمت کرنا سیکھ لو میرا کیا ہے؟ اگر تم کل کو مولانا علی میاںؒ کے

پاس یا قاری طیب صاحبؒ کے پاس جاؤ گے ان کی خدمت میں رہنے کا موقع ملے گا تو ایسی حرکتوں سے کہیں انہیں تکلیف نہ ہو، اچھی خدمت کرسکو، دعائیں لے سکو، اسلئے کہتا ہوں۔

اس واقعے میں ایک تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شفقت ومحبت قابلِ عبرت ہے دوسرے یہ تواضع اور ہیچمدانی کہ بجائے اپنی خدمت میں سلیقے کی بات کرنے کے دوسرے علماء واکابر وہ بھی معاصر کا نام لے کر ان کی خدمت وراحت رسانی کا سلیقہ کرنے کی بات فرمائی۔

● ایک مرتبہ ہردوئی سے الٰہ آباد کا سفر تھا، سفر میں راقم بھی ساتھ تھا، گھر سے نکل کر ہردوئی اسٹیشن پر پہونچے تو بجلی غائب تھی، حضرت نے پوچھا: تمہارے پاس ٹارچ ہے؟ عرض کیا گیا نہیں ہے، فرمایا: کیوں نہیں ہے؟ سفر میں ضرورت کی چیزیں کیوں نہیں رکھتے، اب تم لوگ دوسری بوگی میں چڑھو گے میں دوسری میں رہوں گا (کیونکہ ایک ہی ٹکٹ مل سکا تھا وہ بھی اے سی میں، اور ہم لوگوں کو عام بوگی میں سفر کرنا تھا) اگر اگلے اسٹیشن پر بھی بجلی نہ ہوگی تو میری بوگی کیسے تلاش کروگے اور کیسے پہونچ پاؤ گے؟ خود تم لوگوں کو کوئی ضرورت پیش آئیگی تو کیا کروگے؟..... عجیب عقلمند لوگ ہیں، اتنی موٹی موٹی باتیں بھی نہیں سیکھتے، اس کے بعد پوچھا کہ لوٹا ساتھ میں ہے؟..... ہم لوگوں نے لایا ہوا سامان مہمان خانے میں چھوڑ دیا تھا اور ہلکا سا بیاگ ساتھ میں لے لیا تھا، عرض کیا گیا: لوٹا بھی نہیں ہے۔ اب تو اور بھی زیادہ خفا ہوئے۔ ایک شخص کو اسٹیشن سے قریب رہنے والے معتقد کے گھر بھیج کے ایک لوٹا مستعار منگوا کر ہمیں دیا اور فرمایا واپسی پر یاد سے انہیں لوٹا دینا۔ پھر گاڑی آنے تک اس سلسلہ کی نصیحتیں اور تجربات بیان فرماتے رہے۔

ان امور کا دھیان رکھنا اور اس کی تربیت کرتے رہنا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصیت تھی، سینکڑوں باتیں تہذیب وادب کی اسی طرح چلتے پھرتے سیکھنے کو ملتی تھیں۔

● ایک دفعہ کانپور سے کچھ علماء ملاقات کے لئے آئے ہوئے تھے، ان میں اکثر نوجوان تھے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں ظہرانے پر گھر ہی میں مدعو فرمایا، دالان میں دسترخوان لگا تھا، انہی دنوں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حجرہ شریفہ میں ایرکولر لگا تھا، ایک صاحب نے ایک سے زائد

مرتبہ اس کی طرف پلٹ کر دیکھا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے محسوس کیا کہ ان نعمتوں کو دیکھ کر انہیں کہیں نقصان نہ ہو، کھانے سے فراغت کے بعد آپ نے اپنے ابتدائی دور کے مجاہدات وابتلاءات سنانے شروع کئے، اور عجیب وغریب حالات سنائے، مجھے بھی بڑا تعجب ہوا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دعوت واصلاح کی راہ میں ایسی ایسی تکلیفیں اٹھائی ہیں؟ یعنی ہم جیسے تو تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، کافی دیر تک سناتے رہے اس کے بعد حضرت شیخ الحدیثؒ کے حوالے سے فرمایا کہ.....

''جو لوگ اپنے بڑوں کا آخری زمانہ دیکھتے ہیں اور اس کی نقل کرنے لگتے ہیں وہ تباہ ہو جاتے ہیں اور جو ان کے ابتدائی دور کے حالات کو دیکھتے اور ان سے سبق سیکھتے ہیں وہ کامیاب ہو جاتے ہیں''۔

میں نے محسوس کیا کہ ان مہمانوں کو جو عقیدت ومحبت سے حاضر ہوئے تھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اسباب راحت اور وسعتِ آسائش سے کوئی بدگمانی پھر اس بدگمانی کی وجہ سے ضرر روحانی نہ ہو جائے، بہت ہی صبر وضبط اور احتیاط وحکمت کے ساتھ تنبیہ فرمائی جا رہی ہے، ظاہر ہے کہ یہ حکمت ودور اندیشی حکیم ودانا ہی کا کام ہو سکتا ہے۔

● آخر میں حضرت والا نے اپنی ابتدائی تدریس کے زمانے کا ایک واقعہ بڑے درد میں ڈوب کر سنایا، فرمایا کہ جب مجھے حضرت حکیم الامت مجدد الملۃ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے جامع العلوم کانپور میں تدریس کیلئے ہدایت دی گئی تو میں بسر وچشم قبول کر لیا، اور تیار ہو کر پہلے تھانہ بھون پہونچا، حضرت والا سے ملاقات کر کے عرض کیا کہ حسب الحکم کان پور جا رہا ہوں یہاں آپ کی دعا اور نصیحت لینے کیلئے حاضر ہوا ہوں، حضرت والاؒ نے فرمایا: اخلاص کے ساتھ پڑھاؤ، مدرسے والے اگر وظیفے کے بارے میں پوچھیں تو خود سے کچھ فرمائش نہ کرنا اور نہ کبھی اضافہ کی درخواست کرنا، انشاء اللہ اللہ تعالیٰ تمہیں اتنا عطا فرمائے گا کہ ''دو ہاتھوں سے بٹورنا چاہو تو نہ بٹور سکو گے''، اس آخری جملے کو کہتے ہوئے خوب یاد ہے کہ حضرت کی آواز گلوگیر اور آنکھیں اشکبار ہو گئی تھیں، اسی کیفیت میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں ہاتھ کو پھیلاتے ہوئے فرمایا آج، حضرت والا کی بشارت —— آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ —— کس طرح پوری ہو گئی۔

● حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کسی ضرورت سے پانی دم کر کے رکھا تھا، مجھے پانی پلانے کا حکم ہوا تو پیالے کا پانی پھینک کر اسی میں پانی پلایا، جب آپ نے وہ پڑا ہوا پانی لینا چاہا تو نہیں تھا، معلوم کیا کہ یہاں پانی رکھا ہوا تھا کیا کیا؟ میں نے کہا نالی میں بہادیا، فرمایا انا للہ عقلمند آدمی! پوچھا کیوں نہیں؟ یہاں کان پکڑ کے کھڑے رہو، اور چند منٹ کے بعد بڑی محبت سے فرمایا "پوچھنا چاہیے تھا کہ کیا یہ پانی پھینک دوں؟ میں نے قرآن کریم پڑھ کر دم کر کے رکھا تھا، اسے تم نے نالی میں بہادیا، پوچھتے تو ایسی غلطی نہ ہوتی، آئندہ دھیان رکھو" - یہ غایتِ شفقت ہی کی تو بات ہے ورنہ آج ماں باپ بھی اس قدر صبر کے ساتھ تربیت نہیں کرتے۔

● گرما میں فجر بعد طلبہ باہر چبوترہ پر تلاوت کرتے تھے، کبھی نگراں نہیں ہوتے تو حضرت والا خود اپنے معمولات پورے کرتے ہوئے دفتر اہتمام کی چلمنوں کے پیچھے سے نگرانی کرتے رہتے تھے، ایک دن ایسا ہوا کہ طلبہ آپس میں لڑنے لگے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھ لیا، وہاں سے چھڑی اٹھا کر تشریف لائے اور دریافت کیا کہ کون لڑ رہا تھا؟ لڑنے والوں نے اپنے کو ظاہر نہیں کیا، اڑوس پڑوس نے بھی نہیں بتلایا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ دیکھ کر ہی آئے تھے، لڑنے والوں کو کھڑا کیا تب انہوں نے قبول کر لیا، حضرت نے ان کے دونوں جانب والے ایک ایک اور سامنے کے چاروں کو بھی کھڑا کر کے پوچھا کہ تم لوگوں نے انہیں لڑتے ہوئے دیکھا تھا یا نہیں دیکھا تھا؟ سب نے کہا کہ دیکھا تھا، فرمایا پھر پوچھنے پر بتلایا کیوں نہیں؟ اس کے بعد فرمایا: لڑنے والوں کو بھی سزا ملے گی اور کتمانِ شہادت کرنے والوں کو بھی سزا ملے گی، چنانچہ آٹھوں کو ایک ایک چھڑی سزا ملی، سامنے والے چاروں میں، میں بھی تھا، جب میرا نمبر آیا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک چھڑی لگانے کے بعد ایک اور چھڑی لگائی اور فرمایا یہ اس لئے کہ تم اندر (گھر میں) رہتے ہو، اس کے بعد ایک اور چھڑی لگائی اور فرمایا یہ اس لئے کہ تمہارے والد ہمارے خاص آدمی ہیں، خوب یاد ہے کہ ان چھڑیوں کی ضرب میں تو کوئی شدت نہ تھی البتہ یہ نصیحتیں اور ناز و انداز بڑے لذیذ تھے جن کا ہم لوگ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے جانے کے بعد خوب مزہ لیتے رہے۔ اور مجھے تو نزدیکاں رابیش بود حیرانی کا مطلب اس دن سمجھ میں آیا کہ

مقربین کے مرتبے ہی بڑے نہیں ہوتے ذمہ داریوں کی نزاکت اور قرب کے تقاضے بھی بہت ہوتے ہیں۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

● ایک دفعہ ہم چند خدام مل کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لئے پربھنی پہونچے، پربھنی میں حضرت کے ایک مجاز میزبان تھے، قیام ایک ڈاکٹر کے پاس تھا، ہمارے آنے پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ بہت خوش ہوئے، قیام وطعام کے بارے میں پوچھا تو ہم لوگوں نے کہہ دیا کہ اس کا انتظام ہم لوگ خود کرلیں گے، بس خدمت میں حاضری کی اجازت چاہیے، مسرور ہوئے اجازت دیدی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم لوگوں کو حجرہ میں طلب کر کے اہتمام سے تاکید کی کہ اگر ہمارے میزبان تم لوگوں کو کھانے کے لئے کہیں تو کہدینا کہ ہم حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مہمان ہیں ان کی اجازت کے بغیر نہیں کھائیں گے، ہم نے کہا، بہتر ہے اسی طرح کہیں گے، جب اٹھنے لگے تو روک کر پوچھا: دیکھو اگر وہ کہیں کہ میں نے پوچھ لیا ہے تو کیا کہو گے؟ ہم نے کہا ہم یہی جواب دیں گے کہ آپ نے پوچھ لیا ہوگا مگر ہم نے نہیں پوچھا ہے، ہم بھی پوچھ کے قبول کرینگے، بہت خوش ہو کر کہنے لگے ہاں! یہی صحیح طریقہ ہے۔ پھر عملاً یہی سب کچھ ہوا۔

● مجھ سے ایک مصلی نے اپنی بچی کا نکاح پڑھانے کے لئے کہا، مجھے علم تھا کہ اس میں سب منکرات ہوں گے، اس لئے میں نے معذرت کردی، انہوں نے کہا کہ مولانا! یہ دین کی دعوت کا بہت اچھا موقعہ ہوتا ہے، مسجد میں آپ کی بات عمل کرنے والے ہی سنتے ہیں، شادی خانے میں جو طبقہ ہوتا ہے اس کو زیادہ ضرورت ہے کہ رسوم ورواج کی برائی سے آگاہ کیا جائے۔ میں مائیک کا انتظام کروں گا خود موجود رہوں گا، آپ بیان کریں، بیان کے بعد نکاح ہوگا۔ ان صاحب نے کچھ اس طرح وضاحت کی تھی کہ خود مجھے بھی خیال ہونے لگا کہ بات تو صحیح ہے کہ اس طرح اس طبقے کو بات پہونچے گی جو علماء تک پہونچ کے سنتا نہیں ہے، مگر میں نے ان کی تجویز اور اپنا تاثر دونوں باتیں لکھ کر حضرت والا کو بھیج دیا، اور راہنمائی طلب کی۔ حضرت والا نے عجیب جواب تحریر فرمایا جو ان کے ذہن رسا ہی میں آسکتا تھا حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ ان کا خیال اور تمہارا تاثر دونوں صحیح نہیں ہیں، اس میں کئی نقصان ہیں اس لئے کہ اس

تقریب میں تمہاری شرکت کا علم تو سب کو ہوگا، مگر نکیر کا علم صرف بعض کو ہوگا پھر جن لوگوں کو نکیر کا علم نہ ہوسکا صرف شرکت کا علم ہوا وہ اگر حاسد و معاند ہوں گے تو بدنام کریں گے اور اگر مخلص و معتقد ہوں گے تو اتباع کریں گے، یعنی تمہارے عمل کو نظیر بنا کر منکرات میں شرکت کیا کریں گے، اس لئے مقتدیٰ کے لئے احتیاط ہی ضروری ہے۔

اس جواب کو پڑھتے ہی سارا غبار اڑ گیا اور راستہ صاف نظر آنے لگا۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

● ٹمل ناڈو کے ایک شہر میں مدارس کے سلسلہ میں تربیتی پروگرام چل رہا تھا، اس کی حضرت والا سرپرستی فرما رہے تھے، اختتامی نشست میں حضرت کا بھی خطاب طے تھا، صدارت علاقے کے ایک عالم صاحب کی تھی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے بارے میں کسی طرح اطلاع ملی کہ ان کی داڑھی سنت کے مطابق نہیں ہے، حضرت نے کسی معتمد ذریعے سے تحقیق کرلی تو مزید تاکید ہوئی، حضرت والا نے اپنے میزبان اور داعی کو تنہائی میں طلب کر کے سب سے پہلے تو ان کے سامنے ٹکٹ کی رقم رکھدی، اور فرمایا میرا معمول یہ ہے کہ اپنا سفر خرچ ہمیشہ ساتھ رکھتا ہوں، اگر خلافِ اصول صورتِ حال پیش آئے اور نظام میں شریک نہ ہوسکا تو داعی کا خرچ اس کو واپس کر کے اپنے خرچ سے واپس ہوجاتا ہوں۔ اس وقت یہی صورت حال سامنے ہے جن صاحب کو صدارت کیلئے بلایا گیا ہے اگر یہاں کی مصالح کا تقاضہ ہے تو مجھے اعتراض نہیں لیکن میں علانیہ خلافِ سنت کام کرنے والے کی صدارت میں جلسہ میں شرکت سے معذور ہوں، انہوں نے غالباً توجیہ کی کہ ان کی داڑھی بڑھتی نہیں ہے، حضرت نے فرمایا وہ ایک سطر اپنے قلم سے لکھ کر دیدیں کہ ایسی ہی بات ہے تو میرے پاس ثبوت رہے گا، اور میں وثوق کے ساتھ اس کی وضاحت کر کے لوگوں کی غلط فہمی دور کردوں گا، خیر یہ دوسری صورت ان لوگوں کے لئے مشکل تھی، انہوں نے یہ طے کرلیا کہ ان کی صدارت و شرکت کوئی ضروری نہیں لیکن حضرت والا کا بیان ضرور ہوگا۔

ایسے مواقع پر حضرت صاحبِ معاملہ کی آبرو کی بڑی حفاظت فرماتے تھے اور اپنی

طرف سے کوئی حکم یا قطعی بات ہرگز نہیں فرماتے بس خود کو مشتبہ مقام سے بچائے رکھنے کی تدبیر کرلیا کرتے تھے، مگر بعض دفعہ نادان معتقدین ایسی باتوں کا کچھ اس طرح معمہ بنادیتے ہیں کہ فتنے کا سبب ہوجاتا ہے، اس واقعے کی بھی ایسی تشہیر کی گئی کہ ان صاحب نے اسے عزت کا مسئلہ بنایا اور پھر وہ سب کچھ ہوا جو نا گفتہ بہ ہے۔

● ایک خط میں احقر نے لکھا کہ حضرتِ والا کی خرابیٔ صحت کی اطلاع سے تشویش ہے حضرت نے لفظ خرابی کو نشان زد کر کے لکھا "یہ لفظ قابلِ ترک ہے ناسازی کہنا چاہیے" کسی دوسرے موقعہ پر زبانی فرمایا: صحت کی ناسازی منجانب اللہ ہوتی ہے اس کیلئے "خراب" کا لفظ سوءِ ادب ہے۔ اسی طرح ایک موقعہ پر بدقسمتی کا لفظ استعمال کیا گیا تو فرمایا تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس کی طرف بد اور بُرے کی نسبت مناسب نہیں ہے، بدقسمتی کے بجائے یوں کہاں جائے کہ شامتِ اعمال سے ایسا ہوا۔ اسی طرح اپنے اساتذہ کے تعارف میں، میں نے لکھا کہ ماشاء اللہ اچھی صلاحیت کے مالک ہیں، لفظ مالک کو نشان زد کر کے لکھا "تعجب ہے مخلوق کے لئے تم نے اس لفظ کا استعمال کیا حامل یا کوئی اور متبادل لفظ لکھنا چاہیے تھا"۔

● ایک مدرسہ کے ذمہ دار جو صاحبِ علم و عمل اور صالح و معتمد علیہ تھے، انہوں نے خود مجھ سے بتلایا کہ ایک آدھ مرتبہ ضرورت پر میں نے مدرسہ کی رقم بطور قرض لے کر استعمال کر لی تھی، حضرت کو جانے کس طرح اس سلسلہ میں شبہ ہوا، سفر کے دوران تحقیق کرنی چاہی، مصروفیات اور لوگوں کے ہر وقت لگے رہنے کی وجہ سے خلوت کا موقعہ نہ ہوا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے آگے کے سفر میں ایک مرحلہ تک کے لئے میرے لئے بھی ہوائی جہاز کا ٹکٹ بنوایا، مجھے وجہ کچھ سمجھ میں نہ آئی، راستہ میں بڑی شفقت اور اپنائیت سے معلوم کیا کہ مدرسہ کی رقم کبھی ذاتی صرف میں بھی لے آتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ ضرورت پر بطور قرض لے کر پھر واپس رکھ دیتا ہوں، فرمایا کہ بھئی! یہ رقم تو آپ کے پاس امانت ہے، امانت میں بغیر اجازت تصرف نہیں کرنا چاہئے، ایسے مواقع پر اجازت لے کر قرض حاصل کرنا چاہیے، پھر غالباً جو قرض باقی رہ گیا تھا اپنے پاس سے ادا کر کے ہدایت دی کہ آئندہ خیال رکھا جائے۔

صاحبِ واقعہ نے آبدیدہ ہوکر مجھ سے فرمایا اہل اللہ ہمیشہ ہی شفیق مزاج ہوتے ہیں لیکن آخری عمر میں ان کے مزاجوں پر شفقت علی الخلق کا غلبہ ہوجاتا ہے۔

● مولانا ..... ہردوئی آئے، آتے ہی رہتے تھے، بڑے پائے کے عامل تھے، اس وقت نوجوان تھے، وہ حضرت سے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ ان سے بڑی محبت فرماتے تھے، ان کے آتے ہی بیسیوں مریض بھی آجاتے تھے، ان کے علاج سے شفایاب بھی ہوتے تھے۔ انہیں شکار کا بہت شوق تھا، ان کے ایک شکاری دوست ہردوئی میں بھی تھے، جب مولانا یہاں آتے وہ بھی پہونچ جاتے اور اپنی جیپ میں مولانا کو شکار کے لئے لیجاتے تھے، اس دن بھی لے گئے، جاتے وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو دوپہر تک آنے کی اطلاع دی مگر ظہر کے بعد آئے اور دوست کے ہاں کھانا کھا کر آئے، حضرت نے ان کو کئی دفعہ پوچھا کیوں کہ کھانا ساتھ کھلانا چاہتے تھے، ظہر بعد جب نظر پڑی تو گرفت کی، انہوں نے کہا کہ کھانا کھانے میں تاخیر ہوگئی، یہ سن کر اور خفا ہوئے فرمانے لگے "آپ ان کے مہمان تھے یا میرے؟ میں آپ کے انتظار میں اب تک کھانا نہیں کھایا اور آپ دوست کے ہاں کھا کر آرہے ہیں۔ عجیب آدمی ہو اتنی موٹی بات بھی نہیں معلوم یہ تو تہذیب وادب کے خلاف ہے،" انہوں نے معذرت کی، معاف فرمادیا۔

● منشی ..... صاحب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اور پرانے تعلق والوں میں سے تھے، کہتے ہیں کہ ایک سفر میں، میں ساتھ تھا، اپنی نادانی سے کوئی نہ کوئی غلطی کر بیٹھتا اور پکڑا جاتا، ایک دفعہ میں نے دیکھا کہ ناشتہ دان کے ڈبے اوپر کی سیٹ پر کھلے رکھے ہیں، میں نے اٹھا کر انھیں بند کر کے اسٹینڈ میں لگایا، حضرت کی نظر پڑی تو دریافت کیا کہ ناشتہ دان کس نے بند کیا؟ میں نے بتلایا کہ میں نے بند کیا ہے، پوچھا: کس سے پوچھ کے بند کیا؟ عرض کیا کہ کھلے نظر آئے تو گرد اُڑ رہی تھی اسلئے بند کر دیا، فرمایا آپ کو کس نے منتظم بنایا تھا؟ میں نے تو قصداً کھلا رکھوایا تھا کہ بند رہنے سے ناشتہ خراب نہ ہوجائے، پوچھنا چاہیے تھا خود رائی کیوں کی؟ یہ عام بیماری ہے، جاؤ وضو بنا کے دس رکعت نفل نماز پڑھو۔ اسی سفر میں کسی وقت

کھانا کھا رہے تھے جگہ بنانے کے لئے حضرت نے فرمایا کوئی ہماری چوکی پر بیٹھ جائے، (حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی چوکی پر چھوٹا سا گدّا سفید غلاف کے ساتھ ہوا کرتا تھا) منشی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں اس پر چڑھ کے اکڑوں بیٹھ گیا، حضرت کی نظر پڑی برہم ہوئے اور فرمایا اتنی تمیز نہیں کہ سفید غلاف ہے پیر کے دھبے لگ جائیں گے؟ اور واقعی پیر کے بھدے نشان گدّی پر لگ بھی گئے تھے۔ پھر فرمایا کھانے کے بعد دس رکعت نفل بہ نیت اصلاح پڑھو، منشی جی بڑے مزے لے کر فرمایا کرتے تھے کہ سفر تمام نفلیں پڑھوائی جاتی رہیں اصلاح ہوتی رہی۔

اصل میں بات یہ ہے کہ محض ٹوکتے رہنے سے ہر کسی کو نفع نہیں ہوتا بعض طبیعتیں حساس ہوتی ہیں وہ ایک ہی دفعہ کی ٹوک زندگی بھر یاد رکھتے ہیں اور بعض طبیعتیں غافل ہوتی ہیں انہیں ٹوکنے کے ساتھ ساتھ کچھ تعزیر کی بھی ضرورت ہوتی ہے تبھی یاد رہتا ہے، اس کے بغیر یاد نہیں رہتا۔

● ایک دفعہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ حیدر آباد پہونچے، کافی تھکے ہارے تھے، فلائٹ بھی لیٹ پہونچی تھی، کافی لوگ ملاقات کے لئے منتظر تھے، حضرت کو مغرب کی نماز بھی پڑھنی تھی، حضرت سیدھے مسجد پہونچے نماز ادا کی، اس کے بعد حاضرین سے دریافت فرمایا: آپ لوگ اتنی دیر سے یہاں انتظار کر رہے ہیں، پہونچنے میں تاخیر ہو رہی تھی تو کسی ایک نے جا کر مسجد میں دو رکعت نماز پڑھ کر خیر و عافیت کی دعا کی؟ بس جمع ہیں انتظار کر رہے ہیں، آپس میں باتیں کرتے ہوئے وقت نکال رہے ہیں، ملنے کا شوق ہے مصافحہ کرنیکی فکر ہے، کسی ایک کو یہ ہمدردی نہیں کہ بیٹھ کے دعا کرتے، یہ بھی اچھی محبت ہوئی کہ بس اپنی خواہش پوری کرنی ہے!

پھر وہاں سے مدرسہ فیض العلوم پہونچے، یہاں ایک بھیڑ ملنے کیلئے گاڑی پر ٹوٹ پڑی، حضرت ..... صاحب مدظلہٗ (حضرت کے جلیل القدر خلیفہ) جو دو ایک دن پہلے پہونچ گئے تھے وہ بھی موجود تھے، حضرت نے گاڑی سے اترنے سے قبل ہی اعلان فرمایا کہ تکان بہت ہے ملاقات فجر کے بعد ہوگی، سب لوگ منتشر ہو گئے، حضرت ..... ملنے کیلئے آگے بڑھے تو فرمایا "ابھی اعلان ہوا ہے کہ صبح ملاقات ہوگی تو آپ نے اپنے کو مستثنیٰ کیوں سمجھ لیا؟"

پھر اُن پر بھی خفا ہوئے کہ "محبت اور تعلق کی باتیں تو کرتے ہیں مگر آپ سے اتنا نہیں ہوا کہ اس مجمع کو بتاتے سفر سے آرہے ہیں، لمبا سفر ہے، نہ معلوم صحت کیسی ہے؟ آپ لوگ اس وقت ملاقات کی زحمت نہ دیں، آپ اتنا بھی نہیں کر سکتے تھے؟"

پھر حضرت کمرہ میں تنہا جا کر لیٹ گئے، میں ڈرتے ڈرتے حاضر ہوا اور کھانے کیلئے دریافت کیا کہ دستر خوان لگا دیا جائے؟ فرمایا ٹھیک ہے مگر صرف میرے اکیلے کیلئے آئے گا، باقی مہمانوں کو وہیں گھر پر کھلا دو، حضرت نے کھانا تناول کر کے اور نماز وغیرہ سے فارغ ہو کے آرام فرمایا، میں نے بقیہ حضرات کیلئے دستر خوان لگایا، اور بتایا کہ حضرت کی ہدایت ایسی ہی تھی، اس موقعہ پر حضرت ..... نے صوفی عبدالصمد صاحبؒ سے دریافت کیا کہ آپ کے حضرت (حضرت تھانویؒ) کا جلال بھی ایسا ہی تھا؟ صوفی صاحب نے فرمایا: آپ ان کی پکڑ دھکڑ دیکھ لیتے تو اس کو کچھ نہ سمجھتے۔

● ایک دفعہ صبح کی نماز کے بعد مہمان خانے کے ایک کمرہ میں مجلس چل رہی تھی، حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ اور اکابر موجود تھے، باہر کافی روشنی ہوگئی تو ایک صاحب نے اٹھ کر بتی بجھا دی، کمرہ میں اندھیرا ہو گیا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے دریافت کیا، آپ سے کس نے کہا تھا بتی بجھانے کیلئے؟ انہوں نے جواب دیا سورج تیز ہو گیا بلاوجہ جل رہی تھی، حضرت نے فرمایا: جب بڑے موجود تھے تو ان کو توجہ دلانی اور اجازت لینی چاہیے تھی، ہم کو بھی تو معلوم ہے دن ہو رہا ہے، ہوسکتا ہے کسی مصلحت اور ضرورت سے جلائی جا رہی ہو، جاؤ اس خودرائی پر دس رکعت نفل پڑھ کے مجھے اطلاع کرو۔ واقعہ یہ ہے کہ ان امور پر تو خود حضرت والاؒ بہت نظر رکھتے تھے مگر اس وقت حجرہ تنگ ہونے کی وجہ سے دن ہونے کے باوجود بتی جلنے کی ضرورت تھی، چنانچہ پھر جلانی پڑی۔

● ایک صاحب ہمارے ساتھ ملاقات کے لئے ہردوئی گئے تھے، جب حضرت مسجد سے نکلے تو وہیل چیر لائی گئی، ان صاحب نے آگے بڑھ کر اس کا "فٹ ریسٹ" بچھا دیا، حضرت نے رُک کر فوراً پوچھا: آپ نے ایسا کیوں کیا؟ کہنے لگے، سہولت کیلئے، فرمایا: آپ

کو کیا پتہ کہ مجھے سہولت کس میں ہے؟ آپ ملاقات کیلئے آئے ہیں، یہاں کے نظام کو نہیں جانتے، میری ضروریات کو نہیں جانتے، جو لوگ اس خدمت پر مامور ہیں وہ خود یہ کام کریں گے، آپ نے سہولت کیلئے یہ فٹ ریسٹ کھولدئے ہیں اسکی وجہ سے میں کرسی پر بیٹھ ہی نہیں سکتا، بیٹھنے کے بعد کھولے جاتے ہیں، ہر چیز سیکھنے سے تعلق رکھتی ہے، خودرائی نہ کیا کرو۔

● ایک صاحب نے دستر خوان پر جب ان کے سامنے چاء کی پیالی رکھی گئی تو انہوں نے وہ پیالی آگے والے کی طرف بڑھادی، حضرت نے فوراً تنبیہ کی اور فرمایا: آپ یہاں میزبان یا منتظم نہیں ہیں، مہمان ہیں، یہ پیالی آپ کو دی گئی ہے، آپ لے لیں، یہ لوگ جو کام کررہے ہیں ان کے کام میں دخل نہ دیں۔ اسی طرح حضرت والاؒ اس سے بھی منع فرماتے تھے کہ مہمانوں کو بنا میزبان کے منشاء کے اس کے دستر خوان پر تصرف کرنے لگیں۔

● ایک دفعہ فیض العلوم میں حضرت والا نے حضرت قاری صاحبؒ کو بیان کرنے کے لئے مسجد بھیجا، خود بعد میں آئے، چاہتے یہ تھے کہ سلسلہ جاری رہے، اس لئے ایک ستون کی آڑ میں بیٹھ گئے، ایک مولوی صاحب نے کھڑے ہوکر حضرت قاری صاحب کو متوجہ کیا کہ حضرت والا تشریف لاچکے ہیں، حضرت قاری صاحبؒ نے فوراً اپنا بیان ختم کردیا، حضرت والا اندر تشریف لائے تو معلوم کیا کہ کس نے اطلاع دی تھی؟ انہوں نے کھڑے ہوکر اعتراف کیا کہ میں نے دی تھی، وہ حضرت کے شاگرد بھی تھے، بچپن سے جانتے تھے حضرت بہت خفا ہوئے اور فرمایا: آپ سے کس نے کہا تھا اطلاع کرنے کیلئے؟ کیا ضرورت تھی؟ بس خودرائی کی عادت پڑگئی ہے، جو جی میں آیا کرتے ہو، کھڑے ہوکر بیان سنوتا کہ خودرائی نکل جائے، پھر کچھ دیر کے بعد بیٹھ جانے کا اشارہ فرماکر بٹھادیا۔

● ایک دفعہ ایک رئیس اسٹیشن پر آپ کو لینے کے لئے پہونچے، حضرت کے ساتھ سفر میں اور بھی رفقاء تھے، انہوں نے حضرت والا سے اپنی گاڑی میں بیٹھنے کی درخواست کی، حضرت نے قبول فرمالی، ان صاحب نے اپنے دوستوں کو حضرت کے ہمراہ بیٹھنے کے لئے بلایا، حضرت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ میرے ساتھ کون چلے گا یہ میں طے کروں گا، آپ

جس کو چاہے نہیں بیٹھائیں گے، یہ کیا طریقہ ہے آپ مجھے لیجانا چاہتے ہیں، میرے رفقاء جو ساتھ میں ہیں ان کا تو خیال نہیں اپنے ساتھیوں کی فکر ہے، یہ صحیح طریقہ نہیں ہے۔

● ایک دفعہ ہم حضرت والا سے ملاقات کے لئے لونا والا گئے، وہاں ہمارے ایک مخلص دوست اور حضرت کے خاص خادم خدمت میں مصروف تھے، بہت دیر ہم حضرت کے پاس بیٹھے رہے جب محسوس کیا کہ نیند لگ گئی تو اٹھ گئے، مجھے استنجاء کا تقاضہ تھا، میں نے ان صاحب سے جگہ معلوم کی انہوں نے ایک بیت الخلاء کی طرف اشارہ کیا، میں نے کہا بھئی یہ حضرت والا کے استعمال کا تو نہیں؟ انہوں نے کہا ارے جاؤ یار اپنا کام کرو، میں جب استنجاء سے فارغ ہو کر نکلا تو حیران ہو گیا کہ حضرت والا انتظار میں ٹہل رہے ہیں، حضرت نے فرمایا: یہ بھی ادب کی بات ہے کہ بڑوں کے استعمال کی چیز نہ استعمال کی جائے، ہوسکتا ہے کہ ان کو اچانک ضرورت پڑ جائے، اس کا خیال رکھنا چاہئے، نیچے بھی انتظام ہے مہمانوں کے لئے، میں نے آئندہ خیال رکھنے کا وعدہ کیا۔

● ایک دفعہ حضرت بیگم پیٹ ایر پورٹ پر پہونچے تو ایر پورٹ کی مسجد میں اذان ہمارے ایک دوست قاری عبدالباسط نے دی، اور بہت خوش الحانی سے دی، البتہ وہ اغلاط نہیں کیں جو اصولِ تجوید کی رُو سے مکروہ ہیں جو ملا علی قاریؒ کے حوالہ سے حضرت والا اکثر سناتے تھے کہ بدعتِ قبیحہ اور فعل شنیع ہیں۔ لوگ چونکہ یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت والا اذان میں خوش الحانی کو مطلقاً منع کرتے ہیں، اس لئے بعض لوگ کہنے لگے انہیں ڈانٹ پڑے گی، مگر حضرت والا نے بعد اذان مؤذن کو معلوم کیا اور جب وہ سامنے آئے تو حضرت نے صدری کے جیب سے دس روپئے نکال کر بہت شاباشی اور خوشی کے ساتھ عطا فرمائے۔

## عفو و درگذر

عفو و درگذر تو حضرت کی کہنا چاہیے کہ امتیازی شان تھی، کیسی ہی خطا کیوں نہ ہو اعتراف کے بعد معاف ہو جاتی تھی، اور بار بار معاف ہوتی رہتی تھی، دو بول اقرارِ خطا کے یا دو حرف اعتراف و ندامت کے ان کے غضب کو ٹھنڈا کر دینے کیلئے کافی تھے، یہی نہیں کہ

معاف کردیتے بلکہ اس کو بھلا بھی دیتے تھے، یہ بھی خاص بات تھی کہ خطا کاریوں کی کثرت بلکہ گناہوں کی عادت پر اطلاع کے باوجود اس شخص کی عزت اور اکرام میں کبھی فرق نہیں دیکھا جاتا تھا، اکثر تحریر میں معافی کیلئے ''دل وجان سے معاف ہے'' کے الفاظ لکھ کر خاطی کو مسرور و مطمئن فرمادیتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس عاجز کو ان کے اس مزاج (تکثیر وتکرارِ عفو اور کتنے ہی لغزشوں اور کیسے بھی گناہوں کا علم ہونے کے باوجود تکریم مسلم نیز اپنے اصاغر کے سابقہ عیوب وخطایا کا نہ کہیں ذکر اور نہ کبھی حوالہ) کو دیکھ کر حق تعالیٰ شانہ کے عفو و درگذر اور محوِ ماسبق کی شان کا یقین حاصل ہوا کہ جب ان کا ایک بندہ اس شان کا ہوسکتا ہے تو ان کی شان اس نوازش میں کیا کچھ ہوگی؟

● میں نے ایک دفعہ جب وہ حج کے لئے جارہے تھے بعض قریبی کوتاہیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے جن کی معافی ہوچکی تھی یہ تحریر لکھی کہ بار بار کی غفلت حضرت والا کی ایذا کا سبب بنتی رہی ہے تمام ہی کوتاہیوں سے بصمیم قلب معذرت چاہتا ہوں، اس کے جواب میں تحریر فرمایا ''فی الحال میرے علم میں کوئی بات نہیں ہے، اطمینان کے لئے مسطور ہے کہ سب معاف ہے، دعا کرتا ہوں۔ والسلام''

● اکرام علماء اور اندازِ تربیت میں اسکے علاوہ متعدد واقعات گذر چکے ہیں، چونکہ شخصی تجربات ہی کا مذاکرہ چل رہا ہے اس لئے اسی پر اکتفاء کرتا ہوں ورنہ ہزار ہا واقعات پیش کئے جاسکتے ہیں۔

## امت کا غم

حضرت نے چونکہ مدرسہ اشرف المدارس کی بناء فی الواقع توکل علی اللہ پر رکھی تھی، اور اپنے شیخ کے مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون کی ترتیب کو اختیار کرتے ہوئے چندہ کی وصولی سے اجتناب فرمایا ہوا تھا، جو کچھ از خود پہونچ جاتا اور وہ اپنے ضابطے کے مطابق ہوتا تو قبول فرماتے ورنہ اسے بھی رد فرمادیتے تھے، اسی لئے مدرسہ میں کوئی محصل نہ تھا البتہ مُعَرِّف ہوتا تھا، ان کا کام یہ ہوتا کہ رمضان المبارک میں مختلف مسجدوں میں نماز پڑھتے مدرسہ کی

خدمات کا تعارف کرا کے اعلان کر دیتے کہ اگر کسی صاحب کا ارادہ تعاون کا ہو تو مدرسہ سے رابطہ کر لیں۔ یہ اعلان کر کے چلے جاتے خود وصول نہ کرتے۔ یہی نہیں بلکہ اگر اس علاقے کے مسلمان زیادہ مستحق ہوتے تو ان کی خدمت کی طرف توجہ دلائی جاتی۔ ایک سال بنارس میں کچھ فساد ہو گیا تھا شاید مسلمانوں کے املاک اور کاروبار کو نقصان پہونچایا گیا تھا، اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد رمضان المبارک آ گیا، منشی اسرار احمد صاحب (جو بطور مُعَرِّف کے مدرسہ کی طرف سے وہاں جایا کرتے تھے) کا بیان ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جاتے وقت انہیں تاکید فرمائی کہ اس سال بجائے مدرسہ کے تعاون کا اعلان کرنے کے یہ اعلان کرنا کہ یہاں کے خاص حالات کی وجہ سے مقامی مسلمان آپ کے تعاون اور زکوٰۃ کے زیادہ مستحق ہیں، اس لئے جو تعاون اشرف المدارس کو کیا جاتا تھا وہ اس سال یہاں کے ضرورت مند مسلمانوں پر صرف فرمائیں۔

یہ ہے اہل اللہ کے قلوب میں مسلمانوں کا مقام اور ان کے دکھ درد کا سچا احساس!

● حضرت رحمۃ اللہ علیہ ممبئی میں علاج کی تکمیل کے بعد تبدیلیٔ آب وہوا کی غرض سے کچھ دن کے لئے حیدر آباد میں بھی قیام فرمایا تھا، اسی قیام کے زمانے میں خشک سالی کی وجہ سے حضرت مولانا حمید الدین عاقل صاحبؒ نے اعلان عام فرمایا کہ ''صلوٰۃ الاستسقاء ادا کرنے کے لئے مسلمان شہر کے باہر اکھٹے ہو جائیں'' حضرت والا حالانکہ علیل تھے اور وہیل چیر کے بغیر چل بھی نہیں سکتے تھے جب اس کی اطلاع ملی تو علاقے میں خشک سالی کی صورتحال معلوم کر کے بہت مغموم ومحزون ہوئے، بار بار قلق ورنج کا اظہار فرماتے رہے، پھر مولانا عاقل صاحبؒ سے فون پر بات کرتے ہوئے فرمایا: میں بیمار ہوں، چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہوں ورنہ میں بھی نماز میں ضرور حاضر ہوتا، دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ فضل فرمائے۔

خود مولانا عاقل صاحبؒ پر حضرت والا کے اس دکھ بھرے فون کا اور نمازِ استسقاء میں شرکت نہ کر سکنے کی معذرت کا بہت اثر ہوا۔

● پردے کے سلسلہ میں تاکید کرتے ہوئے کسی علاقے کا یہ واقعہ سناتے تھے کہ ایک

غیرت مند رئیس کی بچی کالج کی تعلیم کے دوران بے پردگی کی عادی ہوگئی، بلکہ کالج کے کسی نوجوان سے اس کے ناجائز تعلقات بھی ہو گئے، کبھی کبھی اس کو اپنے ساتھ گھر بھی لے آیا کرتی تھی، لاڈ پیار میں اس بات کو والدین نے زیادہ اہمیت نہ دی، شروع شروع میں روکا ٹوکا ہوگا؟ ایک دن لڑکی رات دیر تک نہیں پہونچی تھی، والدین انتظار کر کے سو گئے، صبح کو جب اسے دیکھنے کیلئے اس کے کمرہ پر گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ رضائی میں دونوں ملکر سو رہے ہیں، باپ سے برداشت نہ ہوسکا تو اندر سے پستول نکال کے لایا اور نیند ہی کی حالت میں دونوں کو گولی چلا کر ہمیشہ کے لئے سُلا دیا، یہ قصہ سناتے ہوئے حضرت والا کی کیفیت بدل جاتی تھی، بہت جوش میں آجاتے تھے آنسو رواں ہوجاتے تھے اور بڑے درد سے فرماتے تھے، گولی مار کر ہلاک کر دینا تو آسان نظر آیا مگر شروع سے اسلامی تربیت کرنا اور پردہ کروانا مشکل دکھائی دیا، پھر حاضرین کو بچوں کی اسلامی تعلیم وتربیت کی تلقین فرماتے تھے۔

● اسی طرح نکاح کو آسان بنانے کے سلسلہ میں توجہ دلاتے ہوئے یہ دلگداز واقعہ بڑے کرب اور تڑپ سے سنایا کرتے تھے کہ ایک لڑکی کا رشتہ کہیں جم نہیں پا رہا تھا، لوگ آتے دیکھتے اور چلے جاتے، کافی تاخیر ہوتی جارہی تھی، والدین اس مسئلے کو لے کر حیران وپریشان تھے، لڑکی ماں باپ کو تسلی دیتی رہتی اور ان کے دکھ درد کو دور کرنے کی کوشش کرتی رہتی، مگر جب اس نے دیکھا کہ یہ مسئلہ طول پکڑتا جارہا ہے، والدین گھٹتے گھٹتے نڈھال اور مایوس ہوتے جارہے ہیں، تو اس نے بھی ہمت ہار دی اور والدین کو اس صدمے سے نجات دلانے کی فکر میں لگ گئی، بے چاری کو اس کے لئے کچھ اور تو سجھائی نہ دیا بازار سے چوہوں کی دوائی لاکر خود کھا کے سو گئی، صبح تک اس کی موت ہو چکی تھی، ماں باپ نے جب دیکھا اب تک پڑی سو رہی ہے، قریب پہونچ کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ دنیا ہی سے رخصت ہو چکی ہے، حضرت فرماتے تھے ''یہ الگ بات ہے کہ اس کا یہ عمل صحیح نہ تھا مگر اس کا سبب یہ شادی بیاہ کی مہنگائی اور رشتے ڈھونڈنے میں ظلم وزیادتی ہی تو تھا'' پھر حضرت بہت درد کے ساتھ سامعین کو سماج کی اس مصیبت کو ختم کرنے کی طرف متوجہ فرمایا کرتے تھے۔

## انکسار وتواضع

حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ دیکھنے میں جتنے وجیہہ باوقار وبارعب شخصیت کے حامل تھے مزاج کے اعتبار سے اتنے ہی انکسار وتواضع کا پیکر جمیل تھے، کیوں نہ ہوتے کہ ولیٔ کامل تھے اور معلوم ہے کہ ولایت ہستی وخودی کی نفی کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے، طبیعت میں نظم وانتظام کے غلبے کی وجہ سے داروگیر مؤاخذہ وایجاب کا سلسلہ ہر وقت چلتا رہتا تھا مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نظر اپنی شخصیت ومقام پر کبھی نہ ہوتی تھی، سامنے والے کی تربیت واصلاح پر ہی رہتی تھی، یہی وجہ ہے کہ بڑی سے بڑی غلطی کرنے والے کی تحقیر نہ فرماتے تھے، اعتراف قصور اور اقرار ذہول پر ایک دم نرم پڑ جاتے تھے، بارہا دیکھا کہ وہ منکرات کو دیکھ کر ضرورۃً وغیرۃً بہت گرم ہوجاتے تھے مگر جب معتوب کی کیفیت کو دیکھتے تو چہرے بشرے انداز والفاظ ہر ادا سے ٹھنڈے ہی نہیں ہوجاتے آگے بڑھ کر تسلی بھی دینے لگتے تھے، جس سے صاف ظاہر ہوتا کہ اس تنبیہ میں ان کا اپنا کوئی مقصد نہیں تھا۔ اسی طرح چھوٹے سے چھوٹا بچہ ان کی غلطی بتلاتا یا کسی مسئلے کی طرف توجہ دلاتا تو نہ صرف یہ کہ برا نہیں مانتے تھے بلکہ بہت مسرور ہوتے تھے، اوروں کے سامنے ذکر فرماتے تھے کہ ایک طالب علم نے اس پر متوجہ کیا، شخصی تعریف یا تو سنتے ہی نہ تھے یا سُن لیتے تو فوراً کوئی ایسا جملہ کہہ دیتے جس سے اپنے کمال کی نفی اور حق تعالیٰ کی شکر گذاری ہوجاتی۔

● ایک سفر میں میں نے تحریراً عرض کیا کہ رفقاءِ سفر ''حضرت والا کے نظم وانتظام اور ہر ایک کی راحت وآرام اور مسلسل کام سے بہت ہی متأثر ومتعجب ہوئے''..... جواباً ارقام فرمایا..... ''یہ حضرت اقدس حکیم الامت مجدد الملت مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہ کی تعلیمات کی ادھوری نقل کا فیض ہے''۔

● میں نے عرض کیا کہ امیر دعوۃ الحق بنگلہ دیش سے معلوم ہوا کہ اس سفر میں جہاں جہاں حضرت والا کے قدم پہونچے وہاں وہاں دعوۃ الحق کا کام شروع ہوگیا ہے، فرمایا ''یہ ان حضرات کا حسنِ ظن ہے''۔

● میں نے لکھا کہ ایک آزمائش کے موقع پر حضرت والا سے راہنمائی لینے کا موقع نہ تھا، لیٹا تو آنکھ لگ گئی خواب میں حضرت والا کی زیارت ہوئی اور مطلوبہ راہنمائی مل گئی، حضرت والا کی ایسی توجہات وتصرفات کا تجربہ ہوتا رہتا ہے، اس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ارقام فرمایا کہ "یہ تمہارا حسن ظن ہے اللہ تعالیٰ سنت پر چلنے والوں کی اعانتِ خاص فرماتے ہیں"۔

● دعوۃ الحق کے سلسلہ میں مجھے تحریر بھجوائی کہ "توکلاً علی اللہ آپ کو مقامی دعوۃ الحق حیدرآباد کا نائب ناظم تجویز کرتا ہوں"۔ میری حیثیت تو ادنیٰ خادم بلکہ ابن الخادم کی تھی محض حکم فرمایا جانا کافی تھا، مگر یہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تواضع وانکسار کی بات ہے کہ میں نے جب اس کے جواب میں تسلیم حکم کی اطلاع دی تو ارقام فرمایا "مقامی دعوۃ الحق حیدرآباد کی نائب نظامت کی قبولیت سے بہت مسرت ہوئی، اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو قبول فرمائے، آپ کے متعلقین کے جملہ مقاصد اللہ تعالیٰ پورے فرمائے، آپ کے تمام اعزہ واقرباء کو اللہ تعالیٰ فلاحِ دارین سے نوازے"۔

● کبھی بیان میں جوش وخروش سے نہی عن المنکر کی اہمیت پر روشنی ڈالتے اور اپنی جانب سے کی گئی نکیروں کے اچھے اور عملی ثمرات کے واقعات سناتے، اسی طرح کبھی بڑے علماء کی جانب سے ان کی کسی بات پسند کرنے کا ذکر نکلتا تو ساتھ ہی فرماتے "یہ سب حضرت والا تھانوی نور اللہ مرقدہ کی تعلیمات کی برکت ہے" پھر بہت ہی شیریں ترنم میں خواجہ صاحبؒ کے یہ اشعار مست ہوکر پڑھتے تھے ؎

نقل ارشاداتِ مرشدی کنم — آنچہ مردم می کند بوزینہ ہم
اصل کی برکت سے کیا عجب — نقل میں بھی ہو وہی فیضِ اتم

● اللہ تعالیٰ نے انھیں بار بار حج کی توفیق عطا فرمائی تھی، ہمارے بچپن میں جب حج کیلئے تشریف لے جاتے تو تیاریاں ہوجانے کے بعد طلبہ کو جمع کرکے فرماتے تھے، دیکھو بچو! کپڑا جب میلا ہوجاتا ہے تو صاف کرنے کیلئے دھوبی کے پاس بھیجا جاتا ہے وہ بھٹی میں ڈالکر خوب پکا کے صاف کرکے واپس کردیتا ہے، جو کپڑا جلدی جلدی میلا ہوتا ہے اس کو جلدی

جلدی بھٹی میں ڈالنا پڑتا ہے، ہمارا بھی یہی حال ہے، بہت گناہ گار آدمی ہیں اسلئے بار بار بلایا جاتا ہے، آج ہم حج کے لئے جارہے ہیں تم لوگ اچھی طرح رہنا، خوب محنت سے پڑھنا، کوئی شکایت نہ آنے پائے وغیرہ۔

● اپنے ذاتی کام کیلئے دوسرے کو طلب کرنا پسند نہیں فرماتے تھے، ایک مرتبہ حیدرآباد میں انجکشن لینے کی ضرورت تھی اور مصروف بہت تھے، میں نے عرض کیا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب کو یہیں بلا لیتے ہیں، آمادگی دیکھ کر میں نے اپنے ایک دوست ڈاکٹر کو طلب کرلیا، وہ بڑی سعادت سمجھتے ہوئے بخوشی آئے، انجکشن لینے کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو ایک عطر کی قیمتی باٹل ہدیہ کرتے ہوئے فرمایا..... "آپ نے بڑا کرم کیا"۔ اسی طرح ایک دفعہ ایک حکیم صاحب کے قیام گاہ خود آکے دیکھ لینے پر فرمایا..... "میری ضرورت تھی، مجھے آپ کے پاس آنا چاہیے تھا، آپ نے بہت کرم فرمایا اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے"۔

● ایک مرتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء سے تحریر آئی کہ انجمن کے سالانہ اجلاس میں طلبہ حضرت والا کی سرپرستی کے خواہشمند ہیں۔ اس میں یہ بھی جملہ تھا کہ ہر سال اختتامی اجلاس میں ملک کے کسی بڑے عالم دین یا کسی بڑی شخصیت کو دعوت دی جاتی ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جواب میں اپنی صحت اور پہلے سے بنے نظام العمل کے حوالے سے معذرت فرمادی اور جو حضرات تحریر لائے تھے ان سے زبانی فرمایا کہ "میرے عذر کے علاوہ آپ لوگوں کے معمول کے بھی خلاف ہے کہ آپ لوگ ہر سال کسی بڑے عالم دین کو مدعو کرتے ہیں، میرا تو بڑے عالموں میں شمار نہیں ہے میں تو ایک طالب علم ہوں دین کا ادنیٰ خادم ہوں۔

● میں ایک دفعہ بعض اہم معاملات میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے رجوع کرنے اور بعض ضروری امور کی اطلاع کیلئے ہردوئی سفر کیا تھا، میں نے مناسب سمجھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے براہِ راست گفتگو کا موقع مل جائے اس لئے آمدنامہ کی تحریر میں اپنی آمد اور غرض دونوں کی اطلاع کردی، جواب تحریر فرمایا "سب امور تحریر کرکے میرے ہاتھ میں دیدیں" چنانچہ میں نے ایک طویل خط تحریر کیا اور موقع کا منتظر رہا جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ اندر تشریف لے جارہے تھے —— ان دنوں

اندر ہی کام کرتے تھے —— تو ان کے ہاتھ میں دیدیا، تھوڑی ہی دیر کے بعد جب کہ اپنے ساتھیوں کو لے کر مہمان خانہ میں اذان ونماز کی مشق میں مشغول تھا اچانک ایک ساتھی نے کہا کہ حضرت آرہے ہیں، معمولاً اس وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے آنے کی کوئی امید نہ تھی، پلٹ کے دیکھا تو ہمارے حجرہ کی طرف ہی آرہے تھے، ہم سب لوگ کھڑے ہوگئے، میرا لفافہ جو ابھی گھنٹہ بھر پہلے دیا تھا ہاتھ بڑھا کر حوالہ کیا اور واپس چلے گئے، میں حیران ہو کر حضرت کو دیکھتا رہا تو سیدھے گھر ہی واپس ہوئے، یعنی محض اسی کیلئے گھر سے تشریف لائے تھے۔ میں دیر تک اس حیرت میں محو رہا کہ یا اللہ ایک ادنیٰ خادم بلکہ خادم زادہ! اس کی یہ رعایت کہ اسی وقت پورا خط پڑھ کر اسی وقت جواب لکھ کر مہمان خانہ تک خود پہونچانے کی زحمت فرمائیں یہ کسی معمولی اور مصنوعی اخلاق والے پیر کا کام نہیں ہوسکتا۔

● ایک مرتبہ احقر سے فرمایا کہ جو آم فلاں جگہ سے آئے ہوئے ہیں انہیں بالٹی میں بھگودو، میں نے بھگودئے، شام کے کھانے پر یاددہانی کی تو فرمایا ابھی رہنے دو، عشاء کے کافی دیر بعد جبکہ طلبہ وغیرہ خدمت سے فارغ ہو کر اپنی اپنی جگہ چلے گئے، حضرتؒ نے فرمایا آم، پلیٹ، چاقو وغیرہ چبوترہ پر رکھ دو اور قاری صاحب (حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ) کو مہمان خانہ سے بلالاؤ۔ پھر حضرتؒ اطمینان سے بیٹھ کر آم اپنے ہاتھ سے کاٹ کاٹ کر پلیٹ میں رکھتے اور حضرت باندویؒ کو کھلاتے رہے۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں کہتے رہے بس حضرت کھا چکا، مگر اصرار ہوتا رہا کہ اور کھایئے فلاں جگہ کے ہیں، خاص ہوتے ہیں وغیرہ، تعریفیں کر کر کے کھلاتے رہے۔

● حضرت اکرام علماء کا اتنا اہتمام کرتے تھے کہ ملاقات میں انہیں مقدم رکھتے، مجلس میں بیٹھنے کے لئے امتیازی جگہ ہوا کرتی، کبھی ان سے بیان کیلئے کہتے، اصاغر وتلامذہ حتی کہ مریدین وادنیٰ خادمین کی بھی عجیب عزت افزائی فرماتے کہ آدمی دم بخود رہ جائے۔ ابراہیم پیالیس میں جب قیام تھا ان دنوں برادر محترم مفتی عبدالمغنی صاحب اور مولانا امیر اللہ خان صاحب ملاقات کیلئے حاضر خدمت ہوئے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے نظام معلوم کیا اور بڑی عاجزی

سے فرمایا اگر کوئی حرج نہیں تو یہاں بلڈنگ کی مستورات جمع کردی جائیں گی آپ لوگ بیان کردیں، ان حضرات نے کہا حضرت جب حکم فرمائیں حاضر ہیں! طے ہوگیا کہ فلاں وقت آجائیں، یہ حضرات پہونچ گئے، مستورات ابھی تک جمع نہیں ہوسکیں تھیں، مائیک کا نظم نہ ہوسکا تھا، حضرت والا خود باوجود فریش ہونے کے وہیل چیر پر بیٹھ کر اس منزل پر پہونچ گئے جہاں مستورات کو جمع ہونا تھا، سب انتظامات کروائے، جب سب جمع ہوگئے تو پہلے خود ہی مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، ''میرے بعض دوست حیدرآباد سے آئے ہوئے تھے میں نے ان سے خواہش کی کہ کچھ سنادیں، مگر آپ لوگوں نے اتنی تاخیر کردی، اس سے بہت افسوس ہوا، ان علماء کو کتنی تکلیف ہوگئی'' وغیرہ۔ مولانا امیر اللہ خان صاحب کہتے ہیں کہ ادنیٰ مریدوں کے بارے میں حضرت نے ایسے الفاظ استعمال فرمائے کہ حیرت سے ہم ایک دوسرے کو تکنے لگے۔

● حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڑھی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت والاؒ کے درمیان بہت گہرے مراسم اور دیرینہ تعلقات تھے، دونوں ایک دوسرے کا مثالی اکرام فرمایا کرتے تھے، ایک مرتبہ میرے بچپن کی بات ہے حضرت پرتاب گڑھیؒ نے خواب میں دیکھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک روپئے کے چند نوٹ نام بہ نام انہیں عطا کئے کہ میری طرف سے ان لوگوں کو پہونچا دینا، ان میں حضرت والاؒ کا نام بھی تھا، حضرت مولانا رحمہ اللہ نے صبح اس خواب کی تعمیل کرتے ہوئے ان حضرات کے پاس اپنے قاصد کے ذریعہ بڑے اہتمام سے ایک ایک روپیہ بھجوایا۔ حضرت والاؒ کے ہاں جب یہ مبارک تحفہ پہونچا تو حضرت نے اساتذہ کرام کو دفتر اہتمام میں جمع کیا اور بہت اہتمام اور بڑے ادب سے سارا واقعہ سنایا اور پھر اشکبار ہوکر فرمایا ''اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے یہ سب قرآن مجید کی صحیح خدمت اور سنتوں کے احیاء کی برکت ہے''۔

## کشف وکرامات

گو یہ چیز فی نفسہٖ نہ ولایت کا لازمہ ہے نہ مطلوبِ شرعی ہے، نہ ہی ہمارے اکابر بالخصوص حکیم الامتؒ کے نزدیک ان چیزوں کی جانب کچھ زیادہ اعتنا تھا، تاہم اہل اللہ سے

ایسی برکات کا صدور ہر زمانے میں ہوتا رہا ہے، جسے عقیدت و اکرام کی نظر سے دیکھا گیا ہے اور ان کے کمالات میں شمار کیا گیا ہے، اس لئے گو مطلوب نہیں محمود ضرور ہیں کرامات الاولیاء حق اسی طرح "قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید" کے مصداق اس عنوان کے تحت بھی چند شخصی تجربات و مشاہدات درج کرنے کو جی چاہتا ہے۔

● مدرسہ میں اکثر شعبان ہی میں دور کے طلبہ گھر بھیج دئے جاتے تھے، ایک سال ایسا ہوا کہ حیدرآباد اور ممبئی والوں کے ساتھ کشمیر والوں کے ٹکٹ بھی بنے ہوئے تھے، سبطلبہ خوشی خوشی تیاری میں تھے "دن گنے جاتے ہیں جس دن کے لئے" کے مصداق بڑی مشکل سے روانگی کی تاریخ آہی گئی۔ آج صبح ہی سے ہم لوگ عجیب وغریب مسرت وخوشی میں ڈوبے ہوئے تھے، اچانک حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کشمیری کم سن طالب علم کو بلایا اور "سورۃ التکویر" سنی، اس میں تجوید کی کئی غلطیاں نکالیں اور خفا ہوئے کہ سال بھر میں تم نے یہ سیکھا ہے؟ اب تمہیں گھر نہیں بھیجا جائے گا، پھر نائب صاحب کو بلا کر ٹکٹ واپس کرنے کی ہدایت دی۔ بس کیا تھا! گویا شادی کے گھر میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ بیچارے کی سب خوشیاں خاک میں مل گئیں، حد یہ ہے کہ دیکھنے والوں کو ترس آنے لگا، بعض اساتذہ کو تک اس فیصلے پر تنقید کرتے سنا گیا، اور ادھر حکم تو حکم تھا، ٹکٹ واپس ہو گیا۔ گویا بہ زبان حال ہر شخص اسے ظلم وزیادتی تصور کر رہا تھا خیر! ہم لوگ تو اسی دن نظام کے مطابق مگر اپنے ایک ساتھی پر غم کھاتے ہوئے نکل گئے، راستہ تمام آپس میں اس کا ذکر وتذکرہ تھا۔ حیدرآباد پہونچنے کے چند دن بعد اُس طالب علم کا خط میرے پاس آیا، (فون کی تو اس زمانہ سہولت تھی نہیں) خط میں اس نے لکھا کہ جس دن آپ لوگ گئے اسی دن شام کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "تم جانا ہی چاہتے ہو تو فکر مت کرو، بھیج دینگے، چنانچہ دفتر والوں کو حکم دیا کہ کل بھیج دیا جائے۔" چنانچہ اگلے دن ہم لوگ بھی نکل گئے۔ جب گھر پہونچے تو ہمارے گھروں میں ہمارا سوگ منایا جارہا تھا، ہمیں دیکھ کر سب لوگ حیران وششدر رہ گئے، اس لئے کہ ریلوے اسٹیشن سے ہمارے وطن پہونچنے کیلئے روزانہ دو بسیں تھیں، جس دن ہمیں پہونچنا چاہیے تھا اس دن کی دونوں بسیں گہری کھائی میں اس طرح گر گئیں تھیں کہ مسافروں کا حشر تک معلوم نہ ہو سکا۔ جب ہمارے گھر والوں کو معلوم ہوا کہ آج

کی دونوں بسوں کا یہ حشر ہوا ہے تو یقین کرلیا کہ اب ہمارے بچے تو کبھی ملیں گے نہیں۔ اعزہ واحباب جمع ہوکر ایکدوسرے کو پُرسہ دے رہے تھے۔ لیکن چونکہ ہم لوگ اگلے دن نکلے تھے الحمدللہ بعافیت گھر پہونچے اور جب ہم نے سارا ماجرا سنایا تو گھر والوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کیلئے بڑی دعائیں دیں۔ اب اسکو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے؟

● ایک طالب علم دوسری ریاست کا لاکر شریک کروایا گیا، جب اس کے والدین چلے گئے تو یہ بھی اچانک مدرسہ سے نکل کر غائب ہوگیا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع ہوئی، سائیکل سواروں کو مختلف راستوں پر بس اسٹانڈ اور ریلوے اسٹیشن ہر جگہ روانہ کیا گیا۔ مگر وہ کہیں نہ مل سکا، ظہر بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا قیلولہ کا معمول تھا، اسی اثناء میں حضرت باہر تشریف لائے اور فرمایا: ارے بھئی! کسی کو فوری اسٹیشن بھیجو کہ بریلی سے آنیوالی گاڑی میں اس لڑکے کو تلاش کریں، سب کو بظاہر تعجب ہوا کہ ہردوئی کی طرف آنیوالی گاڑی میں وہ کیسے ملے گا؟ لیکن حسبُ الحکم کسی کو بھیجا گیا، گاڑی جب اسٹیشن پر رکی تو وہ لڑکا بالکل سامنے والے ڈبّے میں بیٹھا ہوا مل گیا۔ لانے کے بعد اس سے پوچھا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ بجائے لکھنؤ کے بریلی کی گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔ وہاں پہونچنے پر معلوم ہوا وہ ایک دوسری ٹرین سے لکھنؤ کی جانب چل پڑا۔ اب خدا معلوم حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو کس طرح علم ہوا کہ وہ خلافِ معمول اس وقت باہر تشریف لائے اور آدمی کو بھیج کر اسے بلوایا۔ لطیفہ مُنامیہ ہوگا یا مکاشفہ غیبیہ۔ بہرحال اپنی زندگی میں اس طرح کی بہت سی باتیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ میں، میں نے دیکھیں۔ دوسروں کے پاس بھی اس قسم کے تجربات کا بڑا ذخیرہ ہوگا۔

● جس زمانے میں اشرف العلوم کے دارالاقامہ کی تعمیر چل رہی تھی، میری درخواست پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ وہاں تشریف لائے، اس وقت تک صرف دیواریں بنی ہوئی تھیں، اس میں کھڑکیوں کے لئے جگہ چھوڑی ہوئی تھی، پوچھا کہ یہاں کیا لگے گا؟ انجینئر صاحب نے بتلایا کہ کھڑکیاں لگیں گی، فوراً فرمایا تعجب ہے کھلی جگہ ہے، ہوائیں تیز چلتی ہیں، اتنی بڑی کھڑکیاں لگیں گی؟ دیکھ لیں بھئی! کہیں ہوا کے دباؤ سے ٹینیں اڑ نہ جائیں"..... انجینئر صاحب کو کچھ اشکال نہ تھا بلکہ وہ اس کی ضرورت سمجھتے تھے، اسی طرح کام مکمل ہوا، اللہ کا کرنا ایک سال بھی

نہیں گذرنے پایا کہ ایک دن تیز ہوا چلی اور ہوا کے دباؤ سے پورا شیڈ اُڑ کر صحن میں آ گرا۔ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہوا حضرت والا کی دعائیں ساتھ تھیں یہ حادثہ ایسے وقت پیش آیا جب کہ تمام طلبہ نمازِ عصر کیلئے مسجد میں تھے، اگر ذرا قبل یا بعد میں پیش آتا تو نہ جانے کتنے طلبہ جاں بحق اور کتنے زخمی ہو جاتے، آج بھی اس منظر کو سوچ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ گہری سوچ اور عجیب بصیرت تھی حضرت والا کی۔

● والد صاحب کی طبیعت ناساز تھی، ڈاکٹروں نے ہرنیا کا آپریشن تجویز کیا ہوا تھا؟ درد شکم کی تاب نہ لا کر تڑپ رہے تھے، اسی اثناء میں حضرت والا کی حیدرآباد تشریف آوری ہوئی، حضرت عیادت کا بڑا اہتمام فرماتے تھے، ضروریات سے فارغ ہوتے ہی عیادت کیلئے ہمارے مکان پہونچے، مسنون دعا پڑھی، پانی پر دم کر کے پلوایا اور شفاء کی امید ظاہر کی، اس کے بعد حسبِ تجویز آپریشن کیلئے دواخانہ پہونچایا گیا وہاں دوبارہ ایکسرے معائنے ہوئے تو اس خطرہ کا کہیں اثر نہ پایا گیا، ڈاکٹرز جو آپریشن کیلئے بتا رہے تھے وہ سابقہ ایکسرے کو اور اس ایکسرے کو دیکھتے، رپورٹس پڑھتے اور ایک دوسرے کو تعجب سے دیکھتے تھے، بالآخر انہوں نے کہا کہ آپریشن کی قطعی ضرورت نہیں، معمولی دوائیں لکھ کر ڈسچارج کر دیا، اور بفضلہٖ تعالیٰ حضرت والا کی دعا و توجہ کی برکت سے عمر بھر اس کی ضرورت نہیں پڑی۔

## وسعتِ قلبی

حضرت رحمۃ اللہ علیہ جامد ذہن و متعصب فکر نہیں رکھتے تھے، کشادہ دل و فراخ ذہن تھے، مشربِ شیخ پر تصلّب کے باوجود دیگر اہل حق کے بارے میں تعصب بالکل نہ تھا، بلکہ بارہا ایک دوسرے کے کام کی قدردانی کرنے اور ایک دوسرے کو رفیق سمجھنے فریق نہ سمجھنے کی ترغیب دیا کرتے تھے، کوئی بھی اچھا کام کرتا تو اعتراف و پذیرائی ہی نہیں شاباشی و ہمت افزائی بھی فرماتے تھے۔ اکثر امام عبدالوہاب شعرانیؒ کے حوالہ سے فرمایا کرتے تھے کہ دینی خدام اپنے اخلاص کو پرکھتے بھی رہا کریں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ جو کام ہم کر رہے ہیں وہ کام کوئی اور بھی کرنے لگے تو دیکھیں کہ ہمیں خوشی ہوتی ہے کہ چلو بڑی ذمہ داری تھی کوئی اور بھی ہمارا رفیق ہو گیا، مدد ملے گی۔ یا رنج ہوتا ہے کہ ہم پہلے سے کر رہے تھے یہ صاحب بھی

اُتر گئے، اب چندہ منقسم ہوجائے گا، یا مقبولیت گھٹ جائے گی وغیرہ۔ خوشی ہوتی ہے تو اخلاص ہے رنج ہوتا ہے تو عدم اخلاص ہے۔ مثال سے سمجھایا کرتے تھے کہ اگر چند لوگ جنازہ لے کر جارہے ہوں اور جنازہ بہت بھاری ہو، راستے میں کچھ لوگ آکر ملتے رہیں اور کندھا دیکر قبرستان پہونچانے میں مدد کریں تو اس سے اس جنازہ لے جانے والوں کو خوشی ہوتی ہے کہ ان بھائیوں کی شرکت سے کام آسان ہوگیا، انہیں تکلیف اور رنج نہیں ہوتا کہ جنازہ ہم لیجارہے تھے یہ لوگ بیچ میں کیوں شریک ہوگئے؟ بلکہ تدفین کے بعد ان کا شکریہ بھی ادا کرتے ہیں کہ آپ حضرات کی شرکت سے ہم کو بڑی سہولت ہوئی، اللہ جزائے خیر دے وغیرہ۔ پس اسی طرح خدام دین کو چاہیے کہ دیگر خدام دین کو اپنا محسن ومعاون مان کر ان کی قدر کریں بلکہ شکر گذار رہیں۔

اکثر فرماتے تھے کہ دین کے سب شعبے زندہ ہوجائیں یہ سب کی فکر ہونی چاہیے، جس کام سے مناسبت ہو اس میں اگر چہ لگے رہو مگر دین کے دوسرے شعبوں میں کام کرنے والوں سے بھی محبت رکھو، جو تعاون ہوسکے کرو، سب کے لئے دعا کرو۔

فرماتے تھے کہ تبلیغ، تعلیم اور تزکیہ تینوں کام ضروری ہیں، سب ایک دوسرے کیلئے ایسے ہی ہیں جیسے محکمۂ ریلوے کے لوگ ہوتے ہیں، ڈرائیور اپنا کام کرتا ہے، گارڈ اپنا کام کرتا ہے، لائن مین اپنا کام کرتا ہے، تب جاکر ریل منزل پر سلامتی سے پہونچتی ہے، کوئی نہیں کہتا کہ یہ سب لوگ ایک ہی کام میں لگ جائیں۔

کبھی فرماتے دین کے تمام شعبے ریلوے کے علاقوں کی طرح ہے تقسیم کار کے اعتبار سے شمالی، جنوبی، NR، SR وغیرہ کہلاتے ہیں۔ مگر ہوتے سب ایک ہیں، ان میں کام کرنے والے سب ریلوے کے ملازم ہیں، تقسیم کار کی وجہ سے انہیں الگ نام دیا گیا ہے مگر ان سب کو ریلوے ہی کا ملازم مانا جاتا ہے وغیرہ۔

● ایک دفعہ پربھنی میں حضرت مولانا معین القاسمی صاحب خلیفہ حضرت حکیم الاسلامؒ نے دریافت کیا کہ حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ اور حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کے کام میں کیا فرق ہے؟ حضرتؒ نے تھوڑی دیر سکوت کیا، پھر فرمایا مولانا تھانویؒ کے مزاج میں

غلبۂ غیرت تھا، چاہتے تھے کہ خواہ چند ہی آدمی بنیں مگر کامل بنیں، مولانا الیاس صاحبؒ کے مزاج میں غلبۂ شفقت تھا کہ چاہے تھوڑا ہی دین سیکھیں مگر سب سیکھیں۔ پھر فرمایا غلبۂ غیرت کا ثمرہ اصلاح تام کی صورت میں ظاہر ہوا اور غلبۂ شفقت کا نتیجہ اصلاح عام کی شکل میں سامنے آیا۔

یہ حضرت والا ہی کی ذکاوت تھی کہ جس بات کو لوگ بحث ومباحثہ اور تقابل وتفاضل کی مبالغہ آرائیوں کے ذریعہ فتنہ بنا لیتے ہیں اور خواہ مخواہ حدود سے تجاوز اور سوءِ ادب کے شکار ہوجاتے ہیں بلکہ بعض دفعہ تو ایسی ہی بحثوں سے باہمی نفرت اور کینے تک پہونچ جاتے ہیں حضرت والا نے اسی بات کو ایسی توضیح وتاویل میں حل فرمادیا کہ نہ تقابل ہوا نہ تفاضل، نہ توہین وبے ادبی کی صورت ہوئی بلکہ دونوں کا کمال معلوم ہوا۔ یہ حضرت والا کے قلب میں دوسروں کے کام کے مخلصانہ احترام واعتراف موجود ہونے کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے؟

● اسی طرح ایک بیرون ملکی سفر سے واپسی پر فرمایا: جس جگہ میرا قیام تھا وہاں کی مسجد کے امام عرب تھے اور وہ تبلیغی جماعت کو غلط سمجھتے اور اس کی مخالفت کرتے تھے، میری حاضری ہوئی تو وہ مجھ سے مانوس ومتأثر ہوئے، انہوں نے مجھ سے سوال کیا کہ ہندوستان سے تبلیغی جماعت کے نام سے جو لوگ آتے ہیں ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ ان میں یہ یہ کوتاہیاں پائی جاتی ہیں جس کی وجہ سے مجھے ان پر اعتماد نہیں ہے۔ میں نے فوراً صفائی کی اور کہا کہ "یہ جماعت ہمارے اکابر کی جماعت ہے اور اس کام سے دین کی بڑی خدمت ہورہی ہے، کوتاہیوں اور غلطیوں کی وجہ سے پورے کام کی نفی نہیں کرنی چاہیے" حضرت والا نے فرمایا کہ "میری اس صراحت کے بعد ان کی غلط فہمی دور ہوئی اور انہوں نے آئندہ تعاون کرنے کا وعدہ کیا" حالانکہ حضرت کو بھی کارکنانِ جماعت کے غلو اور جمود سے سخت اختلاف تھا مگر چونکہ یہ اختلاف اخلاص پر مبنی اور حد شرعی میں محدود تھا اس لئے شکایت کے موقعہ پر حکمت وہمدردی کے ساتھ شکایت فرماتے تھے اور حمایت کے موقع پر مکمل حمایت فرماتے تھے۔

● اسی طرح حضرت والا کا مزاج یہ تھا کہ اہل حق میں کسی سے کتنا ہی شدید اختلاف ہو

بحیثیتِ مجموعی نکیر فرماتے تھے، نامزد کر کے ذکر نہیں فرماتے تھے اور نہ ہی اپنے لوگوں کو اس اختلاف کے استحصال کا موقعہ دیتے تھے، علماء کے اقوال واعمال میں تاویل وتوجیہ کی گنجائش رکھتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے ایک علاقے کے بعض علماء کے جمود کا تذکرہ کیا کہ کام کی سخت ضرورت ہے باطل خوب کام کر رہا ہے لیکن ہمارے علماء ہیں کہ نہ خود کچھ کر رہے ہیں اور نہ ہی کرنا چاہنے والوں کی ہمت افزائی و پشت پناہی کو تیار ہیں، اس سے بڑا افسوس اور بہت کوفت ہوتی ہے۔ حضرت والاؒ نے جواباً تحریر فرمایا "متعدد جگہوں پر ایسا ہی حال ہے، پرواہ نہ کی جائے، کچھ اعذار خاص بھی ہوتے ہیں بہر حال جتنا ہو سکے کام کرتے رہیں"۔ پھر جب عشاء بعد خدمت میں حاضر ہوا تو آنکھ بند کر کے لیٹے ہوئے تھے، آنکھ کھولی تو مجھے قریب میں موجود دیکھ کر فرمانے لگے: "جو حالات تم نے لکھے اور بھی جگہوں سے ایسی اطلاعات ہیں، بعض تو بڑے لوگ ہیں ان سے ایسی توقع نہ تھی مگر حالات ایسے ہی ہیں، پھر بھی علماء سے بدگمانی کبھی نہیں کرنی چاہیے، حسنِ توجیہ کا معاملہ رکھو، ہوسکتا ہے کہ ہمت نہ ہو، ہوسکتا ہے کہ انہیں ان منکرات کا علم نہ ہو، ہوسکتا ہے کہ ان کے نزدیک نکیر مناسب نہ ہو، ہوسکتا ہے کہ ان کی تحقیق کچھ اور ہو وغیرہ"۔ حاصل یہ ہیکہ حضرت والا نے ان کی اس حالت پر تعجب بھی فرمایا، ناپسند بھی کیا مگر چونکہ یہ علماءِ اہل حق تھے ان پر نکیر کا کوئی لفظ بھی گوارا نہ فرمایا نہ تحریر میں نہ تقریر میں، بلکہ الٹا توجیہات وامکانات کے متعدد راستے دکھائے۔

● دار العلوم ندوۃ العلماء پر پولیس نے چھاپہ مارا تو حضرت تڑپ گئے اور فوراً حضرت مولانا علی میاںؒ کو ہمدردی وحمایت پر مشتمل خط لکھوایا، حضرت مولانا علی میاںؒ کا انتقال ہو گیا تو باوجود اعذار کے وقفے وقفے سے کئی مرتبہ ندوہ تشریف لے گئے تاکہ پسماندگان کو ہمت وتقویت حاصل رہے۔ غائبانہ بھی حضرت مولانا علی میاںؒ کا بہت ہی احترام سے ذکر فرماتے تھے بلکہ ان سے متعلق لوگوں کی بھی عزت افزائی فرماتے تھے، مسلک کا تو نہیں مشرب ومزاج کا اختلاف تھا اس کے مدنظر بعض دفعہ کوئی ایسی خبر لاتا جو مولاناؒ کی شان کے خلاف ہوتی تو حضرتؒ ناقل کی یا تو کسر جرأت کرتے یا پھر بہتر توجیہ فرماتے تھے۔

● میں نے تعلیم کے دوران جزوی طور پر اشرف العلوم کا قیام عمل میں لایا تھا، منشاء کسی باقاعدہ مدرسہ کا قیام نہ تھا، جز وقتی مکاتب اور رفاہی خدمات مدنظر تھیں، مگر اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ اس کا تعلیمی شعبہ ہی زیادہ مستحکم ہوگیا، طلبہ کا رجحان اور رجوع رہا اور وہ دوسرے تیسرے سال ایک مستقل مدرسہ کی شکل اختیار کر گیا، اس اثناء میں جو طلبہ پڑھتے رہے ان میں سے دو طلبہ نے چوتھے سال حفظ مکمل کر لیا اگلے سال چار پھر بارہ طلبہ نے حفظ کی تکمیل کی تو میں نے حضرت والا کو مدرسہ کے قیام کی اطلاع اور حفاظ طلبہ کے لئے دعاؤں کی گذارش پر مشتمل خط لکھا، جواب میں حضرت والا نے ارقام فرمایا:

"عزیزم سلمہ زید رشدہ وفضلہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

سب طلبہ کے لئے دعا کرتا ہوں، تعجب ہے کہ تم نے اب تک مجھے مطلع نہ کیا اور نہ کبھی چل کر دیکھنے کو کہا، اب وہاں آنے پر یاد دہانی کراؤ۔ والسلام"

چنانچہ اگلی حاضری پر میں نے درخواست پیش کی، قبول فرما کر تشریف لائے، درجات کا معائنہ کیا، طلبہ سے کلام پاک سنا، اساتذہ کا امتحان لیا، کچھ نصیحت اور دعا فرما کر واپس تشریف لے گئے، جب احقر قیام گاہ پر پہونچا تو لیٹ گئے تھے، فرمانے لگے ناظم صاحب کا تو سنا ہی نہیں گیا، حاجی عبدالرحمن صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا: ان سے بھی سنا جائے، عرض کیا، حکم فرمائے! ارشاد ہوا: سورۃ التکویر سناؤ، وہیں بیٹھ کر پڑھنا شروع کیا تو فرمایا: نیچے بیٹھ گئے، تعجب ہے، چارپائی پر بیٹھ کر پڑھو۔ (حضرت والا قرآن مجید سنانے والا خواہ کوئی ہو اسے اپنے سے نیچے بیٹھنے نہیں دیتے تھے) بہرحال سورۃ التکویر مکمل سنائی، سنتے رہے، پھر مولوی عبدالرحمن صاحب کی طرف دیکھ کر فرمایا "ماشاء اللہ فرسٹ ڈیویژن ہے" —— یاد رہے کہ حضرت والا بلاضرورت انگریزی الفاظ استعمال نہ خود فرماتے تھے نہ دیگر مولویوں کی زبان سے پسند فرماتے تھے مگر ان دنوں یہ لفظ کچھ عرصہ تک حضرت کی زبان زد تھا —— مولوی عبدالرحمن صاحب کا بیان ہے کہ میرے جانے کے بعد حضرت نے فرمایا "اس کی

عمر ہی کیا ہے، ماشاء اللہ کام جمالیا ہے" مدرسہ جب تشریف لائے تھے تو ایک دو درجات مسجد میں لگ رہے تھے، حضرت نے اس پر نکیر فرمائی، جگہ کی تنگی کا علم ہوا تو علاحدہ بلا کر تین ہزار روپئے دئے اور فرمایا مدرسہ ہی کے اوپر ایک اور منزل بنالی جائے، حضرت والا کے اس تعاون میں ایسی عظیم برکت ہوئی کہ پوری جگہ پر شیڈ کا انتظام ہوا اور سب درجات مسجد سے اس میں منتقل کر لئے گئے۔

● بیماری سے کچھ افاقہ ہوا تو حضرتؒ بمبئی سے حیدرآباد تشریف لائے احقر حج میں تھا، قیام ہمیشہ کے برخلاف بجائے مدرسہ فیض العلوم کے شہر میں کسی اور جگہ پر تھا، مناسب موقعہ سے اپنے مدارس کا دورہ فرمایا، اشرف العلوم کے ایک ذمہ دار نے میری طرف سے درخواست کی کہ اشرف العلوم بھی قدم رنجہ فرمائیں، یہ کہہ کر فوراً قبول فرمالیا کہ "وہ حج میں ہے مگر میں جاؤں گا"..... اور تشریف لا کر دعا فرمائی، بقرعید کے موقعہ سے حضرت والاؒ نے اپنی اور اپنے اہل خانہ کی جانب سے قربانیاں کروائیں تو ان کا گوشت خشک کروا کے مدرسہ فیض العلوم اور اشرف العلوم کو عطا فرمایا کہ جب طلبہ آجائیں تو انہیں کھلایا جائے۔

## وسعتِ فکر ونظر

حضرت رحمۃ اللہ علیہ جہاں خالص دینی واصلاحی رنگ کے آدمی تھے وہیں ہر مخلص اللہ والے کی طرح ملک وملت کے دیگر کاموں اور میدانوں میں کام کرنے والوں کے قدرداں تھے، ان کے کاموں کی پذیرائی اور اعتراف میں حضرت کو کوئی بخل نہ تھا، اپنے لئے اور اپنے متعلقین کے لئے گو حضرت کوئی سا رنگ پسند فرماتے ہوں مگر جب ان کے سامنے کسی اور میدان سے وابستہ شخصیت کا تذکرہ ہوتا یا وہ خود ملنے کے لئے آجاتے تو نہ صرف یہ کہ خندہ پیشانی وکشادہ جبینی کے ساتھ خیر مقدم فرماتے بلکہ ان کی راحت وآرام کا انتظام اور شخصی نگرانی بھی فرماتے، اگر وہ ملت کے لئے کئے گئے اپنے کارنامے سناتے تو اہتمام سے سنتے اور خوش نودی کا اظہار فرماتے، انہیں ہدیہ دیتے دعاؤں سے نوازتے، اگر وہ امت کی کوئی تکلیف دہ صورتحال سناتے تو غمگین ہوتے بہت ہی رنج وقلق کا اظہار کرتے ہوئے دردانگیز لہجے میں دعا فرماتے

تھے۔یعنی دین کی اور قوم کی بقیہ خدمتوں کی ان کے ہاں نفی تو کیا ہوتی ان خدمتوں اور ان کے کرنے والوں کی قدر ہوتی تھی، خلافِ شرع کو تو بے شک وہ کبھی گوارا نہیں کر سکتے تھے مگر کاموں کی اہمیت سے بے خبر بھی نہ تھے۔ پرسنل لا بورڈ ہو کہ جمعیۃ علماء، سماجی وسیاسی کام ہوں کہ رفاہی ودفاعی خدمات، دعوت الی الایمان کی کوششیں ہوں کہ دعوت الی اعمال الایمان کا معروف کام! حضرت والا کو سب کی فکریں لگی رہتی تھیں اور سب کے حق میں دعا گو رہا کرتے تھے، کسی بھی اچھے کام کی اور کسی مسلمان کے بھلے کی اطلاع ملتی تو بے انتہا خوش ہوتے تھے۔

ایک داعی ممبئی میں حضرت کی عیادت کیلئے پہونچے جو غیر مسلموں میں دعوتِ دین کا کام کرتے ہیں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے قیام کا، طعام کا انتظام خود کروایا، فریش ہونے کے باوجود وہیل چیر پر بیٹھ کر ان کے کمرہ تک گئے کہ خدام نے راحت میں کوئی کمی تو نہیں کی، واپسی کے وقت معتد بہ رقم اپنے جیب خاص سے عطا کی۔

جمعیۃ کے ہمارے ریاستی صدر حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لئے آئے تو انہوں نے ایک سیلاب سے متاثرہ علاقے کے احوال بتلاتے ہوئے جمعیۃ کی ریلیف کا بھی تذکرہ کیا، حضرت بہت ہی مغموم ومحزون ہوئے، پھر جب وہ جانے لگے تو اپنے پاس سے پانچ ہزار روپئے کا ان کاموں میں تعاون فرمایا۔

حضرت مولانا علی میاں رحمہ اللہ کے متعلقین کا بہت ہی اکرام فرماتے تھے، نیز ندوہ کے اچھے بُرے کی فکر ویسی ہی فرماتے تھے جیسی دار العلوم اور مظاہر علوم کے مدرسوں کی فرمایا کرتے تھے، چنانچہ ان سب ہی جگہوں پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بڑی عزت اور اونچا مقام تسلیم کیا جاتا تھا۔

یہ عاجز اور مولانا امیر اللہ خان صاحب مدظلہ ایک دفعہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، مقصد یہ تھا کہ ایک انگلش میڈیم اسکول اسلامی نقطۂ نظر سے قائم کرنے کی اجازت حاصل کی جائے، اپنا منصوبہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مکمل لکھ کر پیش کر دیا، ڈر یہ تھا کہ حضرت کو انگریزی الفاظ کا استعمال تک پسند نہیں انگلش میڈیم اسکول کی کیا تائید فرمائیں گے؟

مگر ہماری تحریر پر حضرت والاؒ نے جواب لکھا: ''مسرت ہوئی، بہت ضروری کام ہے، بارک اللہ تعالیٰ و تقبل اللہ تعالیٰ''

## رقتِ قلبی

حضرت والا مزاجاً وطبعاً بہت ہی رقیق القلب اور سریع التأثر تھے، مگر طبیعت پر عقل وانتظام کا غلبہ رہتا تھا، اسی طرح طبیعت میں عشق ووارفتگی بھی تھی۔ بقول حضرت مولانا حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کہ میرا شیخ عاشق مزاج ہے مگر حسنِ انتظام اس پر غالب ہے لوگ خشک مزاج سمجھتے ہیں مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔

واقعہ بھی یہی ہے کہ بارہا اس کا تجربہ ہوا، کسی بھی مسلمان کی تکلیف سن نہیں پاتے تھے، چہرہ متغیر ہوجاتا، آنکھوں میں آنسو آجاتے، بعض دفعہ خطوط پڑھتے ہوئے بھی یہی کیفیت ہوجاتی تھی۔ اواخر ایام میں ایک دفعہ فرمانے لگے، جو فون آتا ہے کوئی تکلیف دہ خبر لے کر آتا ہے جو آدمی ملتا ہے کوئی پریشانی ہی ظاہر کرتا ہے، سوچتا ہوں میں اس کی کیا مدد کرسکتا ہوں، دل ودماغ پر اثر رہتا ہے ایسی حالت میں اب میری صحت سنبھلے تو کیسے سنبھلے؟

● والد ماجدؒ کے احوال میں تفصیل سے لکھ چکا ہوں کہ جب میں نے ان کی اس تشویش کا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ذکر کیا کہ ''کام کے زمانے میں نہ معلوم حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو میری طرف سے کتنی تکلیفیں پہونچی ہونگی'' تو یہ سن کر حضرت بے چین ہوئے، آنکھوں سے آنسو پونچھتے ہوئے فرمایا: ''انتظامی ضرورت سے ڈانٹ ڈپٹ کرتا ہوں ورنہ میرے دل میں تو کچھ نہیں رہتا''۔

● ہمارے بچپن میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ عصر بعد کی مجلس میں ''نزہۃ البساتین'' نامی ایک کتاب سناتے تھے جس میں اہل اللہ کے واقعات ہوا کرتے تھے، بعض بعض واقعات تو گریہ کی وجہ سے سنا نہیں پاتے تھے دونوں آنکھوں سے آنسو ڈھلکتے رہتے تھے۔ عام بیانات میں بھی لڑکیوں پر مظالم، شادی بیاہ میں تاخیر وغیرہ کا ذکر نکلتا تو آواز گلوگیر ہوجاتی، آنکھیں اشکبار ہوجاتی تھیں۔

● ایک دفعہ حضرت امی جان صاحبہؒ کے حکم سے حضرت کے کمرہ کی صفائی کررہا تھا،

ایک نئی قالین بہت دن سے چارپائی کے نیچے رکھی ہوئی تھی، جب اسے نکال کر صفائی کرنے کے لئے کھولا تو اس میں سے چوہے کے چھوٹے چھوٹے بچے نکلے، چوہیا بھاگ کر دور چلی گئی مگر وہ بے چینی سے پکار رہی تھی، میں انہیں مارنے کے لئے کوئی چیز ڈھونڈ رہا تھا کہ حضرت تشریف لے آئے، مجھے وہ منظر خوب یاد ہے کہ حضرت کو چوہیا کے ان بچوں کا مارنا گوارا نہیں ہو رہا تھا حالانکہ اس نے قیمتی قالین کھا کھا کر جگہ جگہ سے خراب کر دی تھی، حضرت نے پہلے تو فرمایا "ارے یہ کیا کر رہے ہو؟" پھر پلٹ کر باہر چلے گئے میں نے اپنا کام کر لیا۔ ایسے بہت سے واقعات حضرت کے خود دیکھے اور بڑوں سے سُنے، یہ تو آپ نے بہت لوگوں سے سنا ہوگا کہ حضرت ایک جگہ وضو فرمانے کے لئے بیٹھے وہاں چیونٹیاں نظر آئیں تو یہ فرما کر اٹھ گئے کہ کہیں پانی کے بہاؤ سے یہ ایک دوسرے سے بچھڑ نہ جائیں، چیونٹیوں کی حساسیت تو خود قرآن کریم سے ثابت ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا احساس وشفقت قابلِ عبرت ہے۔

## غیرتِ قومی

حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ اہل دین اور اہلِ علم کا اپنی تہذیب کو چھوڑ کر جدید فیشن کو اور بدلتی ہوئی تہذیب کو اختیار کرنا بالکل پسند نہیں فرماتے تھے، خصوصاً علماء اگر روزمرہ کی بول چال میں بلاضرورت انگریزی الفاظ استعمال کرتے تو فوراً ٹوکتے تھے، اصلاً حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس کو اپنی تہذیب کی ناقدری اور غیرت کی خلاف ورزی سمجھتے تھے۔

● ایک دفعہ گجرات سے کچھ نوفارغ علماء ملاقات کے لئے آئے ہوئے تھے، عصر بعد ان لوگوں کو چاء پر طلب فرمایا، ایک عالم صاحب دیر سے پہونچے، ان سے پوچھا کہاں چلے گئے تھے؟ انہوں نے کہا گیٹ پر ہی کھڑا تھا، فوراً فرمایا "اچھا کس کالج میں پڑھ کر آئے ہو؟ تم کو پھاٹک کہنا نہیں آتا؟" میں نے بارہا محسوس کیا کہ یہ غیرت حضرت کو انگریزی تعلیم یافتہ طبقے پر نہیں آتی تھی کہ انہوں نے تعلیم ہی وہ حاصل کی ہے البتہ اہل مدارس اور علماء سے ایسی باتوں کو گوارا نہیں فرماتے تھے، اس کو غیرت کے خلاف سمجھتے تھے۔

● میں نے حضرت حکیم اختر صاحب مدظلہٗ کے اشارہ وایماء پر کتابوں کی تجارت

شروع کی تھی، دوکان کا نام "ابرار بک ڈپو" رکھا، اس کا کوئی مطبوعہ رسالہ حضرت کے ہاتھ لگا، فوراً مراسلہ لکھوا کر جواب طلب فرمایا کہ اس مکتبہ میں کس کے نام کی نسبت ہے؟ اگر میرے نام کی نسبت ہے تو یا تو بک ڈپو بدل کر مکتبہ لکھا جائے یا میرا نام بدل کر کسی اور کا لکھ لیا جائے۔ احقر نے اس کا نام بدل کر "مکتبہ فیض ابرار" رکھا اور اطلاع کر دی، ساتھ ہی اپنی غفلت پر معذرت خواہی بھی کی، جواب میں تحریر فرمایا کہ "مسرت ہوئی، معاف ہے دعا کرتا ہوں" یہ بھی ہدایت دی کہ "حیوۃ المسلمین" کی روح ۲۵ کا مطالعہ کریں۔ میں نے مطالعہ کیا تو واقعی اندازہ ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قومی وتہذیبی امتیاز کا کتنا لحاظ تھا، اسی کا اثر اس سچے متبع سنت کے مزاج پر پڑا تھا۔

ایک مرتبہ ہردوئی میں کوئی غیر مسلم عہدہ کے ملاقات کیلئے حاضر ہونے والے تھے، اس وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس چل رہی تھی، حضرت نے خدام سے یہ فرما کر کہ: "وہ آجائیں تو یہاں چارپائی پر بٹھادو"، خود اندر چلے گئے، پھر جب ان لوگوں کے آجانے کی اطلاع ملی تو باہر آئے، وہ شخص فوراً اٹھ کر کھڑا ہو گیا، پرتپاک استقبال کیا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بھی بٹھایا خود بھی بیٹھ گئے، وہ شخص تھوڑی دیر بات کر کے دعا لے کر چلا گیا، بعد میں حضرت نے ہم لوگوں سے فرمایا: میں وہیں بیٹھا رہتا اور وہ شخص آجاتا تو یہ آزمائش تھی کہ اُٹھ کر اکرام نہ کرتا تو بڑی بے تہذیبی سمجھی جاتی اور کرتا تو ایک عالم کا غیر مسلم کے اکرام کیلئے کھڑے ہونا مناسب نہ ہوتا، اللہ پاک نے دل میں بات ڈالی کہ اندر چلے جانا چاہئے، جب میں انکے آنے کے بعد میں آیا تو انہوں نے خود اٹھ کر ملاقات کی، اس طرح ان کی بھی توہین نہ ہوئی اور ہمارا مقام بھی متأثر نہ ہوا۔ (مفہوم کلام)

ایسے موقعوں پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی فہم وفراست تیز کام کرتی تھی، اور ایسا بین بین راستہ نکال لیتے تھے کہ کھٹک باقی نہ رہے، ایک مرتبہ فرمایا: میرا معمول ہے کہ آزمائشی موقعوں پر دل دل میں مشائخ سلسلہ کے توسل سے دعا کر لیتا ہوں اللہ پاک فوری مدد فرماتے ہیں۔

## حسنِ معاشرت

● ایک دفعہ حیدر آباد میں دستر خوان پر ایک نواب صاحب کی طرف سے "حلیم" آئی

ہوئی تھی، بمبئی کے ایک اہلِ تعلق بھی ساتھ میں کھا رہے تھے، انہیں یہ ڈش بہت اچھی لگی، وہ بار بار کہتے جاتے تھے کہ حضرت یہ بہت مزیدار ہے اور وہی کھاتے جاتے تھے، ایک آدھ مرتبہ حضرت نے "اچھا" فرمایا اور خاموش ہو گئے، مگر جب متعدد مرتبہ انہوں نے وہی نکال کے کھایا تو خفا ہو گئے اور فرمایا "آپ کی اتنی عمر ہو گئی اجتماعی طور پر کھانے کا سلیقہ نہیں آیا، اگر کوئی چیز اچھی ہے تو تم ہی سب کھا جاؤ گے؟ دسترخوان کے دوسرے بھائیوں کا کچھ خیال نہ کرو گے؟ بہت بدتمیزی کی بات ہے۔" بعد میں ان صاحب نے مجھ سے خود کہا کہ واقعی اتنی عمر ہو گئی، منہ سے دانت جھڑ گئے مگر اتنی موٹی بات بھی نہیں سیکھ سکا، میری کمزوری یہ ہے کہ کوئی چیز اچھی دکھی تو کھاتا ہی چلا جاتا ہوں اور کسی کا خیال نہیں کرتا، اگر حضرت نہ سکھائیں تو ہم یوں ہی جنگلی رہ جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تاثر ان صاحب کے ظرف اخلاص اور بزرگوں سے سچے تعلق کی بات ہے ورنہ آج کل کے مریدین کہاں اتنا تحمل کر پاتے ہیں، اسی دن بغاوت کر کے بھاگ نکلتے ہیں۔

● ایک مرتبہ ہردوئی میں حضرت والاؒ کے گھر پر متعدد مہمان تھے، دسترخوان پر شامی کباب بھی آئے، آتے ہی ایک صاحب نے دو عدد اٹھا کر اپنی پلیٹ میں رکھ لئے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھ لیا تو فرمانے لگے: جناب! آپ نے دو عدد کیسے لے لئے؟ یہی رفقاء کا حق ہے؟ آپ کو کیسے معلوم ہو گیا کہ سب کو دو دو مل سکتے ہیں۔ اگر گنجائش ایک ایک ہی کی ہو تو بعضوں کو ایک بھی نہیں ملے گی بعض دو دو کھا جائیں گے، ایسے مواقع پر دوسروں کے حق کی رعایت کرنی چاہیے، یہی اسلامی تعلیم ہے۔

● حضرت علاج کے سلسلہ میں "ابراہیم پیالس بمبئی" میں تشریف فرما تھے، قیام سب سے اوپر کی منزل میں تھا، عیادت و ملاقات کے لئے آنے والوں کا ایک سلسلہ تھا کہ صبح سے شام تک تھمنے کا نام نہ لیتا، بلڈنگ میں دیگر لوگوں کا قیام بھی تھا، مسلم بھی تھے غیر مسلم بھی تھے، لفٹ دو تھیں مگر چھوٹی تھیں، جو بلڈنگ والوں کے لئے تو کافی تھیں مگر اس بھیڑ کے اعتبار سے بالکل ناکافی! جو آتا خواہ وہ بوڑھا ہو یا جوان لفٹ ہی استعمال کرتا، اسکی گنجائش جتنی تھی اس

سے زائد افراد گھس جاتے تھے، بے چارے رہائیشی لوگ تو حضرت کی شخصیت سے واقف ہوکر خود ہی لفٹ کے بجائے زینے کا استعمال کرلے رہے تھے، کسی کسی کو شکایت بھی ہورہی تھی، خود بلڈنگ کے اُونر بھی بار بار تاکید کررہے تھے کہ متعینہ تعداد ہی میں لفٹ کا استعمال کریں مگر کوئی ماننے کو نہیں تھا، حالانکہ آنے والوں کی اکثریت علماء صلحاء اور خواص ہی کی تھی۔

بہرحال! حضرت والا کو بھی اس کی اطلاع ہوگئی حضرت نے مجلس میں بڑی تاکید سے اس طرف توجہ دلائی مگر کوئی اثر نہ ہوا، کئی دفعہ لفٹ فیل ہوگئی، جان کے لالے پڑ گئے مگر پھر وہی حال۔

حضرت والا جو چیونٹیوں کی تکلیف بھی گوارانہ فرماسکتے تھے انسانوں اور بالخصوص میزبانوں حتی کہ غیر مسلموں کو پہونچنے والی اس تکلیف دہ صورتِ حال سے مضطرب اور بے چین رہنے لگے، ایک دن تو اپنے خلیفہ حضرت عبدالرحمن صاحب کو لفٹ میں لوگوں کو لانے لے جانے پر مامور فرمایا، پھر ایک دن مشورہ کیلئے چند قریبی لوگوں کو طلب کیا، یہ عاجز بھی اس میں تھا، بڑے دردناک لہجے میں پوچھا آخر تم لوگ ایسا کیوں کررہے ہو؟ ہم لوگوں نے عرض کیا: حضرت! جب سے ہدایت ملی ہے ہم لوگ تو لفٹ استعمال ہی نہیں کررہے ہیں، زینے سے آجارہے ہیں، فرمایا اچھا! پھر دوسرے لوگ ایسا کیوں نہیں کررہے ہیں؟۔ ہم نے طبقہ اہلِ علم ـــــ طلبہ وعلماء ـــــ کی خودغرضی ونفس پرستی کی جو افسوسناک صورت اس وقت دیکھی اسکی تفصیل بے موقعہ ہے اس وقت عرض کرنا صرف یہ ہے کہ حضرت والا نے معلوم ہوا کہ واپسی کے وقت یا اس عمارت سے منتقلی کے دن تمام عمارت والوں کو چاء پانی پر مدعو کرکے بہ نفسِ نفیس معذرت خواہی فرمائی کہ ''میرے لوگوں کی وجہ سے اتنے دن تک آپ لوگوں کو زحمت ہوتی رہی، میں اس سے شرمندہ اور معذرت خواہ ہوں''..... اللہ اکبر! یہ ہے حسنِ معاشرت اہل اللہ کی۔

## ترحم وتغمم

● حکیم وصی اللہ صاحب پرنامبٹی حکیم محمد امین صاحبؒ (خلیفہ حضرت والاؒ) کے فرزند ہیں، ایک مرتبہ مجھ سے فرمانے لگے کہ جب میرے والد صاحبؒ کا انتقال ہوگیا تو گھر اور

مطب کی ذمہ داریاں میرے سر پڑ گئیں، والد کے زیر علاج جو مریض تھے وہ بھی ان کے بعد منتشر ہو گئے، میں نو فارغ اور نو آموز طبیب تھا لوگوں کو زیادہ رجحان نہ ہوا، دیکھتے دیکھتے معاشی حالت اس قدر خستہ ہوگئی کہ بیان سے باہر تھی، حضرت کے پاس جانا چاہتا تھا مگر ٹرین کا ٹکٹ خریدنے کی بھی سکت نہ رہی، ہمت ہار گیا اور تمام صورتحال پر مشتمل ایک خط حضرت کی خدمت میں لکھ کر پوسٹ کر دیا، حضرت حج کیلئے جا رہے تھے میرا خط بھی خطوط میں رکھ لیا، حرم شریف پہونچ کر جب خط پڑھا اور حالات معلوم ہوئے تو حضرت بہت متاثر ہوئے۔ جواب میں تحریر فرمایا کہ "تمہارے حالات معلوم ہو کر قلق ہوا، دعا کی توفیق ملی، ابھی طواف کر کے تمہارے لئے دعا کروں گا، انشاء اللہ اللہ تعالیٰ راستے کھولیں گے" یہ ایک مرید پر حضرت والاؒ کی شفقت کا حال ہے، حکیم صاحب کہتے ہیں بس اسی کے بعد سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رستے کھلتے چلے گئے، کہیں تو ہر دوئی تک ٹرین سے پہونچنے کی بھی سکت نہ تھی، اور کہیں چند مہینے کے بعد ہوائی جہاز کے ذریعہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کے قابل ہو گیا اس وقت سے تا ہنوز برکت ہی برکت ہے۔

● برادر محترم مفتی عبد المغنی صاحب کا بیان ہے کہ جب وہ مقامی مجلس دعوۃ الحق کے ذمہ دار بنائے گئے تھے اس وقت ان کے اور ماتحت ذمہ دار کے درمیان میں اتفاق رائے نہ ہونیکی وجہ سے کچھ شکایت ہوگئی تھی، اس مسئلہ کی یکسوئی کے لئے حضرت نے اپنے ایک معتمد نمائندہ کو مقرر فرمایا، انہوں نے مناسب یہ سمجھا کہ دونوں سے استعفیٰ لے لیا جائے اور پھر حضرت سے از سر نو تجویز کرائی جائے۔ چنانچہ مفتی صاحب نے یہ کہتے ہوئے استعفیٰ دیدیا کہ یہ ذمہ داری حضرت کی سپرد کی ہوئی تھی میں اگرچہ خود سے دستبردار اور مستعفی ہونا نہیں چاہتا تھا مگر آپ کی ہدایت پر استعفیٰ دے رہا ہوں۔ اس کے بعد انتظامات میں جو ردوبدل ہونا تھا ہو گیا۔ مفتی صاحب کا بیان ہے کہ چند دن کے بعد حضرت ہی کا اچانک فون آیا اور حضرت نے پوچھا کہ تم کو ایک کام سپرد کیا گیا تھا تو تم نے اس سے استعفیٰ کیوں دیا؟ میں نے عرض کر دیا کہ میں نے اپنی خوشی سے نہیں بلکہ فلاں صاحب کی ہدایت پر دیا ہے۔ اس پر ارشاد

ہوا تمہارے مصلح وہ ہیں یا میں ہوں؟ کون ہے تمہارا مصلح؟ عرض کیا گیا کہ حضرت والا ہی ہیں، فرمایا پھر مجھ سے پوچھا تھا؟ مشورہ لیا تھا؟ کچھ اور تنبیہ و ناراضگی ظاہر فرمائی، بات ختم ہوگئی۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے فطری طور پر ان صاحب پر غصہ آیا کہ میرے نہ چاہنے کے باوجود مجھ سے استعفیٰ حاصل کرلیا جو حضرت کی ناراضگی کا سبب ہوگیا۔ جی چاہا کہ ابھی فون کر کے ان سے شکوہ کروں مگر قبل اس کے کہ میں ان سے فون پر ربط کرتا، دوبارہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا فون آیا اور ارشاد ہوا کہ "اب تم انہیں کچھ نہ کہو، نہ کچھ پوچھو، وہ دل کے مریض ہیں کہیں اس کا اثر نہ لے لیں"۔

سبحان اللہ! کیا شان ہے تربیت بھی ہو رہی ہے تنبیہ بھی کی جا رہی ہے، ساتھ ہی ان زیر تربیت لوگوں کی تکلیف و زحمت کا لحاظ بھی کیا جا رہا ہے، آخر یہ بھی تو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیاری سنت ہے کہ حکم رب کی تعمیل میں ہاتھ کاٹنے کا حکم بھی دیا جا رہا ہے اور امتی کے ہاتھ کٹنے پر بے چینی و بے قراری کا اظہار بھی کیا جا رہا ہے۔

● ایک مرتبہ میں نے لکھا کہ صحت آج کل ناساز رہتی ہے، بعض دوستوں کی تشخیص ہے کہ سحر کا اثر ہے دعا کی درخواست ہے۔ حضرت نے جواب لکھا کہ علاج تو جسے سے کرایا جائے، وہاں نہ سمجھ میں آئے تو ہر دوئی چلے آئیں یہاں سے انتظام کر دیا جائے گا۔

اسی طرح ایک مرتبہ گردوں کے ضعف کی شکایت دعا کے سلسلہ میں لکھی تو لکھا کہ اس مرض کو معمولی نہ سمجھا جائے صحت مقدم ہے تعلیم کو موخر کیا جا سکتا ہے، اس میں کمی کر دو، تحمل کے موافق معاملہ رکھو، معالج کے مشورہ پر عمل کرو اور پرہیز کا اہتمام ضروری ہے۔

● ہمارے مدرسہ میں ایک علاقے کے نوجوان طالب علم تصحیح کرنے کے لئے آئے تھے، وہ جرائم مزاج آدمی تھے، کئی جگہوں پر رہ چکے تھے، ہر جگہ کچھ نہ کچھ کارنامہ کر کے آئے ہوئے تھے، ہمیں اطلاع نہ تھی، ان کی آمد کے بعد مدرسہ میں سرقہ کی چند واردات پیش آئیں، جس سے سب پریشان تھے، میرے غیاب میں چند اساتذہ نے راتوں میں نگرانی کر کے تفقد کیا تو یہی موصوف پکڑے گئے، چونکہ کئی دن سے حیرانی چل رہی تھی ان اساتذہ

نے ان کی اچھی خاصی پٹائی کردی، صبح میں سفر سے لوٹا، صورتحال معلوم ہوئی تو اس کی فکر کر ہی رہا تھا کہ اس کے علاقے والوں کو معلوم ہوگیا، وہ اطراف واکناف سے شہر میں اکھٹے ہوئے، اپنی یونین بنائی اور فوری طور پر پولیس کاروائی شروع کردی اور یہ طے کیا کہ مدرسہ بند کروائیں گے، چنانچہ تمام جماعتوں کے امراء اور سیاسی قائدین تک اس واقعے کو ایک افسانوی شکل میں مرتب کر کے پہونچایا گیا، جلسوں میں پمفلٹ تقسیم کئے، ملک کے تمام مراکزِ دینیہ کو یہ پمفلٹ پوسٹ کیا، اسی ضمن میں حضرت والا کو بھی فون کردیا، میں پولیس کاروائی کا سامنے کرنے میں مشغول تھا، مدرسہ پہونچا تو معلوم ہوا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا فون آیا تھا، اس زمانے میں فون کی سہولت نہ تھی، STD بوتھ جا کر حضرت کو فون ملایا تو فرمایا: ایسی اطلاع ملی ہے کیا حقیقت ہے؟ کوئی فکر کی بات تو نہیں؟ میں نے محسوس کیا کہ حضرت والا اس حادثے سے متاثر تو تھے ہی مدرسہ اور احقر کی طرف سے بھی متفکر تھے، میں نے حضرت کو بتلادیا کہ واقعہ مختصر سا ہے، وہ کوئی چھوٹا لڑکا نہیں ہے نوجوان ہے صحتمند ہے کوئی خطرہ کی بات نہیں، البتہ علاقائی تعصب بڑھتا جارہا ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تو یہ تاکید فرمائی کہ "تمام اساتذہ کو جمع کر کے اس سلسلہ میں تنبیہ کی جائے، اور تادیبِ ضربی سے روک دیا جائے" دوسرے مجھ سے فرمایا: "میں دعا کرتا ہوں اطمینان رکھیں، پریشان نہ ہوں" اور اللہ کا کرم ہے کہ حضرت والا کی دعاؤں کی بدولت ان حضرات نے جتنی اوپر سے اور جتنی سخت کاروائی کی تھی اتنی ہی طاقت سے اس کے جرائم کا بھانڈا پھوٹا، پولس کے اعلیٰ افسر کے روبرو اپنے ہاتھ سے چوری کے، بدکاری کے کئی ایک جرائم کا اعتراف تحریر کیا، اور مدرسہ کی سزا کے بارے میں وضاحت کی کہ اس سے کوئی زخم یا سخت ایذا نہیں پہونچی تھی۔ اس کے بعد ہر دو فی پہونچ کر میں نے سب مسائل کے ختم ہوجانے کی اطلاع دی اور اس لڑکے کے بھی بالکل ٹھیک اور صحتمند ہونے کا ذکر کیا تو حضرت والا مطمئن اور خوش ہوگئے۔

## حلم و بردباری

● ایک دفعہ حیدرآباد میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ کے مسائل میں گھرے ہوئے تھے اور

طبیعت پر انقباض تھا، مولانا سید حسین صاحب قاسمیؒ امام جامع مسجد گلبرگہ ملنے کیلئے آ گئے، میں نے عرض کیا تو اجازت دیدی، وہ سفید ریش اور معمر عالم تھے، انہوں نے بیٹھتے ہی گفتگو شروع کردی کہ حضرت! آپ نے مجھے پہچانا؟ میں جب جوان تھا دارالعلوم سے فارغ ہوکر آیا تھا، ہماری مسجد کی کمیٹی والوں نے تصحیح کرنے کے لئے ہردوئی بھیج دیا، میں آنے کو آ تو گیا مگر جب حضرت کی روک ٹوک جاہ وجلال دیکھا تو پریشان ہوگیا، میں سوچا کہ میں ایک عالم دین دارالعلوم دیوبند کا فارغ اور نورانی قاعدہ لے کے بچوں میں بیٹھوں؟ یہ تو نہیں ہوسکتا وغیرہ۔ مسلسل بولتے چلے گئے وہ بھی خالص دکنی لہجے اور الفاظ میں، ان کی باتوں سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ بہت مسرور ہوئے اور مسلسل ہنستے رہے، یہ اگرچہ بے وقت اور بے اصول مداخلت تھی مگر حضرت والاؒ ان کی عمر اور علم کے احترام میں گوارا فرماتے رہے، محفل کا رنگ ہی بدل گیا۔

● ایک دفعہ حیدرآباد ہی میں حضرت کے ایک خلیفہ کے داماد نے..... جو ابھی ابھی دعوت وتبلیغ کے بیرون سفر سے واپس ہوئے تھے..... عصر کی نماز کے بعد مسجد سے نکلتے ہوئے ملاقات کرکے یہی سوال چھیڑ دیا کہ آپ کے مدرسہ والے تبلیغ کا کام کیوں نہیں کرتے، سائل بالکل نوجوان تھے مگر ان کی گفتگو میں عمر اور مقام کا لحاظ تھا اور نہ ہی طالبانہ وسائلانہ انداز تھا، وہ جیسے سوچ سمجھ کر بحث کرنے اور غلطی منوانے آئے ہوں مسلسل جرح کرتے جارہے تھے، حضرت والا بہت ہی حلم وبردباری سے ان کی ہر بات کا جواب دیتے جارہے تھے، جب قیام گاہ پر پہونچے تو بات ابھی چل رہی تھی حضرت صحن ہی میں رُک کر بات کرتے رہے، کافی دیر ہوئی ہم لوگوں کو بھی بلاوجہ کی یہ بحث اچھی نہیں لگ رہی تھی اور دیر سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے قیام سے اور بے چینی ہورہی تھی، کرسی لاکر رکھی گئی لیکن ایک ہی ہونے کی وجہ سے حضرت اس پر نہیں بیٹھے، کھڑے کھڑے ہی گفتگو فرماتے رہے، ہر بات کا معقول اور واضح مثالوں سے جواب دیتے تھے، مگر ان کو نہ ماننا تھا اوٹ پٹانگ بکتے رہے، بالآخر لوگوں کو مداخلت کرکے انہیں دوسری طرف لے جانا پڑا۔

● حیدرآباد کے ایک اچھے خطیب اور قاری جو پہلے حضرت کے بیانات میں بھی شریک رہتے تھے ملاقات کی اجازت لے کر حاضر ہوئے، اندر بلائے گئے، وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے

جماعتِ اسلامی اور مودودی صاحب سے اختلاف کی وجہ دریافت کرنا چاہتے تھے، حضرت نے فرمایا "ہمارے بڑوں نے سوچ سمجھ کر اس جماعت کو صراطِ مستقیم سے منحرف قرار دیا ہے" یہ خطیب صاحب بہت ذہین اور علاقے میں مقبول تھے، اس بارے میں حضرتؒ سے کچھ کہلوانا چاہتے تھے یا پھر قائل کرانا چاہتے تھے، ہیر پھیر کے اسی سے متعلق سوالات کرتے رہے، کبھی مودودی صاحب کی علمی وفکری عظمتوں کا ذکر کرتے کبھی جماعت کے انقلابی دعوؤں کو سناتے اور کبھی عملی ودعوتی مساعی کی مثالیں دیتے مگر مجھے یاد ہے کہ پوری گفتگو میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے علاوہ کوئی جواب نہ دیا کہ بھئی! یہ کام علماء کا ہے، ہمارے بڑوں نے پوری تحقیق اور دیانت کے ساتھ اس جماعت کو "صراطِ مستقیم سے ہٹی ہوئی قرار دیا ہے، صراطِ مستقیم سے ہٹی ہوئی جماعت" کے علاوہ کچھ بولتے ہی نہ تھے، وہ بے چارے نہ کچھ کہلوا سکتے تھے نہ منوا سکتے تھے جز بز ہو گئے، اجازت لے کر واپس چلے گئے۔

● ایک دفعہ حیدر آباد کے ایک دیندار تاجر جن کے بچے ہر دوئی میں پڑھ چکے تھے، کی عیادت اور مزاج پرسی کے لئے حضرت ان کے مکان پہونچے، ہم لوگ بھی ساتھ تھے، وہ میز پر قرآن مجید رکھ کر تلاوت کر رہے تھے، حضرت بھی ایک کرسی پر بیٹھ گئے، وہ پڑھنے سے فارغ ہوئے تو قرآن مجید کو ایسے ہی بغیر جزدان آگے رکھی ہوئی کتابوں پر رکھ دیا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ قرآن مجید کی عظمتِ ظاہری کے معاملہ میں بھی بہت غیور تھے، حسبِ معمول توجہ دلائی، قرآن کریم عام کتاب نہیں وہ احکم الحاکمین اور محسنِ اعظم کا کلام ہے، اس کے ساتھ امتیازی معاملہ کرنا چاہیے، جزدان میں رکھا جائے، سب کتابوں سے علاحدہ اور ممتاز رکھا جائے، وہ صاحب ہر جماعت سے وابستہ تھے اور معلومات بھی بہت تھیں، اس نصیحت پر اپنی قابلیت دکھاتے رہے اور توجیہات کرتے رہے، حضرت نے خاموشی سے سن لیا اور صحت کے بارے میں پوچھ کے اور مسنون دعا پڑھ کے واپس ہو گئے۔

## تفہیم کا انداز

حضرت والاؒ کی ایک خاص خوبی یہ تھی کہ اکثر اپنی باتوں کو عام فہم مثالوں سے آسان

کر کے سمجھاتے تھے، مثالیں بھی ان کے ذہن میں بہت جلدی آجاتی تھیں، چند مثالیں اس صفت کی بھی پیش ہیں۔

ایک صاحب نے حضرت والا سے تنگدستی اور پریشاں حالی کی شکایت کر کے کچھ وظیفہ بتلانے کی خواہش کی، حضرتؒ نے انہیں کوئی دعا یا ذکر بتلا دیا، ایک سال بعد وہ صاحب پھر ملے تو کہنے لگے کہ آپ نے مجھے ایک ذکر بتلایا تھا وہ ایک سال سے کر رہا ہوں، اس کے علاوہ بھی اذکار و وظائف پڑھ رہا ہوں مگر مسائل حل ہوتے دکھائی نہیں دیتے ہیں، پریشانی جوں کی توں ہے، اس پر حضرتؒ نے فرمایا:- چار وظیفے رزق میں برکت کے پڑھ رہے ہیں مگر یہ بھی دیکھ لیا کہ کہیں آٹھ کام رزق میں بے برکتی کے تو نہیں ہو رہے ہیں؟ اذکار و ادعیہ کی برکت جیسے مسلم ہے معاصی و مناہی کے نتائج بھی تو یقینی ہیں۔

**مثال**: ایک موٹی رسی ہو اور چار آدمی ایک طرف کھینچ رہے ہوں اور آٹھ آدمی دوسری طرف تو بتلایئے کہ رسی کدھر جائیگی؟ ظاہر ہے کہ جدھر آٹھ ہیں ادھر جائیگی۔

ایک صاحب ایک مخصوص جماعت کے کارکن تھے، انہوں نے شکایت کی کہ آپ اور آپ کے لوگ اس کام میں حصہ نہیں لیتے حالانکہ یہ بہت ضروری کام ہے اور سب سے اہم کام ہے وغیرہ اس پر حضرتؒ نے فرمایا:

دین مقصود ہے طریق مقصود نہیں، ہاں طریق کا مشروع ہونا ضروری ہے، اور دین حاصل کرنے دیندار بننے کے مشروع طریقے متعدد ہیں، جس شخص میں دینداری پیدا ہو رہی ہو اس کو مقصود حاصل ہو رہا ہے، خواہ وہ اس کے اندر دینداری مدارس کے ذریعہ سے پیدا ہو رہی ہو، خواہ خانقاہوں کے ذریعہ، خواہ دعوت و تبلیغ کے ذریعے۔ پس معلوم ہوا کہ اصل "دین" ہے طریقہ نہیں، ہاں جس کو جس طریق سے مناسبت ہو اور سہولت زیادہ محسوس کرے وہ اس طریق کو اختیار کرے اس میں کوئی تنگی نہیں ہے۔

**مثال**: آپ کے وطن کی جامع مسجد میں تین دروازے ہیں، مثلاً عصر کی اذان ہوئی لوگ مسجد پہونچ کر جماعت میں شریک ہو گئے اور نماز پڑھ لی، ان نمازیوں میں سے بعض

لوگ مشرقی دروازے سے آئے، بعض شمالی سے، بعض جنوبی سے، اب ان سب کی نماز اور جماعت معتبر ہوگی یا پھر صرف ان لوگوں کی جو آپ کے داخل ہونے والے دروازے سے داخل ہوئے، ظاہر ہے کہ سب کی معتبر ہوگی، اسلئے کہ مقصود نماز با جماعت تھا راستہ نہیں۔

ایک مرتبہ کار میں تشریف لے جارہے تھے، اے سی چل رہا تھا پھر بھی گرمی ہو رہی تھی، ڈرائیور نے کہا کہ کوئی گلاس کھڑکی کا کھلا تو نہیں رہ گیا۔ دیکھنے پر معلوم ہوا کہ ایک طرف کا شیشہ کھلا ہوا تھا، فوراً بند کیا گیا اور کار ٹھنڈی ہونے لگی۔

فرمایا: یہی حال دل کا ہے، آدمی نیکی تو کر رہا ہے گرگناہوں سے بچنے کی فکر نہ کر رہا ہو، آنکھوں کا شیشہ کھلا رہ گیا، کانوں کا شیشہ کھلا رہ گیا تو دل میں ذکر وفکر سے جو نور پیدا ہوتا ہے وہ ظاہر ہو نہیں پاتا، اور اس کے فوائد حاصل نہیں ہوتے۔

ایک مرتبہ مسجد میں طلبہ شور کر رہے تھے تو اس پر فرمایا کہ: مسجد کا بہت احترام کرنا چاہئے، باتیں اور شور شرابہ نہیں کرنا چاہیے، ایسا کام نہ کرنا چاہئے کہ کسی کو تکلیف ہو۔

**مثال:** دیکھو فرشتے بھی مسجد میں آتے ہیں، عبادت کرتے ہیں، لیکن نہ شور کرتے ہیں نہ کسی کو کوئی تکلیف دیتے ہیں، فرشتوں کی طرح مسجد میں رہا کرو۔

فرمایا کہ آدمی اگر علم تو خوب حاصل کرے مگر عمل نہ کرے تو ایسے علم سے اسکو کیا فائدہ؟ اُلٹا یہ علم اس کے لئے حجت ہے جب تک اس علم پر خود عمل نہیں کرے گا تب تک راہِ خدا میں اس کی گاڑی چل نہیں سکتی۔

**مثال:** پٹرول ٹینکر کو دیکھو اپنی پیٹھ پر ہزاروں گیلن پٹرول لادا ہوا ہے، مگر چل نہیں رہا ہے کیوں کہ خود اس کے اندر پٹرول نہیں ہے، اسے پیٹھ پر اتنا پٹرول لادے ہوئے ہونے کے باوجود پٹرول پمپ پر جا کر اپنی ٹینکی میں پٹرول ڈلوانا پڑتا ہے۔

فرمایا: دین کے معاملہ میں اگر اپنے کوئی بڑے بزرگ بھی غلطی کر رہے ہوں تو حفظ مراتب کا لحاظ رکھتے ہوئے ادب سے نکیر کرنا چاہئے۔

**مثال:** آپ کے چچا والد استاذ وغیرہ باتیں کر رہے ہوں اور چائے میں مکھی گر گئی

چچا نے باتوں میں اس طرف توجہ نہیں کی اور آپ دیکھ رہے ہیں تو کیا آپ محض بڑے ہونیکی وجہ سے انہیں مکھی پی لینے دیں گے یا ادب سے توجہ دلائیں گے؟۔ظاہر ہے کہ توجہ دلائینگے، یہی معاملہ دین میں بھی ہونا چاہیے۔

فرمایا کہ: تلاوت کلام پاک میں معروف ومجہول کا خاص خیال رکھنا چاہئے زیر وپیش کی آواز صحیح ہونی چاہئے۔

**مثال:** زیر کی آواز جیسے انگریزی اسم لفٹ Lift کے لام میں ہے۔اور پیش کی آواز جیسے انگریزی ہندسہ ٹو Two کے ٹ میں ہے۔

فرمایا کہ: معروف ومجہول سے بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ کلام میں کوئی خاص فرق نہیں ہوتا، کم ازکم صاحبِ کلام کو تو نہج بدلنے سے تکلیف ہوگی، دیکھئے اردو میں بھی بعض الفاظ غلط بولنے سے کیسی کراہت ہوتی ہے۔

**مثال:** اگر کوئی شخص ''گوبھی'' (جوایک ترکاری ہے) کھا کر آیا ہو، پوچھنے پر اس کو معروف بولے تو کیسی کراہت ہوگی!

## حقوق العباد کی ادائیگی

مسلمانوں کے شرعی حقوق کا بڑا اہتمام تھا، مثلاً سلام میں سبقت فرماتے تھے، دوسروں کو بھی اس کی بڑی تاکید فرماتے تھے، بیمار پرسی حقِ مسلم ہے، حضرت والا میں اس کا بڑا اہتمام پایا جاتا تھا، سفر میں بھی جہاں جاتے اگر کسی اہل تعلق کے بارے میں بیماری کی اطلاع رہتی تو ان کی عیادت کو اپنے نظام میں شامل فرمالیتے تھے، بعض دفعہ تو وہاں پہونچ کر پہلا کام عیادت کا کرتے تھے اور اس سنت پر عمل کی بڑی عجیب وغریب برکات دیکھنے میں آتی تھیں۔

● حیدرآباد میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رئیس کو مدرسہ فیض العلوم کی کمیٹی میں شامل فرمایا تھا، وہ بیمار تھے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اس کی اطلاع ملی، اتفاق سے انہی دنوں حیدرآباد آنا ہوا، ریلوے اسٹیشن سے سیدھے ان ہی کے ہاں گئے، عیادت کی مسنون دعا پڑھی اور چلنے کیلئے اجازت چاہی، دوسرے لوگوں کے نکلنے کے بعد ان کو داڑھی کے سلسلہ میں بہت سوز وشفقت سے

توجہ دلائی، انہوں نے بادام تحفے میں دینے چاہے تو اپنا معمول بتلا کر کہ سفر چونکہ دین کی نسبت سے ہوتا ہے اس میں ہدایا وغیرہ سے اجتناب کرتا ہوں، قبول کرنے سے معذرت فرمادی۔ بعد میں ان رئیس صاحب سے میں نے خود سنا کہ وہ عیادت کے اس عمل سے بہت متأثر ہوئے یہ بھی کہا کہ اتنے علماء میرے پاس آتے ہیں اپنا چندہ لے جاتے ہیں مگر آج تک مجھے کسی نے داڑھی کے لئے توجہ نہیں دلائی، یہ مولانا اتنی محبت کرتے ہیں، ہمارا حق ادا کرتے ہیں ہم سے کچھ نہیں لیتے اور ہم کو دین سکھاتے ہیں۔

● حضرت کے ایک خاص خادم اور خلیفہ مجاز صوفی عبدالرحمن صاحب ہیں، ان کے والد مرحوم اہل بدعت میں سے کسی بے نمازی و بدعقیدہ شیخ کے مرید تھے، خود تو بہت پابند صوم وصلوٰۃ، شب بیدار و تہجد گذار تھے مگر عقیدت مند اسی گمراہ پیر کے تھے، ان کو اطلاع ملی کہ ان کے پیر اسی محلے میں کسی مرید کے گھر دعوت میں آنے والے ہیں، انہوں نے اس خوش فہمی میں کہ پیر صاحب بازو گلی میں آئیں گے تو مجھے دیکھنے بھی ضرور آئیں گے اپنے کمرہ کی صفائی کروائی، چونا ڈلوایا، بستر پر دے اور ہر چیز صاف ستھری کروائی، فرش دھلایا، اگر بتیاں جلوائیں اور لمحہ بہ لمحہ انتظار کرتے رہے۔ ادھر وہ دنیا کا بندہ آیا کھا پی کر چلدیا مگر ان کو نہ پوچھا، بہت شکستہ خاطر ہو گئے، چند دنوں بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ گلبرگہ آئے، صوفی صاحب کے ذریعہ ان کے والد کی بیماری کی اطلاع تو تھی ہی، اسٹیشن پر فرمایا پہلے تمہارے والد کی عیادت کرلیں، حضرت کو جب کہ ان کے عقیدہ و مسلک کے حالات بھی معلوم تھے مگر سنت کی ادائیگی اور صوفی صاحب کی دلداری مدنظر تھی، سیدھے ان کے ہاں پہونچے، مسنون طریقے پر عیادت کر کے دعا پڑھ کے فوراً آگے کے لئے چل پڑے۔ اس کے چند ہی دن بعد انکا وقتِ موعود آگیا، آخر وقت میں بیٹے کو بلا کر فرمایا: بیٹا تمہارے شیخ ہی حق پر ہیں تم گواہ رہو کہ میں ان کے طریقے اور عقیدے پر مر رہا ہوں۔ سبحان اللہ! کیا طاقت ہے سنت میں!!

اسی طرح دیگر حقوق العباد اور مالی و معاشرتی معاملات میں احکام و سنن کی غیر معمولی رعایت فرماتے تھے، اور ان امور پر ایسی گہری نظر رکھتے تھے کہ وہاں تک دوسروں کا وہم و گمان بھی نہیں پہونچ پاتا تھا۔

## خدمات

حضرت محی السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات کا احاطہ اس عاجز کے بس کی بات نہیں ہے، یہ رسالہ چونکہ شخصی تاثرات اور ذاتی معلومات پر مبنی ہے اس لئے خدمات کا بھی اپنے محدود دائرۂ علم و درک کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کچھ نہ کچھ ذکر کر رہا ہوں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات کو سہولت کے لئے چار زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) دعوۃ الحق (۲) اشرف المدارس (۳) دعوت و تبلیغ (۴) اصلاح و تربیت

دعوۃ الحق ایک مجلس ہے جس کا قیام حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے امت کی بدلتی ہوئی اور زوال پذیر صورتحال سے مغموم و محزون ہو کر ۱۳۵۸ھ میں عمل میں لایا تھا، اور اس کا مقصد مسلمانوں کی تنظیم، مسلمانوں کی تفہیم اور مسلمانوں کی تعلیم تھا۔ حضرت تھانویؒ نے اغراض و مقاصد اور طریق کار پر روشنی ڈالتے ہوئے تین مختصر سے مضمون مدلل بالنصوص لکھے، اور بڑے ہی درد کے ساتھ عوام بالخصوص اپنے متعلقین کو اس کے مطابق عمل شروع کر کے اطلاع دیتے رہنے کی ترغیب دی، چنانچہ یہ کام آپ کی حیات مبارکہ ہی میں شروع ہو گیا تھا، پھر جب سن ۱۳۶۲ھ میں آپ کا انتقال ہو گیا تو یہ درد و غم گویا حضرت محی السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کے قلب میں منتقل ہو گیا، حضرت محی السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۶۹ھ میں باقاعدہ طور پر اس مجلس ''دعوۃ الحق'' کی سرگرمیاں اپنے سر لیں اور ہردوئی میں اس کی نشأۃ ثانیہ کا سامان فرمایا پھر تا دم واپسیں اس کام کو جاری رکھا، ملک کے طول و عرض میں جگہ جگہ اس کی شاخیں قائم ہوئیں، بلکہ پاکستان اور بنگلہ دیش میں بھی دعوۃ الحق کی سرگرم خدمات کا سلسلہ شروع اور دائرہ وسیع ہوتا گیا۔

فالحمد للہ ولا فخر

دعوۃ الحق کے تحت حضرت نے جہاں اور بہت سے کام کئے قیام مدارس کی طرف بھی خصوصی توجہ فرمائی، یہ آپ کا اہم کارنامہ ہے، ہردوئی کے قصبات سے لے کر ملک کی مختلف ریاستوں میں تک دینی مدارس کا قیام آپ کے زیر انتظام ہوتا چلا گیا، وصال کے وقت سو کے قریب مدارس دعوۃ الحق سے ملحق تھے، اس کے علاوہ آپ نے ہردوئی میں ایک مرکزی

مدرسہ "اشرف المدارس" کے نام سے قائم فرمایا تھا، ماشاء اللہ اس مدرسہ کا فیض ملک و بیرون ملک دور دور تک پہونچا، پھر یہاں کے فارغین کے ذریعہ مدارس کا یہ نظام اور بھی متعدی ہوا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مدارس کی خصوصیت تعلیم کے ساتھ تربیت کا اہتمام ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ہر مدرسے میں قرآن مجید کی باتجوید تعلیم پر کافی زور دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ اچھی قرآنی تعلیم کیلئے آپ کے مدارس تمام علاقوں میں معروف ہیں نیز یہاں کے فارغین کو ہر جگہ تدریس وامامت میں ترجیح دی جاتی ہے، اور آج ہندوستان میں اگر کہا جائے کہ باتجوید تعلیم قرآن کے مدارس ومکاتب حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ ہی کا بالواسطہ یا بلاواسطہ فیضان ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

ان مدارس کی دوسری خصوصیت مسنون شب وروز کی مشق ہے، سر سے لے کے پیر تک، صبح سے لے کر شام تک عقائد، اعمال اور اخلاق میں اتباعِ سنت کی تلقین اور اس کی تربیت کا سختی سے اہتمام کیا جاتا ہے۔

دعوت وتبلیغ یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا بنیادی مشن تھا، بالخصوص منکرات پر نکیر میں خود بھی امتیازی شان کے حامل تھے اپنے متعلقین کو بھی ہمیشہ اس کی ترغیب دیتے رہتے تھے، بڑے افسوس اور درد کے ساتھ فرماتے تھے کہ آج من حیث الجماعت منکرات کے ازالہ کی فکریں نہیں ہورہی ہیں، انفراداً تو کچھ باتوفیق بندے یہ کام کررہے ہیں، مگر اجتماعاً اس کی طرف توجہ نہیں ہے جبکہ قرآن کریم نے اس کا حکم دیا ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ اکثر مواعظ کی ابتداء میں بڑی خوش الحانی سے وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ اور كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ جیسی آیات کی تلاوت فرماتے اور سارے بیان میں اس ضرورت کی تکمیل پر زور دیتے تھے، عمر بھر اس مسئلے کی طرف توجہ دلاتے رہے جس کے نتیجہ میں بے شمار علماء، متعلقین ومنتسبین کو اس کام کی عادت پڑی اور مختلف علاقوں میں رسوم ورواج کے مٹنے اور مسنون طریقوں کے وجود میں آنے کا سبب ہوا۔

اس سلسلہ میں حضرت والا کا دور شباب بڑی اہمیت وعبرت کا حامل ہے، حضرت نہایت ہی ذکی الحس اور نازک اندام تھے، متمول وخوش حال گھرانے میں پلے بڑھے تھے، اس کے

باوجود فراغت اور چند سال دیگر علاقوں میں کام کرنے کے بعد جب مستقلاً اپنے وطن ہردوئی پہونچے تو اطراف واکناف میں پھیلی بدعات، خرافات اور گھر گھر رائج رسوم ورواج سے اس قدر متأثر ہوئے کہ سب راحت وآرام اور سکون واطمینان کے اسباب کو تج کر ہر قسم کے مجاہدہ وایثار کیلئے کمر ہمت کس لی، گاؤں گاؤں پھر کر پیدل اور سیکل سوار جس طرح ممکن ہوا اور بس چلا آپ نے دعوت وتبلیغ کا کام کیا، جس کی برکات آج ہردوئی اور اس کے چہار اطراف میں بہ آسانی دیکھی جاسکتی ہیں۔

جہاں تک اصلاح وتربیت کی خدمت کا تعلق ہے تو ایک شیخِ کامل اور مرشد ومربی ہونیکی وجہ سے بلاشبہ ہزاروں مریدین حضرت سے وابستہ تھے، اور حضرت والاؒ ان کی روحانی واصلاحی خدمت کا فریضہ مسلسل انجام دیتے رہتے تھے، طلبہ مدارس کی تربیت خود کوئی معمولی کام نہ تھا مزید یہ کہ مہمانوں کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا، خاص اسی ضرورت اور غرض سے آکر مقیم رہنے والوں کی بھی کمی نہ تھی، ان سب کی نگرانی اور تزکیہ قلب وتصفیہ باطن کی فکر حضرت رحمۃ اللہ علیہ مسلسل فرماتے تھے، خطوط بھی بڑی تعداد میں آتے تھے، ان میں مدارسِ دعوۃ الحق کے مسائل کے علاوہ مریدین کے خطوط کی بھی معتد بہ تعداد ہوتی تھی، جن میں تصوف وطریقت اور احسان وسلوک کے طالبوں کی جانب سے مختلف ومتنوع احوال وکوائف اور ان سے متعلق سوالات کا انبار ہوتا، حضرت والا ان گتھیوں کو سلجھانے اور مسائل کو حل کرنے نیز تعلق مع اللہ وتقرب الی اللہ کی راہیں دکھانے میں عمر بھر مصروف رہے جو بجائے خود ایک زبردست کارنامہ ہے۔

## باقیات الصالحات

حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ کی باقیات سے مراد ہیں وہ اسبابِ استفادہ اور فیوضِ جاریہ جو ان کی نسبت سے ان کے وصال کے بعد امت میں باقی ہیں۔

(۱) حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خویش اور جانشین حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب مدظلہ العالی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی وارث اور جانشین ہیں، حضرت حکیم صاحب مدظلہ اگرچہ رشتے میں حضرت کے داماد ہیں مگر دیکھا جائے تو کالولد ہیں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر اپنے ۲۸ رسالہ جوان بیٹے کی مسلسل بیماریوں کے بعد

ان کے انتقال نے جو کمر توڑ بارِ غم ڈالا تھا، حضرت حکیم صاحب کی سعادت مندانہ خدمت و وفا نے اس غم کو غلط کیا، حضرت کی یاس کو آس سے اور غم کو خوشی سے بدل دیا، حکیم صاحب مدظلہ خود بھی ایک ولی کامل حضرت حکیم افہام اللہ صاحب رحمہ اللہ کے فرزند ہیں، اس کے علاوہ متعدد اہل اللہ کے منظورِ نظر اور محبوب قلب و ذہن ہیں، حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ کئی بزرگوں سے اجازت و خلافت رکھتے ہیں، چشتیت و نقشبندیت کا مجمع البحرین ہیں، اس وقت ہندوستان اور بیرونِ ہند بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فکر و غم کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا کر افادہ و افاضہ کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں، بہت علماء و صلحاء نیز حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے متعلقین کا ایک بڑا حصہ حضرت حکیم صاحب مدظلہ سے وابستہ ہے، دار العلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کے رکنِ شوریٰ و سرپرست ہونے کی حیثیت سے حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض و برکات آپ کے ذریعہ ان مراکزِ علم و فن پر بھی اثر انداز ہیں۔ وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ

(۲) وہ تمام مدارس جو دعوۃ الحق کے زیر انتظام چل رہے ہیں، وہ سب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا فیض جاری ہیں، نیز ان مدارس بالخصوص مدرسہ اشرف المدارس سے نکلنے والے طلبہ کرام جو آج دنیا بھر میں جانے کہاں کہاں پھیلے ہوئے ہیں وہ سب کسی نہ کسی طرح قرآن مجید کی صحیح تعلیم اور مسنون زندگی کی ترویج میں مشغول ہیں جو عظیم الشان صدقہ جاریہ ہے۔ اس کے علاوہ بھی دعوۃ الحق کے ذریعے متعدد دعوتی و تبلیغی کام انجام پا رہے ہیں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ان کے اخلافِ کرام نے تمام کاموں کو جاری رکھا ہوا ہے، یہ سب کام آپ کی باقیاتِ صالحات میں شامل ہیں۔

(۳) حضرت رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ جید الاستعداد اور متبحر عالم تھے، تدریس و تصنیف دونوں کی صلاحیت موجود تھی، شروع میں تدریس کا بھی خوب کام کیا، بہت سے مضامین بھی لکھے، لیکن دھیرے دھیرے ان کی طبیعت کے اصل جوہر "نظم و انتظام" نے انہیں انتظامی و اصلاحی امور میں منہمک کر لیا۔ تاہم حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے جو مضامین مرتب ہو کر بارہا منظرِ عام پر آ چکے ہیں وہ بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی باقیات صالحات میں شامل ہیں۔ ذیل میں ان کا مختصر تعارف کیا جاتا ہے۔

① **اشرف الہدایات**: اس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغ کے آداب واحکام مستند فقہی کتب سے جمع فرمادئے ہیں جو دعوتِ دین کا کام کرنے والوں کیلئے مشعلِ راہ ہیں۔

② **اشرف النصائح**: اس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے شخصی زندگی کو سنوارنے کے سلسلہ میں ضروری ہدایات جمع فرمادی ہیں۔

③ **اشرف الخطاب**: اس رسالہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف مقام ومرتبہ کے لوگوں کو حسبِ مرتبہ دعوت وتبلیغ کا اسلوب بتلایا ہے تاکہ نفع کے بجائے ضرر نہ ہو۔

④ **اشرف النظام**: اس میں حضرت والاؒ نے دعوۃ الحق کے قیام کا طریقہ بیان کیا ہے، ساتھ ہی مقامی بیرونی اور گھریلو اصلاح کی ترتیب بیان کی ہے۔

⑤ **مجالسِ ابرار** (اول ودوم): اس میں حضرت کے جلیل القدر اور بافیض خلیفہ حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات جمع فرمادئے ہیں۔

⑥ **تحفۃ الابرار**: اس میں مولانا یامین مفتاحی نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر مضامین پر مشتمل چارٹس کو یکجا کتابی صورت میں جمع کردیا ہے۔ اس میں سے ہر ایک مضمون نہایت قیمتی اور مفید ومؤثر ہے۔

⑦ **سلسلۂ مواعظ**: حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بیانات کا سلسلہ شروع ہی سے جاری تھا، ان مواعظ کو پہلے علاحدہ علاحدہ چھاپا جاتا رہا، جو بیسیوں سے متجاوز ہیں، اکثر حضرت مولانا افضال الرحمن صاحب زید مجدہم نے مرتب فرمائے ہیں۔ اب غالباً اجتماعی طور پر شائع ہوگئے ہیں۔

⑧ **مرکزی مجلس دعوۃ الحق ہردوئی** سے شائع ہونے والے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پمفلٹ اور چارٹس، جو اصلاحِ معاشرہ کی جدوجہد میں اہم کردار ادا کررہے ہیں۔

⑨ **ارشاداتِ ابرار**: جس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ مجاز جناب سلیم اللہ غوری صاحب نے اپنی ڈائریوں اور کیسٹس کی مدد سے حضرت والا کے ملفوظات جمع کئے ہیں۔[1]

مذکورہ بالا سب کتب ورسائل اور جوان میں ذکر سے رہ گئی ہیں بلاشبہ وہ سب

---

[1] حضرتؒ کے سلسلہ میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ علاحدہ ہیں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں انشاء اللہ وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ اَمَلًا ثابت ہوں گے اور پسماندگان کے حق میں ذریعۂ اصلاح وترقی بنتے رہیں گے۔

(۴) شریعت کے ساتھ طریقت کا جوڑ ہمارے اکابر کی امتیازی شان ہے، البتہ طریقت سے ان کے ہاں خوارق وحوادث اور کیفیات ومواجید مراد نہیں ہوتیں بلکہ مسنون طریقہ پر تصحیح نیت، توحید خالص، اخلاص کامل اور حق تعالیٰ شانہ کے استحضار دائم کے ذریعہ بندگی میں کمال پیدا کرنے اور رذائل اخلاق سے ظاہر وباطن کو پاک کر کے فضائل سے آراستہ کرتے رہنے کا نام طریقت ہوتا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ عمر بھر طالبین وسالکین کے رجوع ہونے پر ان کی اصلاحِ ظاہر وباطن اور اتمام شریعت وطریقت کی خدمت انجام دیتے رہے، اس سلسلہ میں بظاہر احوال جن سالکین پر آپ نے اعتماد واطمینان محسوس کیا اور جن سے دوسروں کو نفع پہونچنے کی توقع قائم ہوئی تو حسبِ دستورِ طریقت انہیں مخلوق کی نفع رسانی کی اجازت اور اپنے کام کی خلافت ونیابت عطا فرمائی۔ یہ اجازت مشائخ کے ہاں دو طرح کی ہوتی ہے۔

ایک "**اجازتِ صحبت**"..... جس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ ان کی صحبت میں رہنا اور ان کی باتیں سننا عام لوگوں کے لئے غفلت سے نکل کر فکر کی طرف آنے کا سبب ہے۔

دوسرے "**اجازتِ بیعت وارشاد**"..... اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی تربیت اس قدر ہو چکی ہے کہ خود انہیں تربیت کرنے کا سلیقہ آ گیا ہے، سالکین وطالبین کے احوال کو سمجھنے اور ہر ایک کے مناسب حال راہنمائی کرنے کی استعداد پیدا ہو گئی ہے، اسی لئے اس دوسری اجازت میں بیعت وارشاد کی ہدایت بھی شامل رہتی ہے۔ واضح رہے کہ شیخ کامل کی طرف سے اجازت کا ملنا تکمیلِ سلوک کی دلیل نہیں، استعداد ولیاقت کی سند ہوتی ہے، اسی لئے انہیں بھی مسلسل اپنے شیخ سے رجوع رہنے اور اپنی طرف سے کبھی غافل نہ ہونے کی ہدایت ہوتی ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے متعلقین میں سے (۱۰۳) کو اجازتِ بیعت وتلقین اور (۳۴) کو اجازتِ صحبت عطا فرمائی تھی، ان حضرات کے اسماء گرامی اور پتے مختلف رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ "حیاتِ ابرار" مصنفہ حضرت مولانا محمد فاروق صاحب میرٹھی میں بھی ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ جن میں سے اکثر بحمد اللہ حیات ہیں اور ان کا فیض اپنے اپنے علاقوں میں جاری وساری ہے، یہ حضرات بھی حضرت والا کی بہترین باقیات ہیں۔ اللہ پاک انہیں سلامت رکھیں۔ آمین

تیسرا باب
حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ محترمہ

# آہ! ہماری امی جان صاحبہ[1] اِلٰی رَحْمَۃِ اللّٰہِ الْوَاسِعَۃ

رمضان المبارک میں اپنے دفتر میں مشغول تھا، اچانک استاذِ محترم حضرت حافظ محمد اسحٰق صاحب مدظلہٗ کا فون آیا، دریافتِ احوال کے بعد فرمایا کہ ''ابھی اطلاع ملی ہے کہ صبح ۹ بجے محترمہ امی جان صاحبہ کا ممبئی کے برج کینڈی ہاسپٹل میں انتقال ہوگیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا، فون رکھ دیا۔ ایک گہری سوچ اور غم نے نڈھال کردیا، ماضی کے دریچے کھلتے گئے اور..... ''امی جان''..... کے احسانات اور نوازشات کی یادوں کا ایک لمبا سلسلہ چل پڑا، اُدھر سے ذہن کو زبردستی ہٹایا اور سوچا کہ اب کیا کرنا چاہیے؟ امتیاز بھائی بھوئیرا کو فون لگایا، انہوں نے نام دیکھ کر موبائیل حضرت علیم الحق صاحب مدظلہٗ کے ہاتھ میں دے دیا، حقِ تعزیت ادا کرنے کو چند کلماتِ خیر عرض کئے۔ مجھے فطرۃً بڑوں سے فون پر گفتگو میں اندیشۂ بے ادبی سے حجاب ہوجاتا ہے اور کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ یہ بھی عرض کیا کہ جب سے اطلاعِ بیماری ہوئی تھی انفرادی واجتماعی دعاؤں کا اہتمام جاری تھا، جی تو یہی چاہتا تھا کہ صحت کی خوشخبری ملے، پر اللہ تعالیٰ کی مشیت وحکمت کو کچھ اور منظور تھا، جواباً فرمایا ''جی ہاں! صحیح ہے''۔ میں نے سلام عرض کرکے بات ختم کردی۔

---

[1] میں نے اپنی تقدیم میں مخدومہ امی جان صاحبہ اہلیہ حضرت محی السنہؒ سے متعلق جس مضمون کا ذکر کیا تھا یہ وہی مضمون ہے، یہ مضمون دراصل ''اشرف الجرائد'' کا اداریہ ہے۔

حضرت محی السنۃ شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رفیقۂ حیات اور ہم سب کی "امی جان صاحبہؒ"۔ وقت کی رابعہ بصریہ اور مغتنم خواتین میں سے تھیں، اس راقم عاجز نے تو والدِ ماجدؒ کے کرم سے بچپن کا معتد بہ وقت ان کی خدمت میں گذارا، اور انہوں نے بہت کچھ سکھایا، ان کی تربیت اور تادیب وتہذیب آج رہ رہ کر یاد آتی اور قدم قدم پر کام دیتی ہے، میں نے پہلی مرتبہ..... "امی جان" - کو اس وقت دیکھا تھا جب کہ پورا شعور بھی نہ تھا، وہ حضرت ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حیدرآباد تشریف لائی ہوئی اور نواب باقر خان صاحب زید مجدہم کے بنگلہ میں تشریف فرما تھیں، والدہ محترمہ چونکہ عرصہ تک ہردوئی میں رہ چکی تھیں اور امی جان صاحبہ کی خدمت کا شرف بھی رکھتی تھیں، اس لیے یہاں بھی پکوان کی خدمت انہی کے حصہ میں آئی، امی جان اسی نسبت وتعلق کی وجہ سے ایک دن ہمارے گھر بھی تشریف لائیں، ہم بچے تھے، کھانا کھا رہے تھے اور چاول کے دانے اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے، یاد ہے کہ پہلی بات یہی فرمائی تھی "بیٹا! روزی اللہ کی نعمت ہے، ایک ایک دانہ کی قدر کرنی چاہیے، اس طرح نہیں گراتے، سب سمیٹو!"..... گھر میں وہ ایک تخت پر بٹھلائی گئی تھیں، اور سب بڑے چھوٹے باادب سامنے موجود تھے، کسی خاتون کی عقیدت وعظمت اور ادب واحترام کا یہ پہلا نقش تھا جو اس عاجز کی گنہ گار آنکھوں نے بچپن میں دیکھا تھا، جسماناً بھی بلند قامت تھیں اور چہرہ بشرہ سے بھی خود اعتمادی، بلند پروازی اور ذکر وشغل کے انوار وآثار نمایاں تھے، جہاں بیٹھ جاتیں مجسمہ شفقت ومہربانی اور پیکر جود وسخا نظر آتی تھیں، ایک طرف پاندان و پیکدان تو دوسری جانب روپیوں سے بھری بڑی سی تھیلی، ہر ایک ملنے والی خاتون سے نام نسب پوچھتیں، بہت میٹھی اور انتہائی مہذب گفتگو فرماتیں، رخصت ہونے والوں کو ضرور کچھ نہ کچھ عطا فرماتی تھیں، بچوں کو ان کی حیثیت سے اور بڑوں کو ان کے لحاظ سے۔

یاد ہے کہ اہلِ تعلق کے علاوہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے شہر کی بہت سی خواتین ملنے آتی رہتی تھیں، اور بڑے بڑے امیر وکبیر لوگ آتے تھے، سب ان کی عظمت سے مرعوب ومتاثر نظر آتے تھے، کمسن ہونے اور والدہ محترمہ کے ان کی خدمت میں رہنے کے ناطے قریب بیٹھنے،

قریب سے دیکھنے، بھاگ دوڑ کر حکم بجالانے اور خدمت کرنے کا موقعہ ملا، وہ سب لوگوں کے لیے ماں کی ممتا، باپ کی شفقت، استاذ کی تادیب، پیر کی تربیت اور سایۂ رحمت تھیں۔ کمسنی ہی میں ہر دوئی جانے اور وہاں ان کی خدمت میں رہنے کا موقعہ ملا، ہم غافل ان کی کیا خدمت کرتے، کیونکہ رہن سہن، بود و باش میں بھی ان کا معیارِ ذوق بہت اونچا تھا، ہر کام اور ہر چیز میں اعلیٰ درجہ کا سلیقہ اور انتہائی صفائی ستھرائی کو پسند کرتی تھیں، طبیعت نہایت حساس اور نازک تھی۔ غفلت، بے سلیقگی اور پھوہڑ پن سے قطعاً نفرت تھی، حد یہ ہے کہ انگیٹھی میں کوئلے کے ٹکڑے بھی اگر چھوٹے بڑے ہو جائیں تو بگڑتی تھیں، ایک جیسے سائز کے بھر کرلانے کا تقاضہ فرماتی تھیں، ہماری خلافِ مزاج حرکات پر خفا ہوتی تھیں مگر کبھی کوئی غیر مہذب یا سخت لفظ زبان سے نہیں نکلتا تھا، ڈانٹنے کے انداز میں بھی کرب و درد اور شفقت و ترحم عیاں ہوتا تھا۔ آج بھی وہ الفاظ کان میں گونجتے ہیں تو اس میں گھلا ہوا درد دل کو اپیل کرتا ہے، اللہ غریقِ رحمت فرمائے کس پائے کی ولی اللہ تھیں! ہر ایک کا بھلا سوچتی تھیں، ہر ایک کے لیے دعا گو رہتی تھیں، ہر ایک خصوصاً اہلِ تعلق کی تکالیف اور پریشانیوں کو سن کر متفکر و بے چین اور دعاؤں میں مشغول ہو جاتی تھیں، آہ! کتنے خاندان اُن کی توجہ سے آباد ہو گئے اور کتنی زندگیاں ان کی بدولت سنور گئیں، کتنی عورتوں نے انہیں دیکھ کے اللہ تعالیٰ سے محبت اور ذکر و عبادت کرنا سیکھا، کتنے ہی افسردہ و پژمردہ دلوں کو انہوں نے مسرت و فرحت سے معمور کر دیا، کتنے ہی خانماں بربادوں کو ان کی سخاوعطا نے نہال و خوشحال کر دیا۔ وہ بجا طور پر اپنے بچوں ہی کی نہیں حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہر متعلق کی ''امی جان'' تھیں، خدا بخشے بہت خوبیاں تھیں پردہ فرمانے والی میں!

ان میں صبر و شکر کوٹ کوٹ کے بھرا ہوا تھا، انہوں نے زندگی میں جہاں بہت سی خوشیاں دیکھیں وہیں تقدیرِ الٰہی سے بہت صدمے بھی سہے، ان کے ایک ہی بھائی تھے ڈاکٹر محمود شاہ! لندن میں رہتے تھے، بڑے اہتمام سے بہن کے پاس آتے رہتے اور خلوص و محبت کا پیکر ہوتے تھے، ان کا اکلوتا نوجوان بیٹا پردیس میں اپنے کوٹھے کی سیڑھیوں سے

اترتے ہوئے حادثہ کا شکار ہوکر انتقال کر گیا تھا، امی جان اس وقت حیدرآباد میں تھیں، میرا بچپن تھا، میں نے دیکھا اطلاع ملتے ہی مبہوت ہوگئیں، اُس زمانہ میں اس دور کی سہولتیں بھی نہ تھیں، کچھ دیر اس بچہ کی خوبیوں کا ذکر کیا، کچھ روئیں، مصلے طلب کر کے نماز پڑھی، تلاوت کی، دعائیں مانگیں اور یادِ الٰہی کی اسی مصروفیت کو غم کا مداوا بنالیا۔

جوان بیٹا —— اشرف بھائی مرحوم —— بیمار ہوا، برسوں بیمار رہا، رشتہ طے تھا، شادی خانہ آبادی کی چوکھٹ تک پہونچ کے اللہ کو پیارا ہوگیا، امی جان تڑپ گئیں، لیکن راضی برضا رہیں، ایک حرفِ شکایت کسی نے نہ سنا، نہ بےصبری کا مظاہرہ! بس فرمانے لگیں "بیٹا! بہشتی زیور میں مسئلہ دیکھو، اگر اجازت ہے تو میرے بیٹے کے لیے قبر میں گدا بچھادو، برسوں کی بیماری نے اس کا جسم بہت کمزور کر دیا ہے"۔ یاد رہے کہ ایک خاتون ہے اور اکلوتے جوان بیٹے کو کھوئی ہوئی ماں ہے! پہلے یہ فرما رہی ہیں کہ کتاب میں مسئلہ دیکھو! کس قدر ان کے دل میں شریعت کا احترام ملحوظ تھا؟ اللہ اکبر!

چاہتی تھیں کہ وہ پہلے انتقال کریں اور حضرت محی السنۃؒ کی نمازِ جنازہ کا شرف ملے، پر اللہ تعالیٰ کی مشیت اور تقدیر کے فیصلے کسی کی چاہت کے پابند نہیں، حق تعالیٰ کو یہ منظور نہ تھا، حضرتؒ پہلے داغِ مفارقت دے گئے، امی جان راضی برضا رہیں، حضرت کے جنازہ کو دیکھ کر فرمایا "جایئے! میں پیچھے ہی آتی ہوں"...... اور رخصت کر دیا، صبر تو خوب کیا مگر طبعاً نڈھال ہوگئیں، گویا جس کیلئے سب کچھ تجا تھا اور ایثار پر ایثار کیا تھا وہی نہ رہے تو دل اُچاٹ ہوگیا، دھیان اُدھر ہی لگا رہا، وہیں پہونچنے کی تیاری و بیقراری میں بیمار ہی رہنے لگیں، صحت زیادہ ناساز ہونے لگی تو پہلے لکھنؤ میں پھر ممبئی میں شریک ہسپتال کر دیا گیا، بالآخر رمضان المبارک کے مبارک موسم اور عشرۂ مغفرت کی مسعود ساعتوں میں وطنِ اصلی کی طرف ہجرت فرما کر —— انشاءاللہ —— رحمتِ الٰہی اور مغفرتِ خداوندی کی وسعتوں میں جا پہونچیں۔

اس عاجز کو حضرتؒ کے سانحۂ ارتحال، پھر والد ماجدؒ کے انتقال نے ایک طرح بےسایہ وسہارا کر دیا تھا، اور اب امی جان صاحبہؒ کے وصال کی خبر نے اتنا مایوس کیا کہ ان

حضرات کے بارے میں کچھ لکھنے کی تو کیا سوچنے کی بھی ہمت نہیں تھی، واقعی ان کی دعائیں اور ان کے دو بول بھی اسباب کی اس دنیا میں ہمارے لیے نازک سے نازک مواقع پر ایسا سہارا تھے کہ ان کا بدل بظاہر مشکل ہے۔ اب آنکھیں ان ہستیوں کو دیکھنے اور کان اِن بولوں کو سننے کے لیے مدت العمر ترستے ہی رہیں گے۔ عزیز محترم بھائی علیم الحق صاحب ظلہٗ نے ایک ایسے ہی موقع پر مجھ سے بالکل سچ فرمایا تھا کہ..... "عبدالقوی بھائی! آپ کا کیس نانی امی نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے، میں آپ کے لیے ان کی دعاؤں کو دیکھ کر اسی وقت سمجھ گیا کہ انشاء اللہ مسئلہ حل ہو گیا"..... بہر حال! میرے لیے شخصی طور پر بھی یہ حادثہ جانکاہ ہے، اس کے باوجود اَللّٰھُمَّ اْجُرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْنِیْ خَیْرًا مِّنْھَا کی تعلیم نبوی سے ڈھارس بندھی ہوئی ہے۔

عرض کرنا یہ ہے کہ ایسے احوال میں حضرت امی جان صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا کے بارے میں کچھ بھی لکھنا میرے بس میں نہ تھا، آج صبح ہی ایک طالبِ علم نے سوال کیا کہ آپ "امی جان" کے بارے میں کب لکھیں گے؟ دل میں پھر غم تازہ ہوا اور خیال ہوا کہ ان کے احسانات اور نئی نسل کے جذبات کا تقاضہ ہے کہ جو بن پڑے لکھ دیا جائے، چنانچہ یہ چند سطریں قلمبند کر دیں، اس کے بعد یاد آیا کہ میں نے اپنے آقا اور محسن و مہربان مرشدِ کامل حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات پر بھی کچھ لکھنا شروع کیا تھا مگر اپنی نااہلی و کاہلی اور کچھ انتظامی وانتشاری مشاغل کی بناء نیز اس موضوع پر چند کتب و رسائل کے منظر عام پر آجانے کی وجہ سے رُک گیا تھا، اس مضمون میں حضرت امی جان صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا کا بھی کچھ تذکرہ شامل تھا، خیال ہوا کہ ان سطروں کے ساتھ اس کو بھی شامل کر لیا جائے تو مزید بصیرت و موعظت کا سبب ہوگا، اس لیے ذیل میں اس مضمون کا۔ "امی جان"۔ سے متعلق حصہ درج کر رہا ہوں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ محترمہ اور ہماری مخدومہ امی جان صاحبہ اگرچہ ایک مہذب اور سنجیدہ خانوادہ سے تعلق رکھتی تھیں لیکن وہ خود اور ان کے اہلِ خاندان عصری تعلیم سے استفادہ کیے ہوئے تھے، جس کی وجہ سے عصری تہذیب سے بھی کچھ نہ کچھ متاثر تھے، ادھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی

شخصیت خالص مذہبی و دینی، مزید برآں ان کا مشرب دیوبندی و تھانوی تھا، مزاج میں اتباعِ سنت کا اہتمام اور معاملات و معاشرت میں شرعی احکام کی پابندی راسخ تھی، اس سب کے باوجود حکیم الامتؒ کا تجویز کردہ یہ حکیمانہ جوڑ عجیب و غریب باہمی اتحاد و اعتماد کا مظہر جمیل بن کر سامنے آیا، اس سلسلہ میں واقعی حضرت امی جان صاحبہ کا ایثار و خود سپردگی لائقِ تحسین ہی نہیں بلکہ امت کی عورتوں کے لیے قابلِ تقلید بھی ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو اس اللہ والے شوہر کے سامنے اس قدر مٹایا کہ نہ صرف وفادار و خدمت گذار بیوی کا کردار ادا کیا، اس سے بھی بڑھ کر مجسمہ عقیدت اور پیکر وفا و اطاعت بن کر زندگی بھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سکون و اطمینان اور راحت و آرام کا وسیلہ ثابت ہوئیں۔

حضرت امی جان صاحبہ طبعاً نہایت ہی عفیف و باحیا تھیں، مزاج میں انتہائی نفاست وسلیقہ تھا، غربا پروری، یتامیٰ نوازی، ہمدردی و غمگساری کا مجسمہ، پیکرِ جود و سخا اور خوگرِ عفو و درگذر تھیں۔ تعلیم یافتہ ہونے اور ناز و نعم میں پروردہ ہونے کے باوصف انہوں نے اپنی زندگی کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج و منشاء اور چاہت و پسند کے تابع کر لیا تھا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر بلا کسی چندے کے محض توکلاً علی اللہ مدرسہ اشرف المدارس کے قیام اور اپنے پورے اوقات کو دعوت و تبلیغ کیلئے وقف کر دینے کے بعد ابتداءً کچھ عسر و تنگی کے احوال بھی پیش آئے، شخصی طور پر مقروض ہونے کی بھی نوبت آئی، لیکن امی جان صاحبہ تنگی و فراخی کو نظر میں لائے بغیر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی راحت و سہولت کو ہمیشہ اپنا فرض سمجھتی اور ہر خواہش پر اس فرض کو مقدم رکھتی رہیں۔

ان کے والد ڈاکٹر تھے، ان کے بھائی ڈاکٹر تھے، ان کے ماموں بڑے رئیس اور شکار کے دلدادہ تھے، انہوں نے ملک و بیرونِ ملک حتی کہ افریقہ کے جنگلوں میں شکار کے وہ شوق کئے تھے کہ ایک تاریخ بن گئی، چنانچہ اپنے شکار کے دلچسپ اور حیرت انگیز واقعات پر مشتمل باقاعدہ ایک ضخیم کتاب لکھ کر شائع بھی کی تھی، جدید تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے ان کے گھرانہ پر تہذیبِ قدیم کی پاسداری کے باوجود تہذیبِ جدید کے اثرات بھی پائے جاتے تھے، یہ اس لیے عرض کیا کہ بعد کے واقعات کو پڑھنے والا سمجھ سکے کہ حضرت امی جان صاحبہ کا ایثار

وقربانی کچھ معمولی قسم کی بات نہیں ہے اور اس دور میں بے نظیر نہ سہی کم نظیر تو ضرور ہے، ایک دیہاتی اور دنیا کے بدلتے نقشوں سے غافل و بے خبر عورت کا کسی ماحول میں ڈھل جانا اتنا مشکل نہیں جتنا کہ ایسے گھرانہ کی خاتون کا اپنے کو ایک پختہ عالم دین اور خادم اسلام و مسلمین کے مزاج و منشا میں فنا کر دینا، مشکل ہے۔ راقم سطور کو اپنے والدین ماجدین کی بدولت اپنے بچپن کا کچھ حصہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں گذارنے کا موقع ملا، کبھی کبھی امی جان صاحبہ اپنے احوال سناتی تھیں مگر وہ عمر کا ایسا حصہ تھا کہ نہ ہم غور سے سنتے تھے، نہ ہی ان باتوں کی قدر پہچانتے تھے، کاش کہ.....!

چند ایک واقعات اپنی یادداشت سے تحریر کرتا ہوں، فروگذاشتوں کی ذمہ داری ان پر نہیں، احقر کی یادداشت پر ہوگی:

● ایک مرتبہ فرمانے لگیں کہ جب میں بیاہ کر تمہارے حضرت کے گھر آئی تو میرے پاس اپنے خاندان والوں کے یادگار فوٹو تھے، کبھی حضرت کو اس کا علم ہو گیا تو مسئلہ بتلایا اور سمجھایا کہ یہ گناہ کی بات ہے، اس کو رکھنا درست نہیں ہے اور اس سلسلہ میں اس قدر توجہ دلائی کہ میں نے وہ البم تمہارے حضرت کے حوالہ کر دیا اور کہا کہ آپ جو چاہے کیجئے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں تو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا، تم خود اس کو انگیٹھی میں ڈال کر جلا دو، فرماتی ہیں کہ مجھے اپنے بزرگوں کی تصاویر آگ میں ڈالنے کو کسی طرح جی نہ چاہتا تھا مگر ان کا بس یہی ایک فیصلہ! آخر کار میں نے سب تصویریں جلا دیں اور صرف والدِ محترم کی تصویر کو دل نے نہیں مانا تو نہیں جلایا، اس کے بارے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے کہہ دیا..... "میری ہمت نہیں ہو رہی ہے آپ جلا دیجئے مجھے مجبور نہ کیجئے" - مگر حضرت کسی قیمت پر ہاتھ لگانے تیار نہ تھے، بالآخر میرے ہی ہاتھوں اس کو بھی انگیٹھی میں ڈلوایا، کیا بتاؤں بیٹا! اس وقت میرے دل پر کیا گذری؟ مگر یہی واقعہ ان چیزوں اور ایسے شوقوں کے خاتمہ کا سبب ہو گیا۔ اس چھوٹے سے واقعہ سے کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تصلب فی الدین اور پختگیِ فکر کا بھی اور مخدومہ امی جان صاحبہ کی اطاعت و فرمانبرداری اور دین کی قدردانی کا بھی۔

● جب حج کے لیے تشریف لے گئیں تو ''مدینہ منورہ'' میں بطورِ یادگار ایک ڈنر سیٹ خریدا، اسے بہت احتیاط سے رکھتی تھیں، ہمارے دور میں تو استعمال کے لئے برتنوں کے ایک سے ایک سیٹ موجود تھے، مگر وہ ایک سیٹ بالکل علاحدہ اور محفوظ رہتا تھا، حتی کہ یاد ہے کہ چائے دان کی ٹونٹی تھوڑی سی ٹوٹی ہوئی تھی جس پر پلاسٹک کا پائپ چڑھا کر رکھا گیا تھا، امی جان صاحبہ یہ سیٹ اُس وقت نکلواتیں جب اکابر میں سے کوئی تشریف لاتے، چنانچہ ایک دفعہ حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ تشریف لائے، حضرت کی تشریف آوری اس گھرانہ میں عید وتہوار سے زیادہ مسرت، خوشی اور ہماہمی پیدا کر دیتی تھی، چنانچہ امی جان خود چولہے کے پاس گئیں اور اہم پکوان سب اپنے ہاتھ سے کیا، یہی ''یادگار سیٹ'' نکالا گیا، اس کا ایک پیالہ ذرا صاف کرنے کے لیے راقم سطور کے حوالہ ہوا، جلد بازی اور نادانی میں کھڑے کھڑے ٹوٹی پر دھوتے ہوئے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گرا اور ٹوٹ گیا، برسہابرس سے انتہائی اہتمام سے جس چیز کی اس قدر حفاظت کی گئی ہو اور جسے اپنے سفر حج اور دیارِ حبیب ﷺ کی یادگار کے طور پر رکھا گیا ہو، اس کا یہ نقصان جو کچھ اثر ان کی طبیعت پر اثر کر سکتا تھا کیا، نہایت خفگی وناراضگی کے ساتھ گرفت اور ڈانٹ پڑنے ہی والی تھی کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پہنچ گئے اور آتے ہوئے اس کا گرنا اور ٹوٹنا بھی دیکھ لیا تھا، ایک جملہ فرمایا..... ''اچھا اچھا ٹھیک ہے، برتن کی بھی ایک عمر ہوتی ہے اس کی عمر پوری ہوگئی''..... بس حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد کان میں پڑا اور امی جان کا سب غصہ کافور ہوگیا اور بالکل خاموش ہو رہیں۔ میں نے تو اپنے آپ کو سب کچھ سننے کیلئے تیار کر لیا تھا اور وہ جو کچھ ڈانٹ ڈپٹ کرتیں حق بجانب! مگر واللہ! کچھ نہ فرمایا، ضبطِ نفس اور اطاعتِ دین کا یہ مقام مردوں میں بہت کچھ سنا پڑھا، مگر خواتین میں شاذ ونادر ہی دیکھا اور سنا جاتا ہے۔

● لباس اکثر نہایت سادہ کاٹن کا استعمال کرتی تھیں، جس پر استری کی بھی ضرورت نہیں محسوس کرتی تھیں، لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے لیے ہمیشہ اہتمام سے لباس تیار کروایا کرتی تھیں، ان کے دُھلوانے، استری کروانے اور رومال ٹوپی وغیرہ کا خود خیال رکھتی تھیں، سفر کے موقع پر موسم کے لحاظ سے ضرورت کے تمام اسباب کے ساتھ رکھنے کے سلسلہ میں اہتمام سے خود

نگرانی کرتیں، خدام کو بار ہا تاکید کرتیں کہ "غسل خانے میں کپڑے رکھتے وقت دیکھ لیا کریں کہ کہیں پھٹا ہوا تو نہیں، بٹن وغیرہ صحیح ہیں یا نہیں، حضرت تو مصروف رہتے ہیں جو کچھ رکھ دیا جائے پہن کر چلے جاتے ہیں تم لوگوں کو خیال رکھنا چاہیے"۔

● اسی طرح کھانے میں اپنے لیے کچھ زیادہ اہتمام کرتی ہوئی نظر نہ آئیں، لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تمام مہمانوں کے لیے فکرمند اور متوجہ رہتی تھیں، جب تک قویٰ جواب نہیں دے گئے باوجود خادماؤں کی موجودگی کے بھی سالن وغیرہ حضرت کے مزاج کے مطابق خود اپنے ہاتھ سے تیار فرماتی رہیں۔ اکثر دوپہر یا شام کے کھانے کے وقت دسترخوان پر موجود رہتیں، خصوصیات بتلا کر مزید کھانے کی ترغیب بھی دیتی تھیں، اپنی معذوری کے بعد بھی اگرچہ خود پکانے اور کھلانے کے قابل نہ رہیں لیکن نگرانی اور پوچھ تاچھ بہرحال مستقل رکھتی تھیں، سفر میں ساتھ جانے والوں کو بلا کر دواؤں کے سلسلہ میں، اسی طرح راحت و آرام کے دوسرے امور سے متعلق بار بار و باصرار تاکید فرماتیں، اسی پر اکتفا نہ کرتیں بلکہ غائبانہ متفکر رہتیں اور مختلف ذرائع سے اطمینان حاصل کرتی رہتیں۔

● ایک مرتبہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سفر میں تھے اور غالباً کوئی قابلِ فکر اطلاع تھی، بہت بے چین رہیں، میں چھوٹا تھا اور گھر ہی میں رہتا تھا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے کمرہ میں لے جا کر فرمایا کہ "وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھو، اس کے بعد قرآن شریف میں دیکھ کر سورۂ یٰسین کی تلاوت اس طرح کرو کہ ہر "مبین" پر رُک کر سورۂ فاتحہ پڑھو، پھر ابتداء سے پڑھنا شروع کرو، اس طرح جب ختم ہو جائے تو حضرت کے لیے خوب دعا کرو"۔

● عبادات کے اہتمام اور اوراد و وظائف کی پابندی بھی بہت خوب تھی، نمازِ فجر کے بعد اشراق تک اور ظہر کے بعد گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ اور مغرب و عشاء کے درمیان تقریباً پورا وقت مصلے پر بیٹھے معمولات کی تکمیل کرتی تھیں، اس اثناء میں کوئی بات کرنا ہو تو اشارہ سے کرتیں تھیں، اِلاّ یہ کہ خاص مہمان ہوں اور ان کے انتظام کے لیے اٹھنا پڑے۔

بہر حال! اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدماتِ دینیہ کے تسلسل، تنوع، کثرت اور ان کے انضباط و استحکام میں جہاں حضرت کی خداداد صلاحیتوں، خلوص وللّٰہیت اور عزم محکم وجہدِ پیہم کو دخل ہے، وہیں حضرت امی جان صاحبہ کی مرافقت و موافقت اور حسنِ معاشرت، ایثار و قربانی کا بھی وافر حصہ ہے اور انشاء اللہ وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اجر و ثواب میں اپنے حصہ کی برابر کی شریک رہیں گی۔

اِدھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا معاملہ بھی انتہائی مشفقانہ تھا، تمام امور میں ان کی راحت رسانی کا پاس ولحاظ اور تکلیف کا احساس فرمایا کرتے تھے، سفر میں جاتے تو جہاں پہنچتے وہاں سے بخیریت پہنچنے کی اطلاع فرماتے اور ان کی صحت و خیریت معلوم فرماتے، بیمار ہونے کی صورت میں علاج معالجہ کی خبر گیری جہاں کہیں بھی ہوں وہاں سے برابر فرماتے رہتے، جس زمانہ میں فون کی ایسی سہولت نہ تھی جیسی آج ہے اُس زمانہ میں بھی کسی جگہ پہنچنے کے بعد فوراً ٹیلی گرام کروا کر اپنی خیریت سے مطلع فرمادیا کرتے تھے۔

● میرے بچپن کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت قاری صدیق احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ باندہ سے ہردوئی تشریف لائے، دفتر اہتمام میں حضرت کام میں مشغول تھے، میں پنکھا کھینچ رہا تھا، دونوں بزرگوں کی بڑی پرتپاک اور پرخلوص ملاقات ہوئی، پھر حضرت قاری صدیق احمد صاحبؒ نے نہایت سادگی اور غایتِ تواضع سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک اخبار میں لپٹے ہوئے دیسی مرغی کے چند عدد انڈے اور ایک ہینڈلوم کی تیار کردہ تہبند ہدیۃً پیش کی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی محبت و قدردانی کے مظاہرہ کے ساتھ قبول فرمایا اور نشست کے قریب ہی رکھ لیا، جب کام سے فارغ ہوئے تو خود ہی لے کر گھر میں تشریف لائے اور امی جان صاحبہ کے ہاتھ میں دیتے ہوئے بڑے اہتمام سے فرمایا کہ "قاری صدیق صاحب کا تحفہ ہے، لنگی الماری میں رکھ دیجئے، انڈے آپ بھی کھائیں، مجھے بھی کھلائیں"۔ اس طرح حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مخلص و متقی معاصر اور دوست کی برکات میں اپنی اہلیہ کو بھی اہتمام سے شریک فرمالیا، جو حضرت کی حسنِ معاشرت اور حقوق زوجہ کی رعایت کا عملی ثبوت ہے۔

جس طرح وہ حضرت کی صحت وراحت کی فکر مند رہتی تھیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کی صحت، راحت وآرام کی فکر سے کبھی غافل نہ ہوتے تھے، اخیر زمانہ میں جب مخدومہ امی جان صاحبہ کی طبیعت ناساز رہنے لگی تھی، حضرت والاؒ نے باقاعدہ گھر کے دروازہ پر تحریر آویزاں کروادی تھی کہ گھر میں صحت کی ناسازی کی وجہ سے مہمانوں کی خدمت واکرام گھر سے مشکل ہے، البتہ مطبخ کے ذریعہ انتظام رہے گا۔

حضرت امی جان صاحبہ مرحومہ نے الحمدللہ اچھی عمر پائی، اور خوب آخرت کمائی، بالآخر رمضان ۱۴۳۰ھ کو ممبئی میں ـــــ جہاں وہ علاج کے سلسلہ میں آئی ہوئی تھیں ـــــ داعیِ اجل کو لبیک کہتے ہوئے اس دنیا سے پردہ فرما گئیں۔ سنت کے مطابق نقلِ میت سے بچتے ہوئے بمبئی ہی میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ پاک ہم سب کی طرف سے ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، مغفرتِ کاملہ فرما کر اپنے قربِ خاص میں جگہ عطا فرمائے، سیئات کو حسنات سے مبدل فرمائے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھَا وَارْحَمْھَا وَاعْفُ عَنْھَا وَعَافِھَا وَاَدْخِلْھَا الْجَنَّۃَ،
آمِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ

حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہ ملفوظات اس عاجز کے جمع کردہ اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں شائع شدہ ہیں، البتہ ملفوظات نمبر ۸۱ تا ۹۵ بھٹکل میں کیا گیا بیان ہے جس کی اشاعت تو میں نے کروائی مگر یہ یاد نہیں کہ ضبط کس نے کیا، اس وقت میں نے بیان میں سے مکررات کو حذف کر کے صرف وہ باتیں لے لی ہیں جو ۱ تا ۸۰ میں نہیں ہیں، تاکہ زیادہ سے زیادہ نفع ہو۔

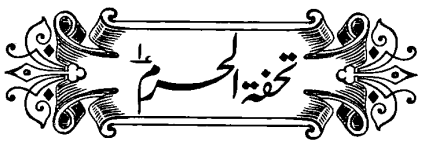


## ① ذکر اللہ سے نورانی ماحول بنتا ہے

آپ حضرات اس وقت یہاں تشریف لاتے ہیں کچھ دین کی باتیں سننے کے لئے، اسلئے یہ معمول بنالیں کہ جب کوئی دین کی بات سنائی جائے تو غور سے سنا کریں، اور جس وقت کوئی بات نہیں ہورہی ہو تو پھر ذکر اللہ میں مشغول رہیں، خالی نہ رہیں نہ فضول باتوں میں مشغول ہوں، کوئی ساذکر کریں۔ تخصیص نہیں ہے، ذکر اللہ سے نورانی ماحول بنتا ہے، ایسے ماحول میں پھر کہنے والے کا ذہن بھی کھلتا ہے، علوم القاء ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ خانقاہیں اور وہ مقامات جہاں قاعدہ شرع کے مطابق ذکر ہوتا ہے وہ اس قدر نورانی ہوتی ہیں کہ اس کی چہار دیواری کے باہر اور اس کے اندر کھلا فرق محسوس ہوتا ہے، اسی طرح آپ دیکھیں گے کہ بعض مساجد میں جی خوب لگتا ہے اور بعض میں کم لگتا ہے، حالانکہ سب مسجدیں بظاہر ایک ہیں، پھر یہ فرق کیا ہے؟ وہی ذکر و تلاوت کی کمی زیادتی سے پیدا ہونے والے اثرات کا فرق ہے۔

جب آدمی کسی جگہ ذکر کرتا ہے تو اس کو تو نفع ہوتا ہی ہے، اس کے ساتھ ساتھ اس جگہ رہنے والوں کو بھی نفع ہوتا ہے جیسے یہاں اے سی لگا ہوا ہے، اس سے کیا صرف ایک آدمی کو ٹھنڈک پہونچ رہی ہے؟ نہیں بلکہ پورے کمرہ والے اس سے مستفید ہورہے ہیں۔ ایک پنکھا چلتا ہے اور سب کو ہوا دیتا ہے، ایک بلب جلتا ہے اور سب لوگوں کو روشنی دیتا ہے، بس اسی طرح ذکر کی سکینت کا حال ہے کہ ذاکر پر جو سکینت اترتی ہے وہ سارے ماحول کو

---

[1] حرم شریف حاضری کے موقع پر محترم جناب قاری خلیق احمد صاحب کے مکان پر جاری مجالس میں راقم نے یہ ارشادات عالیہ خود قلمبند کئے۔

پہونچتی ہے، پھر اگر سب لوگ ذاکر ہوں گے تو اس کا نفع اور اثر کس قدر ہوگا؟ اس لئے ذکر کا خوب اہتمام کیا کریں، یہ بہت بڑی چیز ہے۔

## ② ایک حدیث پاک کا مطلب

حدیث پاک میں آتا ہے کہ اس قدر کثرت سے ذکر کرو کہ لوگ مجنوں کہنے لگیں۔ کیا مطلب؟ مطلب یہ ہے کہ جب آدمی کسی چیز کا عاشق ہوتا ہے تو اسکا کثرت سے ذکر کرتا ہے بار بار اور ہر وقت ذکر کرتے رہنے سے دیکھنے والے کہنے لگتے ہیں کہ کہیں یہ پاگل تو نہیں ہوگیا، حالانکہ وہ پاگل نہیں ہوتا، اس کی ایک عام مثال دیتا ہوں۔ الیکشن میں آپ نے دیکھا ہوگا ووٹ حاصل کرنے کیلئے کیسے رٹ لگائی جاتی ہے، فلاں صاحب کو ووٹ دیجئے فلاں صاحب کو ووٹ دیجئے، ایک ایک آدمی اس قدر شور مچاتا اور آواز لگاتا پھرتا ہے کہ لوگ اسے پاگل قرار دیتے ہیں، کہتے ہیں کہ اس کو کوئی کام دھندہ نہیں، بس صبح سے شام تک ایک ہی رٹ لگاتا رہتا ہے، حالانکہ وہ پاگل تھوڑا ہی ہوتا ہے وہ تو اپنا کام دھن سے کئے جارہا ہے۔ یہی مطلب سمجھ لیجئے اذکروا اللہ حتی یقولوا مجنونا کا۔ جب آدمی عادت ڈال لیتا ہے تو عادت پڑ جاتی ہے پھر بغیر ذکر اللہ کے چین نہیں ملتا، خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

دم رکا سمجھو، دم بھر کو بھی جو یہ ساغر رکا

## ③ آشنا بیٹھا ہو یا ناآشنا

میرے ہاں ایک صاحب جدید تعلیم یافتہ آئے، میں چارپائی پر باہر بیٹھا ہوا تھا، وہ چارپائی پر بیٹھتے ہی جیب میں سے سگریٹ نکال کر بلا کسی تکلف ولحاظ کے جلا کر پینا شروع کردیئے، مجھے سگریٹ سے بہت تکلیف ہوتی ہے، حلق میں خراش شروع ہوجاتی ہے میں فوراً اٹھ کر اندر چلا گیا اور ایک صاحب کے ذریعہ ان سے کہلوادیا کہ آپ جب فارغ ہوجائیں اطلاع کردیں آکر میں بات کرلوں گا۔ میں اس واقعہ کے ذریعہ یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ دیکھئے کس طرح اپنی عادت کے یہ صاحب دیوانے تھے بس اسی کو مجنون کہتے ہیں۔ کیا ہم لوگ اس طرح اللہ کے ذکر کے خوگر نہیں بن سکتے؟ ان صاحب کی حالت دیکھ کر مجھے خواجہ صاحبؒ کا یہ شعر یاد آیا ؎

آشنا بیٹھا ہو یا نا آشنا ہم کو مطلب اپنے سوز و ساز سے

اسی طرح خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

لب پہ ذکر اللہ کی تکرار ہو دل میں ہر دم حق کا استحضار ہو

اس پہ تو کرلے اگر حاصل دوام پھر تو کچھ ہی دن میں بیڑا پار ہو

## ④ مُحرِم تلبیہ کی کثرت کرے

احرام میں تلبیہ کی کثرت کرنی چاہیے، اس سے بہت سے لوگ غافل ہیں کسی سے ملاقات ہو تو تلبیہ پڑھنا چاہئے، کسی کو رخصت کرتے وقت تلبیہ پڑھنا چاہئے، سواری پر چڑھتے وقت اسی طرح بلندی پر چڑھتے وقت، پستی میں اترتے وقت تلبیہ پڑھنا چاہئے، فرض اور نفل نمازوں کے بعد بھی تلبیہ پڑھنا چاہئے، ایام تشریق میں پہلے تکبیر کہے پھر تلبیہ پڑھے ویسے بھی چلتے پھرتے تلبیہ کی کثرت رکھے، ہلکی آواز سے کہے، یہ جو رواج آواز میں آواز ملا کر اجتماعی طور پر کہنے کا ہو گیا ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ اسلام میں ہر وقت کی ادعیہ و اذکار منقول ہیں لیکن احرام میں ہر حال میں اور ہر تغیر کے وقت تلبیہ کا اہتمام کرنا چاہیے۔ احرام عاشقانہ لباس ہے جب صورت عاشقوں کی ہے تو کام بھی عاشقوں کا کرے، ہر وقت یہی رٹ لگاتا پھرے کہ حاضر ہوں مولا! میں خدمت کیلئے حاضر ہوں، دسویں تاریخ کی رمی تک حج کے احرام کا تلبیہ جاری رکھنا چاہئے۔

## ⑤ مشق کرنے سے کام کی عادت پڑتی ہے

مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کی سنتوں کا بہت اہتمام کرنا چاہئے، بہت سے لوگ مسجد حرام میں بھی اس سے غافل ہیں، اور غفلت کی انتہا یہ ہے کہ اپنے بازو والا آدمی سنت پر عمل کر رہا ہے، سیدھا پیر داخل کر رہا ہے، دعا پڑھ رہا ہے، دیکھ رہے ہیں، سن رہے ہیں پھر بھی توفیق نہیں ہوتی۔ کیسی بات ہے؟۔ اصل میں بات یہ ہے کہ گھر پر سنن کی مشق نہیں کرتے اسلئے یہاں اتنے مبارک مقام پر آکر بھی سنتوں کو بھول جاتے ہیں، مشق کی بڑی اہمیت ہے، دیکھئے اگر کسی جگہ بہت خوبصورت لفظ ''اللہ'' لکھا ہوا ہو اور آپ اس کو برس بھر دیکھتے رہیں تو

کیا آپ کو اس طرح لکھنا آجائے گا، ہرگز نہیں آئے گا؟ اور اگر مشق کرنے لگے تو کچھ دن میں آپ اسی طرح لکھنا سیکھ سکتے ہیں، معلوم ہوا کہ مشق کی اہمیت ہوتی ہے مشق کریں، عادت ڈالیں، مشق سے ہر کام سہل ہو جاتا ہے۔

## ⑥ دن بھر میں ۵۲ طواف کی توفیق ملی

یہاں آپ حضرات جتنی رقم خرچ کر کے آئے ہیں اس کا حساب لگایا جائے تو یومیہ پندرہ سولہ سو تا دو ہزار روپیہ کا اوسط نکلتا ہے، گھر پر ایک آدمی کا یومیہ اتنا خرچ نہیں ہوتا، اسلئے ایک ایک دن کی حفاظت کیجئے، جس قدر ہو سکے اعمال خیر کیجئے، حرم شریف میں قرآن مجید کی تلاوت کا اہتمام کیجئے، اسی طرح ذکر اللہ کا اہتمام ہونا چاہیے، یہاں حرم مکہ میں کلمہ طیبہ کی کثرت رکھئے، نماز باجماعت حرم شریف میں ادا کرنے کی فکر کیجئے، یہاں ایک نماز کا ایک لاکھ نمازوں کے برابر ثواب ملتا ہے، طواف کی کثرت رکھئے۔ جس قدر ہو سکے طواف کرتے رہیے، ہم لوگ جوانی میں جب آتے تھے تو خوب طواف کرتے تھے، ایک دفعہ ایسے ہی حرم شریف میں بیٹھ کر آپس میں مذاکرہ ہو رہا تھا کہ کس نے آج کتنے طواف کئے، ہم میں سے ایک صاحب نے بتایا کہ انہوں نے ۲۹ طواف کئے، ہم لوگوں کو بہت مسرت ہوئی، ہم نے کہا آج تو آپ ہم سب میں اول نمبر رہے، ایک بزرگ پڑوس میں ہماری گفتگو سن رہے تھے، انہوں نے فرمایا آپ لوگوں کے طواف کی تعداد سے ماشاء اللہ خوشی ہوئی، لیکن تاکہ کسی کو اپنے کثرتِ طواف پر عجب نہ ہو اس لئے بتلاتا ہوں کہ مجھے الحمد للہ آج دن بھر میں ۵۲ طوافوں کی توفیق ملی، اس وقت ان بزرگ کی عمر ۵۵ یا ۵۶ رہی ہوگی۔[1]

بہر حال آپ حضرات سے بھی یہی گذارش ہے کہ اوقات کی حفاظت کریں، ملاقاتوں میں، بازاروں میں، خریداری میں، فضول باتوں میں اوقات ضائع نہ کریں۔ یہاں اتنا پیسہ خرچ کر کے ملنے ملانے کے لئے تھوڑا ہی آئے ہیں، ساتھیوں اور اہل حقوق کے حقوق ادا کرنا بھی ثواب ہے وہ بھی کر لیں لیکن اس میں وقت زیادہ صرف نہ کریں۔

---

[1] یہ بزرگ حضرت کے محبوب استاذ حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ تھے، اس تعداد سے ممکن ہے آج کسی کو تعجب ہو لیکن جس زمانے کی حضرت بات فرما رہے ہیں اسی وقت مطاف میں یہ اژدہام نہیں ہوتا تھا، لوگ بآسانی جس قدر چاہے طواف کر لیتے تھے۔

## ⑦ تکبر اُمّ الامراض ہے

تکبر اُمّ الامراض ہے، یوں سمجھئے کہ تمام گناہوں کا جدامجد ہے، عُجب، غیبت، حسد، ریا، کینہ یہ سب اس کے پوتے پڑپوتے ہیں، اس لئے کبر کو سب سے پہلے ختم کرنا چاہئے، اس کے مرنے سے اس کے بچے آسانی سے مرسکیں گے، ورنہ اس کے ہوتے ہوئے دوسرے امراض کا ختم ہونا مشکل ہے۔ اسی لئے مشائخ نے اس کی جانب بہت توجہ فرمائی ہے، خود حدیث میں ہے کہ جب تک رائی کے دانے کے برابر بھی کبر ہوگا جنت میں داخلہ نہ ہوسکے گا، وہ تو بھئی بس اللہ تعالیٰ کی شان ہے، اس کے علاوہ کسی کو تکبر زیب نہیں دیتا، جو سراپا محتاج ہو وہ کیا تکبر کرے؟

## ⑧ دین کا تحفہ ضرور لے جائے

طریقہ ہے کہ جہاں جاتے ہیں وہاں کی مشہور چیزیں معلوم کرکے بال بچوں کے واسطے گھر لیجاتے ہیں، جیسے عام طور سے یہاں سے لوگ زم زم اور کھجور لیجاتے ہیں، ٹھیک ہے ضرور لیجائیں لیکن یاد رکھئے! یہاں کا اصل تحفہ دین کا تحفہ ہے، یہاں آپ نے جو سیکھا جو سبق ملا وہ بھی تو اہل وعیال کے واسطے لیکر جانا چاہئے، انہیں جاکر بتلانا چاہئے کہ ہمیں یہ یہ دین کی باتیں معلوم ہوئی ہیں، یوں اس تحفے کو ضرور لے جائیے۔ یہ ایمان کی حقیقت سمجھ میں آئی ہے، اسلئے میں آپ لوگوں کو گھریلو اصلاح کا آسان طریقہ بتلاتا ہوں۔

**الف** : گھر کے سب افراد کو جمع کرکے روزانہ ایک سنت، سنت کا ایک فائدہ، ایک کبیرہ گناہ اور گناہ کا ایک دنیوی نقصان بتلادیا کریں۔

**ب** : کم از کم سات دفعہ کلمہ طیبہ، تین دفعہ درود شریف، گیارہ مرتبہ استغفار اور گیارہ مرتبہ سوم کلمہ پڑھنے کا سب افرادِ خانہ کو پابند کریں۔

**ج** : مرد لوگ جتنا وقت مل سکے نیک اور صالح حضرات کے پاس گذارنے کا اہتمام کریں، اگر اس کی صورت نہ ہو تو اکابر کے ملفوظات وحالات کا مطالعہ بھی کسی درجہ میں کافی ہے، عورتیں کتب دینیہ اور ملفوظاتِ اکابر کا مطالعہ رکھیں کہ یہ صحبت کے قائم مقام ہے۔

## ⑨ علم حاصل کرنے کا آسان طریقہ

اس کا طریقہ بھی بتلا دیا کرتا ہوں کہ علم حاصل کرنے کیلئے کسی عالم یا امام مسجد سے رابطہ کرو، ان سے گذارش کرو کہ وہ مسجد میں اس کا اہتمام شروع کریں۔ اس کے بعد ایک ایک چیز خود یاد کرو پھر گھر آ کر گھر والوں کو سکھاؤ یاد کراؤ، ہر دن ایک آدھ فرد سے پچھلا سبق سن بھی لیا جائے، یاد ہو تو آگے ورنہ اسی سبق کو دہرا دیا جائے، اگر بعض کو یاد ہے بعض کو نہیں تو آپس میں ایک دوسرے کے ذمہ کر دیا جائے کہ جنہوں نے یاد کر لیا ہے وہ جو یاد نہیں کر سکے انہیں یاد کرائیں، اس طرح گھریلو اصلاح بھی ہوتی رہے گی، ادھر مصلّیانِ مسجد کے ذریعہ محلہ میں بھی اصلاح ہوتی رہے گی۔ امام صاحب یا عالم صاحب جو بھی یہ سلسلہ چلا رہے ہوں وہ اپنے مصلیوں سے پوچھ لیا کریں کہ گھر میں پہونچانا شروع کر دیا ہے یا نہیں، اگر نہیں پہونچایا ہے تو پھر اس کی اہمیت بتلا کر تاکید کی جائے۔

اسی طرح اہل مدارس بھی اگر مدرسوں میں یہ سلسلہ پانچ دس منٹ مختص کر کے شروع کر دیں تو طلبہ کی تربیت و اصلاح میں بہت مددگار ہوگا، پھر طلبہ جو گھر جاتے ہیں انہیں پابند کیا جائے کہ وہ آج کا سبق اپنے گھر جا کر سنائیں، اگلے دن بچہ سے پوچھ بھی لیں کہ گھر میں سنایا یا نہیں۔ اقامتی طلبہ اپنے اپنے حجروں میں باری باری اس کا سلسلہ رکھیں اور ذمہ دار حضرات نگرانی رکھا کریں، بہت آسان نسخہ ہے کوئی عمل کر کے تو دیکھے پھر پتہ چلے گا انشاء اللہ۔

اس سلسلہ کو تھوڑا سا اور وسیع کر کے ان مقامات پر بھی شروع کر دیا جائے جہاں عوام جمع ہو جایا کرتے ہیں تو اور اچھی بات ہے نہ تو اس میں کچھ زیادہ وقت لگتا ہے نہ مشقت ہے۔

## ⑩ نیکی کرنا کافی نہیں گناہ بھی چھوڑے

جس طرح جسمانی صحت کے لئے دو باتوں کی ضرورت ہوتی ہے، اچھی غذا اور مضر چیزوں سے پرہیز، کیوں کہ اگر کوئی آدمی غذا تو خوب عمدہ کھاتا ہو مگر مضر صحت چیزوں سے احتیاط نہیں کرتا تو صحت خراب ہوتی ہے، کوئی آدمی ہر خراب چیز سے بچتا ہے بہت احتیاط کرتا ہے مگر غذا اگلی سڑی کھاتا ہے وہ بھی صحت مند نہیں رہ سکتا۔ بالکل اسی طرح انسان کی دینی

صحت کا حال ہے وہ بھی دو چیزوں سے قائم رہتی ہے، ایک یہ کہ نیکی کے کام سنت کے مطابق کرنا، دوسرے گناہوں سے بچنا، چنانچہ ایک شخص خوب عبادت کرتا ہے کوئی نیکی ترک نہیں کرتا مگر ساتھ ساتھ گناہوں کا بھی عادی ہے تو وہ عنداللہ مقبول نہیں، اسی طرح کوئی شخص گناہ بالکل نہ کرے مگر طاعت و نیکی کے کام بھی نہ کرے وہ بھی مقبول نہیں، نیکی بھی کرنا چاہئے گناہوں سے بھی بچنا چاہئے تب جا کے عنداللہ قبولیت حاصل ہوتی ہے۔

## ⑪ ان کو دیکھ کے سبق حاصل کرو

دیکھو بھئی! یہ جگہ (حرمین شریفین) امتحان کی جگہ ہے، اچھے اچھے پابند لوگ جن کی کبھی تکبیر اولیٰ بھی فوت نہیں ہوئی تھی، صفِ اول بھی چھوٹتی نہیں تھی، یہاں مسجدِ حرام پہونچنے پر ان کو معلوم ہوتا ہے کہ ہزاروں اللہ کے بندے ان سے پہلے مسجد پہونچ چکے ہیں، ان پابند لوگوں میں سے کسی کو دسویں، کسی کو بیسویں، کسی کو پچاسویں صف میں جگہ مل رہی ہے، یہاں آکر پتہ چلتا ہے کہ ہم سے بڑے بڑے عاشق دنیا میں موجود ہیں جو ہم سے بہت پہلے پہونچ چکے ہیں، لہٰذا یہاں صف اول کو پانے کیلئے معمول کی فکر کافی نہیں، مزید فکر کرنی پڑے گی، خصوصی توجہ دینی ہوگی، ان عاشقوں کو دیکھ کر اپنے عشق کی کمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ بہرحال ان کو دیکھ کے سبق حاصل کرو اور ان عاشقوں کے طفیل سے دعائیں مانگ لو، کون بندہ اللہ کا کس قدر مقرب ہے اور اس کا کیا مقام ہے کیا معلوم، اسلئے یوں کہا کرو کہ اے اللہ! تیرے ان عاشق بندوں کے طفیل ہمارے اور ہمارے متعلقین کے جملہ مقاصد حسنہ کی تکمیل فرما۔

## ⑫ حصولِ علم کا آسان طریقہ

جس طرح اپنی دنیوی حاجات وضروریات کیلئے آدمی ماہرین کے پاس جاتا ہے معلومات حاصل کرتا ہے، اور اپنی ضروریات پوری کرتا ہے، اسی طرح دینی ضروریات میں بھی ہونا چاہئے، اہل علم کے پاس جایا کرے، ہر بات پوچھ پوچھ کر عمل کرے، یہ بہت ہی آسان طریقہ ہے علم و عمل کی درستگی کا، لیکن اس کی طرف دھیان نہیں، دین میں علم و عمل کے اعتبار سے کوئی چھوٹا ہے کوئی بڑا ہے، جس طرح دنیا کے کاموں میں ہر چھوٹا بڑے سے

استفادہ کرتا ہے، دیکھو بچے کو جب بھوک لگتی ہے رو کر ماں کو متوجہ کر لیتا ہے، چھوٹا بنے بغیر بڑا بننے کی ہوس، ہوس ہی ہے، کبھی ایسا شخص بڑا نہیں بن سکتا۔ مختصر یہ کہ چھوٹوں کی اصلاح بڑوں سے رجوع کرنے میں منحصر ہے، پس ہر طالب اصلاح کو چاہئے کہ کسی بڑے کا انتخاب کرے، پھر اس کے مشورہ اور رہبری میں کام کرتا رہے ایک دن مقصود حاصل کر لے گا۔

## ⑬ درسِ قرآن کا اہتمام کیا جائے

درس تفسیر اور درس سیرت کا اہتمام مساجد و مدارس میں ہونا چاہئے، جب گجرات کے علاقہ میں طاعون کا واقعہ پیش آیا تھا تو ہمارے ہاں مدرسہ کی مسجد میں بھی یہ سلسلہ شروع کیا گیا، ماشاء اللہ اب تک سیرتِ طیبہ کی کئی کتابیں ختم ہو چکی ہیں، جو وقت مناسب ہو مقرر کر لیا جائے اور ایک دو آیات کی مختصر تفسیر ہو جائے، کسی وقت مختصر اً سیرت کی کوئی کتاب سنا دی جائے، نشر الطیب ہے، اُسوۂ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، سیرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، کوئی سی کتاب ہو سنائی جائے اس کا بہت نفع ہوتا ہے۔

## ⑭ طلبہ کو روزمرہ کی سنتیں سکھائی جائیں

چونکہ بہت سے اہل علم اور اہل مدارس موجود ہیں اسلئے عرض کرتا ہوں کہ مدارس میں طلبہ کرام کو ہر کام کی سنتیں بتلائی جاتی رہیں اور پھر ان کی عملی مشق کی پوری نگرانی بھی رکھی جائے، خصوصاً سنن صلوٰۃ کی عملی مشق پر نظر رکھی جائے کہ نمازیں سنت کے مطابق ہو رہی ہے یا نہیں، ورنہ علماء دین کی بڑی سبکی ہوتی ہے جب مساجد میں یہ نظر آتا ہے کہ ایک تاجر اور عامی آدمی تو سنت کے مطابق نماز پڑھ رہا ہے اور ایک طالب علم اور عالم دین خلافِ سنت! تو بتلایئے کہ اب دین اور علماءِ دین کی کیا وقعت لوگوں کے دلوں میں باقی رہے گی؟ اسلئے مدارس میں اس پر توجہ کی ضرورت ہے، طلبہ مدارس ہی میں تو سیکھیں گے کیوں کہ جب فارغ ہو کر چلے جاتے ہیں تو کام میں لگ جاتے ہیں، اب کون سکھائے گا؟ اور ادھر دھیان بھی نہیں جاتا کہ یہ بھی سیکھنے کی چیز ہے، بہت افسوس کی بات ہے کہ آج صلوا پر تو عمل ہو رہا ہے لیکن اقیموا پر عمل نہیں ہو رہا ہے، یعنی کسی طرح نماز ادا ہو جاتی ہے مگر اس کو سنت کے مطابق ادا کرنے کی فکر کم ہو گئی ہے۔

## ⑮ حج میں گناہوں کے کام اور لڑائی نہیں

حج مبرور وہ حج ہوتا ہے جس میں گناہوں سے حفاظت ہو، اسلئے حدیث میں فرمایا گیا "من حج فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدته امه" اس میں گناہ اور جھگڑوں سے بچنے والے کیلئے حج مبرور کی بشارت ہے، اور جس کا حج مبرور ہوتا ہے وہ شخص اتنا ولی اور مقبول ہوتا ہے کہ اس کی کوئی دعا رد نہیں ہوتی گویا مستجاب الدعوات بنا دیا جاتا ہے۔ حد یہ ہے کہ اس سے اپنے لئے دعا کرانے کا حکم دیا گیا ہے، لیکن اتنا بڑا مقام جو مل سکتا تھا گناہوں کی وجہ سے ختم ہو جاتا ہے، اسلئے حج کو اگر مقبول و مبرور بنانا چاہتے ہیں تو ہر قسم کے گناہوں سے بچتے رہنا چاہئے۔

## ⑯ ہر کام کے دو پہلو ہوتے ہیں

(تھانہ بھون میں ان دنوں کوئی اجلاس ہونے والا تھا، اس کے سلسلہ میں حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند کا فون آیا یہ معلوم کرنے کے لئے کہ حضرت والاؒ کی اس سلسلہ میں رائے کیا ہے؟ جواب میں فرمایا)

اس قسم کے کام حضرت والا کے مسلک کے خلاف ہیں، اس لئے میں نے شرکت سے معذوری ظاہر کر دی تھی، یہ میری اپنی رائے ہے آپ حضرات مناسب سمجھیں تو شرکت فرمائیں، میں دعا کرتا ہوں کہ یہ نظام حضرت والاؒ کے اہل سلسلہ کیلئے خیر ثابت ہو کسی شر کا سبب نہ بنے۔ (اس کے بعد حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا) ہر کام کے دو پہلو ہوتے ہیں مفید اور مضر، کام ایک ہی ہے لیکن اصول کے موافق ہو تو مفید اور اگر اصول کے خلاف ہو تو مضر، اسلئے ہر کام اصول کے موافق ہونا چاہئے، جیسے روشنی کے بلب ہیں کہ کسی نے بلب تو خوب لگا رکھے ہیں لیکن "مین سوئچ" نکال رکھا ہے تو کیسے فیض پہونچے گا؟ اور اگر سوئچ تو کھلا ہوا ہے مگر تار کٹا ہوا ہے تو مزید نقصان کی بات ہے، اسلئے سب پہلوؤں پر نگاہ ہونی چاہئے۔

## ⑰ اولاد کو بچپن سے دین سکھاؤ

اپنی اولاد کو بچپن سے دین سکھاؤ، حدیث پاک میں ہے سات برس کی عمر سے بچہ کو نماز کا حکم کرو، اور دس برس کا ہو کر نماز نہ پڑھے تو پھر تھوڑی پٹائی بھی کرو، شریعت نے سب سے

پہلے نماز کا حکم دیا، ایک تو اس لئے کہ وہ سب سے اہم عبادت ہے، دوسرے یہ حکمت بھی ہے کہ جب نماز کا حکم دیں گے تو نماز بھی سکھانی ہوگی اور اسی سے دین سیکھنے اور اس پر چلنے کی مشق شروع ہو جائے گی، دیکھئے جب نماز پڑھوائیں گے تو وضو بھی سکھانا ہوگا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللھم انی اسئلك تمام الوضو وتمام الصلوٰۃ فرما کر اشارہ فرمادیا کہ بڑھیا نماز کیلئے وضو بھی بڑھیا ہونا چاہئے، اعلیٰ درجہ کی نماز کیلئے اعلیٰ درجہ کا وضو ہونا چاہئے، جیسے پانی عمدہ ہوگا تو چائے عمدہ بنے گی، جب وضو سکھائیں گے تو وضو کی دعائیں بھی سکھانی ہوں گی، مثلاً درمیان میں اللھم اغفرلی ذنبی والی دعا پڑھنا مسنون ہے، جب یہ دعا یاد کرائیں گے تو بچہ کو ذنب کی تعریف بھی سمجھانی ہوگی، گناہ کی حقیقت سمجھ میں آجائیگی تو اس سے نفرت پیدا ہوگی، پھر طہارت کے مسائل بھی سکھانے ہوں گے، طہارت جسم کے ساتھ ساتھ طہارت اخلاق کا سلسلہ بھی شروع ہو جائیگا، نبی کی تعلیمات سب رحمت ہیں، جیسے باپ اپنے بچوں کے حق میں شفیق ہوتا ہے اس سے کہیں زیادہ نبی امت کے حق میں مہربان ہوتے ہیں۔

## ⑱ بار بار کی تاکید رائیگاں نہیں جاتی

اسی طرح بچوں کو باوضو رہنے کی عادت ڈلوائے، ہمارے ہاں طلبہ کو اس کی تاکید کی جاتی رہتی ہے، بچپن کی عادتیں پختہ ہوتی ہیں، اور بار بار کی تاکید رائیگاں نہیں ہوتی، ایک واقعہ سناتا ہوں، ایک طالب علم جب ہمارے ہاں سے دوسرے ادارہ میں گئے وہاں سے خط لکھا کہ آپ لوگوں کے سکھانے اور تاکید کرنے کی برکت سے الحمدللہ پورے سال کے دوران کوئی حدیث سننے سے نہیں چھوٹی، اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ پورے سال کے دوران کوئی حدیث بغیر وضو نہیں سنی سوائے دو حدیثوں کے، کیوں کہ ہاتھ میں ایک دانہ نکل آیا تھا اور سبق کے آخر میں وہ ٹوٹ گیا تھا، اس حال میں دو حدیثیں بے وضو گذر گئیں۔ بس ان دو احادیث کے علاوہ کوئی حدیث بلا وضو سماعت نہیں کی۔ اسی طرح ایک پندرہ سالہ طالب علم نے بتلایا کہ چھ ماہ سے برابر باوضو سو رہا ہوں، یہ اسی زمانہ کی بات بتلا رہا ہوں، کوئی پرانے زمانہ کا واقعہ نہیں، اکابر کی کرسیاں خالی ہوتی جارہی ہیں کوئی تو پیدا ہوگا اس کو پُر کرنے کے لئے، بہر حال بچپن کی عادتیں پختہ ہوتی ہیں، اسلئے گھروں میں بھی اور خصوصیت کے

ساتھ مدارس میں بھی طلبہ کو سنن کی عادت ڈالی جائے پھر اس کی نگرانی رکھی جائے۔

## ⑲ نبی امت پر ماں باپ سے زیادہ مہربان ہیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہم لوگوں پر بڑا احسان ہے، وہ ماں باپ سے زیادہ مشفق ہیں، انہوں نے صرف ہمارا دین ہی نہیں ہماری دنیا بھی درست فرمادی ہے، ماں باپ سے زیادہ مہربان اسلئے کہ ہمارے ماں باپ کتنے ہی شفیق ہوں حکیم نہیں ہیں، اللہ اور اس کے رسول مہربان بھی ہیں حکیم بھی ہیں، اسلئے ہماری مصلحتوں کو خوب جانتے اور اسکے موافق تعلیم دیتے ہیں۔ ایک مثال دیتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک یہ دعا سکھائی ہے، اللھم اجعل اوسع رزقك عند کبر سنی وانقطاع عملی یعنی اے اللہ! میرے بڑھاپے اور ناکارگی کی عمر میں میری روزی بڑھا دیجئے۔ اس دعا کی تعلیم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمارے ساتھ کیسی شفقت ومحبت اور کس قدر احسان مخفی ہے، آپ غور کریں کہ جب تک آدمی صحتمند اور قوت والا ہوتا ہے اپنی ضرورتوں کیلئے خود ہی ہاتھ پیر مار لیتا ہے، لیکن جب بوڑھا اور ناکارہ ہوجاتا ہے اس وقت اگر اسکے پاس روزی اور ضروریات وافر مقدار میں موجود نہوں یا اسکے وسائل بنے ہوئے نہ ہوں تب بھی چھوٹوں کا محتاج ہوجاتا ہے، ہوتا ہے یا نہیں؟ ایسے وقت اولاد اگر صالح ہوئی تو فبہا ورنہ کیسی زحمت وذلت کا سامنا ہوتا ہے کہ ان کو اس کی تکالیف کی کوئی پرواہ ہی نہیں ہوتی۔ اگر اس کے پاس مال ہو تو پھر اولاد اور رشتہ دار، اگر وہ صالح نہ ہوں تو بھی اس کی خدمت اور دیکھ بھال خوب اچھی طرح کرتے ہیں، جس کی وجہ سے بڑھاپے کے رنج ومحن سے حفاظت رہتی ہے، اسلئے دعا سکھائی جارہی ہے کہ عام حالات میں تو ہم روزی کے محتاج ہیں ہی بڑھاپے میں خصوصیت سے اس میں اضافے اور وسعت کی حاجت ہے۔

## ⑳ دین پر نہ چلنے میں اپنا ہی نقصان ہے

اس مثال سے بھی سبق لیجئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس چھت پر جس کی منڈیر نہ ہو سونے سے منع فرمایا، اب بتایئے کہ اگر کوئی سوئے تو اس میں کس کا نقصان ہے؟ اسلام کا یا نبی کا کچھ نقصان ہے؟ پھر اس ممانعت کی وجہ اپنی امت سے محبت اور ان پر شفقت نہیں تو اور

کیا ہے؟ مگر ہمارا حال یہ ہے کہ ہم قدر نہیں کرتے، عمل نہیں کرتے۔ ہمارے طالب علمی کے زمانہ میں ایک ایسی ہی چھت تھی وہاں پڑھنے کی اجازت تو تھی لیکن سونا منع تھا، اسلئے کہ منڈیر نہیں تھی، بعض طالب علم بیچ چھت پر سو جاتے تھے، ایک دن ایسا ہوا کہ اس چھت پر سے ایک طالب علم لڑھک کر نیچے گر گئے، دین کی باتوں اور بڑوں کی ہدایت پر عمل نہ کر کے اپنا ہی نقصان کیا۔

## ۲۱ ہر کام میں اخلاص کی ضرورت ہے

ہر کام سے مقصود رضائے الٰہی کی تحصیل ہے پس اس غرض سے جو کام ہوگا وہ مخلصانہ ہوگا، باقی کوئی اغراض مخلصانہ نہیں، آج بڑے دکھ کی بات ہے کہ دینی خدمت میں بھی اخلاص کی کمی آنے لگی ہے، ہم لوگوں کو ہمیشہ اس کا احتساب کرتے رہنا چاہئے۔ امام عبدالوہاب شعرانی بڑے بزرگ ہیں، انہوں نے بہت سے بزرگوں سے استفادہ کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: دین کا کام کرنے والے اپنے اخلاص کو اسطرح پرکھیں کہ ان کے علاقہ میں اگر کوئی اور شخص وہی دینی کام یا کوئی اور دینی کام شروع کرتا ہے تو ان کو خوشی ہوتی ہے یا کلفت؟ اگر خوشی ہوتی ہے تو یہ اخلاص ہے اور اگر گرانی ہوتی ہے تو یہ اخلاص کے منافی ہے، انہوں نے ایک واضح مثال سے بات کو سمجھانے کی کوشش کی ہے، فرماتے ہیں کہ اگر سخت گرمی کا موسم ہو اور دوپہر کے وقت میت کو قبرستان لیجانے کی ضرورت پیش آجائے، آدمی کم ہوں تو میت کے اقرباء کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اس کام میں ان کا ہاتھ بٹانے والے بڑھ جائیں، ایسے وقت کچھ لوگ جمع ہو کر اس کام میں شریک ہو جائیں تو خوشی ہوتی ہے یا غم؟ ظاہر ہے کہ خوشی ہوتی ہے، بلکہ تدفین کے بعد ان کا شکریہ بھی ادا کرتے ہیں، یہی حال خدام دین کا ہونا چاہئے کہ جتنے لوگ دین کا کام کر رہے ہیں خواہ وہ کسی لائن سے ہو تبلیغ کا ہو یا تعلیم کا ہو یا تزکیہ کا ہو، انھیں دیکھ کر خوش ہونا چاہئے، اب یہ ہوتا ہے کہ غم کرنے لگتے ہیں کہ یہ بیچ میں آگئے، اتنے دن سے ہم محنت کر رہے تھے، اب ان کا بھی نام ہوگا کچھ لوگ ان کی بھی سنیں گے، انہیں بھی چندہ ملے گا تو ہمارا چندہ گھٹ جائے گا، لاحول ولاقوۃ الا باللہ یہ کیسے خیالات ہیں؟ معلوم ہوا کہ اخلاص

نہیں تھا کام میں، اخلاص ہوتا تو یہ سب فضول خیالات اور غم میں مبتلا نہ ہوتا، پس معلوم ہوا کہ اخلاص فی الاعمال بہت ضروری ہے، خوب سمجھ لو یہ نہ ہو تو پھر پوری زندگی برباد ہے۔ حدیث ریا تو معلوم ہی ہوگی کہ کس طرح اخلاص کے فقدان نے عالم کو، قاری کو، غازی کو اور سخی کو جہنم رسید کر دیا، کام تو خوب کئے اور بہت اچھے کئے مگر بس وہی اخلاص کی کمی تھی۔

## ﴿۲۲﴾ ہر اخلاص بھی معتبر نہیں ہوتا

یہ بھی یاد رہے کہ ہر اخلاص معتبر نہیں ہوتا، اخلاص بھی احکام شرع کا پابند ہونا چاہئے، دیکھئے اگر کوئی شخص دو رکعت نفل مسجد میں عصر سے پہلے پڑھے تو ثواب ملے گا یا نہیں؟ ضرور ملے گا، تقرب بھی بڑھے گا۔ اور اگر یہی شخص عصر کے بعد کمرہ بند کر کے نہایت اخلاص کے ساتھ ۲۰ رکعت پڑھے تو ثواب ملے گا؟ ہرگز نہیں! بلکہ اللہ تعالیٰ سے مزید دور ہو جائیگا، اسی طرح سال بھر روزے رکھے تو بے شک ثواب کا کام ہے مگر کیا عید الفطر یا ایام تشریق میں روزہ رکھے تو بھی ثواب ملے گا؟ ہرگز نہیں، روزہ رکھ کر گنہگار بنے گا، یا حج ہی کو لے لیجئے حاجی ۹ رذی الحجہ کو عرفات میں جا کر سوتا رہا تو بھی وقوف کا رکن ادا ہو جاتا ہے، اگر اسکے بجائے اس دن مکہ میں رہ کر پچاس طواف کرے تو ایک بھی قبول نہ ہوگا، پس معلوم ہوا کہ محض اخلاص بھی کافی نہیں اخلاص وہ معتبر ہے جو احکام شرع کا ماتحت ہو۔

## ﴿۲۳﴾ مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند

ایک ہے کسی چیز کا حاصل ہونا، اور ایک ہے اس کا باقی رہنا، حاصل ہو جانے کے بعد باقی رکھنے کی کوشش نہیں کرے گا تو وہ چیز ضائع ہو جائیگی، کھانا سالن پکا لیا، اب اسکی حفاظت کے اسباب بھی تو کرو، ورنہ وہ سڑ کر ضائع ہو جائے گا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حج کی نعمت دی، بہت بڑی نعمت و دولت حاصل ہو گئی لیکن اس کی حفاظت بھی ضروری ہے ورنہ اسکے اثرات و برکات دھیرے دھیرے ختم ہو جائیں گے، حاجی حج کے ذریعہ گناہوں سے پاک وصاف ہو جاتا ہے، اس پاکی کو باقی رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ گناہ نہ کرنے کا پکا عہد کر لے اور نفس کو مجاہدہ کر کے اس عہد پر قائم رکھے، کتنا ہی جی چاہے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے طاعات

میں کوتاہی نہ کرے۔ خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

بہت گو ولولے دل کے ہمیں مجبور کرتے ہیں
تری خاطر گلے کا گھونٹنا منظور کرتے ہیں

## ﴿۲۴﴾ رمی میں احتیاط سے کام لو

دیکھو بھئی! رمی کے وقت جلد بازی مت کرو ہر شخص جلد فارغ ہونے کی چکر میں رہتا ہے، اس میں بہت نقصان ہوتا ہے، خصوصاً مستورات ساتھ میں ہوں تو مزید احتیاط کی ضرورت ہے، سب ساتھی ملکر جائیں، راستہ میں بھیڑ زیادہ ہو تو توقف کرلیں، ریلا آرہا ہو تو باز و ہو جائیں بہت وقت رہتا ہے، بھیڑ کی وجہ سے تاخیر ہو جائے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے غروب کے بعد بھی کر سکتے ہیں اسلئے جلدی کے مارے اپنے کو خطرہ میں نہ ڈالیں، سوچ سمجھ کر احتیاط سے رمی کریں۔

## ﴿۲۵﴾ احرام میں خوشبو کا استعمال ممنوع ہے

بعض چیزوں میں خوشبو ہوتی ہے ان کا استعمال بھی احرام میں درست نہیں ہے، جس طرح خالص خوشبو عطر وغیرہ کا استعمال حرام ہے، وہ چیزیں خواہ برتنے کی ہوں یا کھانے پینے کی، خوشبو کا معیار یہ ہے کہ عقل سلیم اس کو خوشبو سمجھتی ہو، اس سے بچنا چاہئے ورنہ بہت خسارہ ہوگا، بہت سے لوگ کافور کو، زیتون کو خوشبو نہیں سمجھتے، حالانکہ یہ بھی خوشبو ہے بعضے لوگ حجر اسود پر خوشبو مل دیتے ہیں جو لوگ احرام میں ہوتے ہیں اگر وہ خوشبو ان کو لگ جائے تو دم واجب ہو جاتا ہے، مسائل سیکھنے کی ضرورت ہے۔

## ﴿۲۶﴾ دم دراصل سزا ہے

دم دراصل سزا ہے اس بات کی کہ دین کا کام تو کرتے ہو مگر طریقہ نہیں سیکھتے؟ اتنا اہم عمل ہے اور سیکھے بغیر شروع کر دیا؟ اب خلافِ حکم کیا تو ناواقفی کا جرمانہ ادا کرو، اور دم کا اصول یہ ہے کہ ترک واجب سے لازم ہوتا ہے۔ ایک صاحب نے واجباتِ حج زبانی یاد کر لئے تھے اتفاق سے وہ اپنے گروپ سے چھوٹ گئے، پانچ دن کے بعد جب ملے تو معلوم ہوا کہ واجبات یاد رہنے کی وجہ سے کوئی ایسی غلطی نہیں کی جس سے دم واجب ہو، یہ فائدہ ہوتا ہے سیکھنے کا، آج لوگوں میں مسائل سیکھنے کی اہمیت نہیں رہی۔

### ۲۷ عورتوں کا احرام میں ایک ہی مجاہدہ ہے

احرام میں عورتوں کیلئے صرف ایک مجاہدہ ہے اور وہ یہ کہ نہ چہرہ ڈھانکیں نہ بے پردگی ہو، اس کے علاوہ لباس معمول کا پہن سکتی ہیں، مگر یہ مجاہدہ بہت اہم ہے اس کا اہتمام بہت ضروری ہے کہ بے پردگی نہ ہونے پائے، اپنے آپ کو حتی المقدور مردوں سے علاحدہ رکھیں عورتیں عام طور سے اس کی پروانہیں کرتیں، یہ سمجھتی ہیں کہ احرام میں پردہ ہی نہیں ہے، یہ باتیں انہیں بتلاتے رہنا چاہئے۔

### ۲۸ اسلام واقعی سراپا تہذیب کا نام ہے

مسلم اور مومن کی ایک تعریف وہ ہے جو حدیث جبرئیل میں آئی ہے، ایک اور تعریف بھی ہے المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده یعنی مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے کسی کو تکلیف نہ پہونچے اور اكمل المومنين ايمانا احسنهم خلقا یعنی کامل مومن وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں، معلوم ہوا کہ اخلاق کی تکمیل بہت ضروری ہے، اور ایمان کی تکمیل کا اس سے تعلق ہے۔ مسلمان ایسا ہونا چاہئے کہ اس سے کسی کو ضرر نہ پہونچے، حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب صفہ پر تشریف لاتے تو اس طرح سلام فرماتے تھے کہ سونے والا جاگنے نہ پائے اور جاگنے والا سن لے۔ دیکھا آپ نے؟ ہمارے نبی کس طرح دوسرے کی راحت کا خیال فرمارہے ہیں، یہ تو ایمان والوں کے ساتھ آپ کا سلوک تھا، مشرکین کو بھی آپ سے اذیت نہیں پہونچتی تھی، مکہ کے مشرکین نے آپ کو کس قدر تکلیفیں پہونچائیں، لیکن آپ کا حال یہ تھا کہ آپ ان سے انتقام تو کیا لیتے الٹا ان کی راحت وآرام کی فکر فرماتے تھے۔ ذکر کی کثرت اسلام میں کس قدر مطلوب ہے سب کو معلوم ہے اسکے باوجود حکم یہ ہے کہ اگر کوئی سورہا ہو تو ذاکر کو چاہئے کہ پست آواز سے ذکر کرے، تاکہ اس کی نیند نہ خراب ہوجائے، تہجد کی نماز کی کتنی مقبولیت ہے مگر اس میں بھی اس کا حکم ہے کہ اس طرح اٹھے اور اسطرح ادا کرے کہ کسی سونے والے کو حرج نہ ہو، اسلام واقعی سراپا تہذیب ہے، ہر کام کا سب سے مہذب و بہتر طریقہ اسلام ہی سکھاتا ہے، ذرا سوچئے کہ جو مذہب پیشاب پاخانہ کا طریقہ تک سکھلاتا ہے وہ دوسری اہم باتوں کو کیسے نظر انداز کرے گا۔

## ۲۹ صحابہ بس نبی کی مرضی کو دیکھتے تھے

دین دراصل اطاعت کا نام ہے، ہمیں چون وچرا کا کوئی حق ہے نہ ضرورت ہے، جب بندے ہیں تو حکم حاکم بجالانا ہمارا کام ہے، پھر اللہ تعالیٰ تو حاکم ہونے کے ساتھ حکیم بھی ہیں، رحیم بھی ہیں، اسلئے بندہ کو سراپا اطاعت ہوجانا چاہئے، جیسے شاعر نے کہا ہے

وہ جو اذن دیں تو قیام ہے　　　وہ جو روک دیں تو قعود ہے
بلا ان کی مرضی پاک کے　　　نہ قیام ہے نہ قعود ہے

صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھئے کہ دین کی حقیقت پر وہ کس طرح عمل پیرا تھے، حدیث میں آتا ہے کہ لم یکن شخص احب الیھم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانوا اذا رأوہ لم یقم الخ۔ دنیا میں کوئی ہستی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو محبوب نہ تھی مگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریف لاتا دیکھ کر قیام نہیں کرتے تھے، اسلئے کہ آپ نے منع فرمادیا تھا، خواہش تو یہی ہوتی تھی کہ قیام کریں مگر حکم کی اہمیت زیادہ تھی، اطاعت اسی کو کہتے ہیں کہ حکم کو دیکھو خواہش کو نہ دیکھو، اس لئے حطیم میں داخل ہونے، ملتزم سے چمٹنے، حجر اسود کا بوسہ لینے، وغیرہ میں خواہش وجذبات پر حکم کو مقدم رکھو، حکم یہ ہے کہ یہ سب اعمال بے شک فضیلت ہیں مگر کسی کو ایذا پہونچانا حرام ہے، حرام سے بچنے کی فکر کریں خواہ اس کے لئے یہ فضیلتیں چھوٹ جائیں، مستحبات سے کسی کو ضرر پہنچ رہا ہو تو وہ ممنوعات میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔

## ۳۰ بچوں سے مانگنا سیکھئے

منیٰ میں عرفات میں مزدلفہ میں دعاؤں کا خوب اہتمام کرو، خوب دعائیں مانگو، رو رو کر مانگو رونا نہ آئے تو رونے کی صورت بنالو، بچوں سے مانگنا سیکھو کس طرح بار بار مانگتے ہیں آخر کار پانے میں کامیاب ہوجاتے ہیں، سائلین اور بھکاریوں سے سیکھو کس طرح گڑگڑاتے ہیں اور کیسی حالت بنا کے مانگتے ہیں، ان کو مانگنا آگیا ہے اسی پر مطمئن ہیں۔ ایک صاحب نے ایک سائل سے کہا کہ کیوں اتنی محنت کرتے ہو اس کے بجائے ہماری دکان میں کام کرلو، یومیہ بیس روپیہ دے دیں گے، اس نے کہا تم ہمارے ہاں کام کرلو یومیہ تیس روپیہ دیدیں گے۔

انھیں مانگنے کا ڈھنگ آ گیا ہے اسی پر اطمینان اور ناز ہے، بلاضرورت بندوں سے مانگنا تو عیب ہے مگر اللہ تعالیٰ سے مانگنا عبدیت و بندگی ہے بلکہ اس سے نہ مانگنا عیب ہے، اسلئے اس کا دروازہ کھٹکھٹاتے رہو، عاجز مت ہو جاؤ بس اپنا کام کرتے رہو ؎

کھولیں وہ یا نہ کھولیں در — اس پہ ہو کیوں تری نظر
تو تو بس اپنا کام کر — یعنی صدا لگائے جائے
بیٹھے گا چین سے اگر — کام کے کیا رہیں گے پر
گو نہ نکل سکے مگر — پنجرے میں پھڑ پھڑائے جا

بعض اکابر کے حالات میں ہے کہ عرفات میں زوال سے غروب تک مسلسل دعائیں کرتے رہے، قیمتی وقت ہوتا ہے اسے ضائع نہ کرو۔

## ۳۱ اصل مقصود رضائے الٰہی ہے

ایک دفعہ دیوبند کی مجلس شوریٰ میں ایک ذی اثر رئیس کو شامل کرنے کا مسئلہ تھا، اس وقت حضرت گنگوہیؒ سرپرست تھے، حضرت کے سامنے تجویز آئی تو سختی سے ممانعت فرمائی، حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے عرض کیا کہ حضرت مصلحتاً اجازت دے دیجئے، کہیں فتنہ کی صورت نہ ہو جائے۔ حضرت گنگوہی نے فرمایا مولانا! آپ ایسا مشورہ دیتے ہیں؟ دیکھئے اصل مقصود رضائے الٰہی ہے مدرسہ نہیں ہے، مدرسہ چلے نہ چلے احکام کی خلاف ورزی نہیں کی جاسکتی خواہ کسی کو اچھا لگے یا برا لگے۔ شوریٰ دراصل اس کام کی امیر ہے کسی کو امیر بنانے کیلئے اس کے اندر اس کی اہلیت بھی تو ہونی چاہئے، ان رئیس صاحب میں اس دینی کام کے امیر ہونے کی اہلیت نہیں ہے تو میں کیسے اجازت دے سکتا ہوں؟ دیکھا آپ نے یہ تھے ہمارے اسلاف!

سارا جہاں خلاف پروا نہ چاہئے
مدنظر تو مرضئ جاناں چاہئے

اسی طرح ؎

تو اکیلا تیرے دشمن سینکڑوں یہ بھی نہ دیکھ
قدرت حق پر نظر رکھ اپنی کمزوری نہ دیکھ

## ㉜ اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھنا چاہیے

دیکھئے! حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک طرف تھے اور پورا ملک ایک طرف تھا، کچھ پروانہ کی اور فرمایا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھا اور اسی سے مانگا اللہ تعالیٰ کی نصرت کی شان یہ ہے کہ وہ آجائے تو پھر کسی کی نصرت کی ضرورت نہیں اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ آج مصائب آتے ہیں تو ہم غیر اللہ کی طرف دھیان کرتے ہیں۔

کیسا یہ انقلاب ہے دیکھ کے دل کباب ہے
کہتے ہیں اب ثواب ہے سود اور قمار میں

سلطان عبدالحمید خان اسلام پسند آدمی تھے، اور اسلام کیلئے کوششیں کرتے رہتے تھے ان سے لوگوں نے کہا اس وقت دنیا کے حکمرانوں میں آپ کی مثال بتیس دانتوں کی بیچ میں ایک زبان کی سی ہے، آپ اکیلے کہاں تک مقابلہ کرتے رہیں گے تو مسکرایا اور جواب دیا کہ تجربہ یہی ہے کہ دانت تو ایک ایک کر کے گر جاتے ہیں مگر زبان نہیں ختم ہوتی۔ یہ ہے مومن کی حوصلہ مندی! بس اللہ کی ذات پر بھروسہ کرنا چاہئے، اسی سے ہمت پیدا ہوتی ہے۔

## ㉝ تہجد کی عادت ڈالنا چاہیے

حرم شریف کے قیام کو غنیمت سمجھنا چاہئے، اور اس سے خوب استفادہ کی کوشش کرنی چاہئے، ایک اہم عمل تہجد کا ہے، اس کی پابندی کا اہتمام کریں، حدیث پاک میں اسکے بہت فضائل آئے ہیں۔ ایک حدیث میں آپؐ نے ارشاد فرمایا ''اپنے اوپر تم لوگ تہجد کو لازم کرلو'' پھر آپ نے اس کے چار بڑے بڑے فائدے بیان فرمائے۔

① انه داب الصلحين قبلكم — وہ تمام صالحین کی عادت ہے۔
② وهو قربة لكم الى ربكم — وہ تم کو اللہ تعالیٰ سے قریب کرنے والی ہے۔
③ مكفرة للسيئات — گناہوں کا کفارہ ہے
④ منهاة عن الاثم — نافرمانیوں اور گناہوں سے روکنے والی ہے

اس لئے اس کی عادت ڈالنا چاہئے، کوشش کرنے سے ہر کام آسان ہوجاتا ہے تھوڑی توجہ اور اہتمام سے کام لیں، انشاء اللہ یہ نعمت بھی مل جائیگی۔

## خطاب بہ اہلِ علم[۱]

### ۳۳ اہل علم کا مرتبہ بہت اونچا ہے

دین کے کام کرنے کے منافع کیا ہیں اور اہل علم حضرات کی کس قدر اہمیت ہے اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ بنگلہ دیش میں ابھی حال ہی میں ایسا ہوا کہ جو علماء سیاست میں حصہ لیتے ہیں انہوں نے سوچا کہ ہم لوگوں میں جو مختلف امور میں اختلاف ہو جاتا ہے وہ کیسے دور ہو؟ اس کے لیے کیا کرنا چاہیے؟ ان حضرات نے یہ طے کیا کہ اس کیلئے علماء کرام کی ایک جماعت ہو جن کے فیصلوں کو ہم سیاسی جماعت کے اہل علم مان لیا کریں۔ چنانچہ ان کی خواہش پر تیس پینتیس علماء پر مشتمل ایک جماعت تشکیل دی گئی جسے انہوں نے اپنے اختلافات میں حکم تسلیم کرلیا، دیکھا آپ نے؟ یہ ہے بوریا نشین علماء کا مقام کہ بڑے بڑے سیاسی لوگ کہتے ہیں کہ یہ علماء جو بھی فیصلہ دیں گے ہم مان لیں گے۔ اسی وجہ سے اہل علم کو متوجہ کیا جاتا ہے کہ اپنی اصلاح اور تربیت کی فکر میں رہیں چونکہ ان پر بڑی ذمہ داریاں ہیں اور ان کا بہت اونچا مقام ہے۔ اب دیکھئے جو علماء سیاست میں مشغول تھے انہیں علمی خدمات میں مشغول علماء سے رجوع کرنا پڑا۔ ان کی نظر ایسے علماء ہی پر پڑی جو یکسوئی سے کام میں لگے ہوئے ہیں۔

---

[۱] حضرت والا مدظلہٗ مدرسہ فیض العلوم حیدرآباد میں تشریف فرما تھے، شہر کے چند علماء کرام ملاقات کیلئے حاضر خدمت ہوئے تو حضرت والا نے ملاقات کے بعد حسبِ معمول کچھ ارشادات فرمائے، اس عاجز نے اسی وقت ان باتوں کو نوٹ کرلیا تھا ذیل میں پیش ہیں۔ ان ملفوظات پر حضرتؒ کی نظر ثانی بھی ہوگئی تھی۔

## ۳۵ حضرت حکیم الامتؒ کی دقت نظر

اس صورت حال کو حضرت والا تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے بہت پہلے بھانپ لیا تھا۔ ایک دفعہ مولانا شبیر علی صاحب سے فرمایا: میاں شبیر علی! اب جو انقلاب آنے والا ہے آثار ایسے ہیں کہ اقتدار اور حکومت اہل دنیا کے ہاتھ میں چلی جائے گی۔ اب زعماء اور علماء دونوں کے مستقل اور علیحدہ علیحدہ کام ہیں، زعماء کا کام یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو من حیث القوم مٹنے نہ دیں اور علماء کا کام یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کا من حیث المذہب تحفظ کریں۔ معلوم ہوا کہ علماء کی بہت بڑی ذمہ داری اور بہت بڑا منصب ہے، انہیں اپنے اور قوم کے حالات پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے، تاکہ وہ ان کی اصلاح حال کر سکیں اور مذہبی زندگی استوار اور درست رکھ سکیں۔

## ۳۶ امت کے مصائب ٹلتے کیوں نہیں؟

آج ہر طرف منکرات پھیلتے جارہے ہیں، آپ حضرات اخبارات دیکھتے رہتے ہیں، کیسے کیسے حادثات پیش آرہے ہیں اور آئے دن نت نئی برائیاں معاشرہ میں بڑھتی جارہی ہیں، لیکن آپ ہی بتایئے ان کے انسداد اور روک تھام کی کماحقہ کوششیں ہو رہی ہیں؟، انفراداً تو ماشاء اللہ ہو رہی ہیں لیکن کیا جماعتاً بھی ہو رہی ہیں؟ ظاہر ہے کہ اکثر مقامات پر نہیں ہو رہی ہیں۔ سارے ہندوستان میں چلے جایئے ہر جگہ مساجد کا نظام چلانے کیلئے بھی جماعت ہے، مدرسوں کے چلانے کے لیے بھی جماعت ہے، رفاہی کاموں کیلئے بھی جماعت ہے، سیاسی کاموں کے لئے بھی جماعت ہے۔ پوچھ لیجئے اس مسجد کا نظام کون چلا رہا ہے؟ معلوم ہوگا فلاں فلاں حضرات کی جماعت ہے۔ اس مدرسہ کا انتظام کون کر رہا ہے؟ فلاں فلاں صاحب کی جماعت بنی ہوئی ہے، کیا یہاں دین کا کام ہوتا ہے؟ جواب ملے گا ہاں صاحب فلاں جگہ مرکز ہے، جماعتیں آتی ہیں، بھلائیوں کو پھیلانے کا کام ہو رہا ہے۔ لیکن اگر آپ یہ سوال کریں کہ یہاں کوئی ایسی جماعت بھی ہے جو برائیوں پر روک ٹوک اور اس کے خاتمہ کے لیے جدوجہد کرتی ہو تو اس کا جواب اکثر مقامات پر نفی میں ملے گا۔ میں نے کئی مقامات پر یہ سوال کیا، حضرات اہل علم بھی تھے اور وہ لوگ ماشاء اللہ اہل دیانت وتقویٰ تھے، وہاں کئی

مدارس بھی تھے اور دین کے دوسرے کام ماشاء اللہ ہوتے ہیں، میں نے پوچھا کہ نہی عن المنکر کا کام بھی ہو رہا ہے؟ جواب ملا کہ علماء کرام منکرات کے سلسلہ میں وعظ فرماتے رہتے ہیں۔ میں نے کہا یہ تو ٹھیک ہے مگر جماعتی سطح پر بھی یہ کام ہو رہا ہے؟ اس کام کیلئے بھی یہاں کوئی جماعت ہے؟ معلوم ہوا کہ نہیں ہے۔ کیوں صاحب! جب اس کام کے لیے جماعت کا ہونا شریعت میں مامور بہا ہے تو پھر اس کا اہتمام کیوں نہیں کیا جاتا؟ کہیں کہیں کسی کسی فرد کے کرنے سے یہ حکم کیسے پورا ہو جائے گا؟

## ۳۷ ایک عام غلط فہمی

یہ ایک غلط فہمی کا نتیجہ ہے وہ یہ کہ عام طور سے لوگ جو کام ہو رہے ہیں انہیں کو کافی سمجھتے ہیں، اس لیے جو دین کے بقیہ کام ضروری ہیں مگر نہیں ہو رہے ہیں ان کی طرف دھیان نہیں جاتا، توجہ نہیں ہوتی۔ اسی لیے میں کہا کرتا ہوں کہ جو کام ہو رہے ہیں وہ نافع تو ہیں مگر کافی نہیں۔ مدارس نافع تو ہیں کافی نہیں ہیں، کیوں بھائی! دیوبند میں اتنا بڑا مدرسہ ہے، سہارنپور میں اتنا بڑا مدرسہ ہے، یہاں حیدرآباد میں بڑے بڑے مدارس ہیں، پھر اور مدرسے قائم کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اسی لیے نا کہ کافی نہیں ہیں۔ اسی طرح انفراد اً علماء کا کام نافع تو ہے مگر کافی نہیں۔ تبلیغ کی محنت ماشاء اللہ پورے عالم میں پھیل رہی ہے، اثرات و برکات بھی ظاہر ہو رہے ہیں بہت نافع ہے، مگر کافی یہ بھی نہیں ہے۔ ایک ہی جماعت کیا ضروری ہے کہ سب کام کرے؟ اور یہ دشوار بھی ہوتا ہے، تو پھر نہی عن المنکر کے لئے کوئی جماعت کیوں نہیں بنائی جاتی؟ اس کام کا نام تبلیغ عوام نے رکھ دیا ہے، یہ نام بڑوں کا رکھا ہوا نہیں ہے اور نہ ہی تبلیغ شرعی کا اس کام پر مکمل اطلاق ہوتا ہے۔ سب ہی جانتے ہیں کہ تبلیغ شرعی تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مجموعہ کا نام ہے، چنانچہ خود حضرت مولانا الیاس صاحب نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ یہ نام میں نے نہیں رکھا، اگر میں اس جماعت کا نام رکھتا تو نماز کی تحریک رکھتا، تبلیغی جماعت نہ رکھتا۔ اور اب اگر پڑ گیا ہے یہ نام تو اس میں کیا حرج ہے؟ رہنے دیا جائے مگر تبلیغ کا جو حصہ عملاً و جماعتاً متروک ہے، اس سے غفلت تو نہیں برتی جا سکتی، یہ بھی ایک اصلاحی کام ہے ہونا چاہیے، اور وہ بھی ایک اصلاحی کام ہے اسے بھی ہونا چاہیے۔

۳۸ آج مجھے سمجھ میں آیا

اس غلط فہمی پر مجھے ایک واقعہ یاد آیا۔ میں جب امریکہ گیا تھا تو وہاں مسجد میں عرب امام تھے، اچھے عالم ماشاءاللہ، ان سے میری ملاقات ہوئی اور کچھ گفتگو ہوئی تو بہت مسرور ہوئے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ ہندوستان سے کچھ لوگ آتے ہیں اور اس کو تبلیغی جماعت کہتے ہیں یہ کون لوگ ہیں اور ان کے خیالات کیا ہیں؟ میں نے ان سے کہا: یہ لوگ اہل حق ہیں اور ہمارے اکابر ہی سے ان کا تعلق ہے۔ جب انہوں نے سنا کہ اہل حق ہیں تو تعجب سے دیکھنے لگے، ان کا منشایہ تھا کہ دین تو صرف چھ باتوں کا نام نہیں ہے، اور وہ لوگ صرف اسی کی بات کرتے ہیں، پھر بھی آپ انہیں صحیح کہتے ہیں؟۔ ایسے موقعہ پر میرا معمول ہے کہ میں دل ہی دل میں مشائخ سلسلہ کے توسل سے دعا مانگ لیتا ہوں اور اللہ پاک مناسب جواب سے امداد فرماتے ہیں۔ میں نے فوراً دعا کی تو دل میں ایک بات آئی، میں نے ان سے کہا: یہ تبلیغی نہیں اصلاحی جماعت ہے، ان کا منشا امت مسلمہ کی اصلاح و درستی ہے، اور اس کے لیے ایک سیدھا سادا طریق تجویز ہے، اس لیے ان امور پر زور دیتے ہیں، بس اس تقریر سے ان کی غلط فہمی دور ہوگئی اور اس قدر مطمئن ہوئے کہ اٹھ کر میری پیشانی کو بوسہ دیا پھر انہوں نے فرمایا کہ آج سمجھ میں آئی بات، مجھے عرصے سے اس کام پر اشکال تھا۔

۳۹ علماء کرام وجد میں آگئے

اسی طرح لندن میں ایک جگہ وہاں کے معروف اور مقتدر علماء جمع تھے، وہاں بھی ماشاءاللہ کافی کام ہورہے ہیں، مساجد کے ذریعے، جماعتوں کے ذریعے اور دوسرے طریقوں سے بھی، میں نے انہیں یہی بات نہی منکرات کی ضرورت کی سمجھائی کہ یہ کام بھی ضروری ہے، من حیث الجماعت ہونا چاہیے۔ پھر حضرت والا تھانویؒ کے رسالہ "دعوۃ الداعی" میں سے ایک مضمون سنایا جو دعوۃ الحق کے کام سے متعلق ہی ہے۔ اس مضمون کو سن کر وہ علماء کرام وجد میں آگئے اور بہت متاثر ہوئے، انہوں نے حضرت والاؒ کی دقت نظر اور اس کام کی اہمیت کا اعتراف کیا۔

### (۳۰) پھر آپ کو بھی اسی دروازہ سے داخل ہونا چاہئے

ہمارے یہاں ایک اور واقعہ پیش آیا۔ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ تبلیغ کا کام جب ہو رہا ہے تو پھر آپ یہ دوسرا کام کیوں کر رہے ہیں، آپ اسی میں کیوں نہیں لگ جاتے۔ میں نے کہا آپ حضرت تھانویؒ کو کیسا سمجھتے ہیں؟ کہنے لگے کہ انہیں میں اہل حق اور بڑا عالم سمجھتا ہوں، میں نے کہا پھر انہوں نے ہی تو یہ کام شروع کیا ہے، انہوں نے دوسرے کاموں کو کافی نہیں سمجھا؟ جب آپ ان کو بڑا عالم مانتے ہیں تو ان کی بات کیوں نہیں مانتے؟ پھر میں نے عرض کیا کہ سب دین کے کام ہیں، سب کاموں کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا ہے، اور دین کی حفاظت و اشاعت ہے۔ پھر میں نے ایک حسی مثال سے بات سمجھانے کے لیے ان سے کہا کہ کسی مسجد میں داخل ہونے کے اگر تین دروازے ہوں، تو ظاہر ہے کہ ہر دروازہ سے داخل ہونے والا مسجد ہی میں آئے گا، کہیں اور تو نہیں پہونچے گا؟ کہا ہاں! میں نے پوچھا: تو پھر آپ اس مسجد میں داخلہ کے لئے لوگوں کو کسی ایک دروازے کا پابند کریں گے؟ کہا: ہاں! میں تو ایک ہی دروازے کا پابند کروں گا، میں نے کہا: میرے نزدیک آپ کا یہ جواب صحیح نہیں ہے لیکن آپ کے اصول ہی سے کہتا ہوں کہ ایسا ہے تو آپ بھی اسی دروازے سے دین میں داخل ہو جائیں، یعنی دعوۃ الحق کے کام میں میرے ساتھ لگ جائیں، بس چپ ہو گئے۔

### (۳۱) دعائیں کیوں قبول نہیں ہو رہی ہیں؟

میرے عزیز دوستو! دین کے اس کام کی طرف یعنی نہی عن المنکر اور برائیوں کے مٹانے کے کام کی طرف آج کل جماعتی حیثیت سے توجہ نہیں ہو رہی ہے، جو بہت فکر کی بات ہے۔ آج پوری امت مصائب و مظالم میں گھری ہوئی ہے۔ بعض ملکوں میں مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے سب کو معلوم ہے، کیا ہمارے اعمال ان سے اچھے ہیں؟ ہمارا حال بھی ایسا ہی ہو رہا ہے، ان مصائب کے ازالہ کے لئے سارے عالم میں دعائیں ہو رہی ہیں، حرمین شریفین میں ہو رہی ہیں، مگر ان مصائب میں کوئی تقلیل و کمی نظر نہیں آ رہی ہے۔ امت مسلمہ پر ایک نظر ڈال کر دیکھ لو، آخر کیوں ایسا ہو رہا ہے؟ وہی بات کہ دعائیں تو ہو رہی ہیں مگر برائیوں کو مٹانے کی فکریں نہیں ہو رہی ہیں، مصیبتوں کے اسباب دور نہیں کئے جا رہے ہیں۔

## ﴿۴۲﴾ جب نافرمانیاں کھلے طور پر ہونے لگیں

اور حدیث پاک میں کیا آیا ہے؟، دیکھ لو "فضائل تبلیغ" حدیث نمبر تین سے سات تک، اس کے تحت حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کی شرح بھی دیکھ لو کہ وہ ان احادیث کی کیا تشریح فرمارہے ہیں۔ مثلاً حدیث نمبر پانچ ہے[1]۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "لا الہ الا اللہ اپنے پڑھنے والے کو نفع دیتا ہے، اور اس سے عذاب کو دفع کرتا ہے، جب تک کہ اس کے حقوق سے بے پرواہی اور استخفاف نہ کیا جائے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اس کے حقوق سے بے پرواہی اور استخفاف کا کیا مطلب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کی نافرمانیاں کھلے طور پر کی جارہی ہوں اور انہیں بند کرنے کی کوشش نہ کی جارہی ہو"۔ اس کی تشریح کرتے ہوئے حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں: اب آپ ہی ذرا انصاف سے فرمائیں کہ اس زمانہ میں اللہ کی نافرمانیوں کی کوئی انتہا اور کوئی حد ہے؟ (یہ کب فرمارہے ہیں؟ آج سے ترسٹھ سال قبل فرمارہے ہیں۔ فضائل تبلیغ لکھ کر ۶۳ رسال ہو گئے، اس وقت فرمارہے ہیں، اور اب تو حال اس سے بہت زیادہ بگڑا ہوا ہے۔) پھر حضرتؒ خود ہی سوال فرمارہے ہیں کہ ان برائیوں کے روکنے یا بند کرنے یا کم از کم تقلیل کی کوئی سعی یا کوئی کوشش ہے؟ پھر خود ہی جواب دے رہے ہیں اور بہت سخت جواب دے رہے ہیں کہ "ہرگز نہیں"۔ مجھے شیخ کے اس جملے کی توجیہ وتاویل کرنی پڑتی ہے کہ باعتبار عموم کے نفی فرمارہے ہیں، یعنی اکثر جگہ نہیں ہے، یا جماعتی حیثیت سے نہیں ہے، ورنہ بعض بعض اللہ کے بندے تو کر ہی رہے ہیں۔ میں نے ایک جگہ یہ مضمون سنایا تو ایک صاحب پوچھنے لگے: کیا یہ بات تبلیغی نصاب میں ہے؟ میں نے کہا: ہاں! آپ لوگ غور سے پڑھتے ہی نہیں تو کیسے معلوم ہو؟۔

---

[1] فضائل اعمال: صفحہ نمبر ۱/ ۱۳

## (۴۳) ورنہ اللہ تعالیٰ اپنا عذاب تم پر نازل کردے گا

حدیث پاک میں ہے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "والذی نفسی بیدہ لتأمرن بالمعروف اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم لوگ ضرور اچھی باتوں کا حکم کرتے رہو۔ ولتنھون عن المنکر اور بری باتوں سے روکتے رہو" دیکھئے مستقل حکم دیا جا رہا ہے برائیوں سے روکنے کا، لام اور نون کی دو دو تاکیدیں ہیں۔ آگے کیا ارشاد فرما رہے ہیں غور سے سنو: "اولیوشکن اللہ ان یبعث علیکم عذابا من عندہ یا تو یہ کام کرو یا اللہ تعالیٰ بہت جلد تم پر اپنے پاس سے عذاب بھیجے گا"۔ من عندہ فرما رہے ہیں، اپنے پاس سے عذاب کا کیا مطلب؟ پوری زندگی کا تلخ ہو جانا "ثم لتدعون ولا یستجاب لکم پھر تم اس سے دعائیں مانگو گے مگر قبول نہ کی جائینگی[1]" اب سمجھ میں آیا کہ سارے عالم میں مسلمانوں کے لیے دعائیں ہو رہی ہیں اس کے باوجود مصائب کیوں گھٹتے نظر نہیں آرہے ہیں۔

## (۴۴) علماء کرام اور ائمہ عظام اپنی ایک تنظیم بنائیں

میرے عزیز دوستو! میں اسی لیے عرض کیا کرتا ہوں اہل علم حضرات سے کہ وہ اس طرف خصوصی توجہ دیں، اپنی ایک جماعت بناویں، غیر علماء بھی شریک ہونا چاہیں تو ممانعت تو نہیں ہے، لیکن کام خاص طور سے اہل علم اور ائمہ کرام کی توجہ چاہتا ہے، کیونکہ ان کی وجہ سے اوران کے ذریعہ سے کام سہل ہو گا چاعدے کے مطابق ہو گا۔ ہر شہر میں ائمہ کرام کی تنظیم بنائیں تاکہ کبھی کبھی مہینہ میں ایک آدھ بار جڑ کے بیٹھ سکیں، پھر سوچیں اور مشورہ کریں کہ اس وقت کس منکر کی طرف زیادہ توجہ کی ضرورت ہے، پھر سب مل کر اس کا نظام بنائیں۔ اس وقت بنگلہ دیش میں کام بہت اچھی طرح ہو رہا ہے، شروع میں تو ایک آدھ صاحب لگے تھے اب ماشاء اللہ پورے ملک میں پھیل گیا ہے۔ اور ہر کام اسی طرح شروع ہوتا ہے پھر صحیح محنت سے بڑھتا ہے، ماشاء اللہ تین سو علماء کی جماعت بن گئی ہے، وہ حضرات اسی طرح جمع ہو کر

[1] صحیح سنن الترمذی: ۲/ ۲۳۳

مشورہ کر کے ایک عنوان طئے کر لیتے ہیں پھر سب اسی عنوان پر بیان کرتے ہیں۔ تین سو علماء کا حلقہ کوئی معمولی ہوتا ہے؟

## ۴۵ اجتماعی کام کا فائدہ یہ ہے

مثال کے طور پر معلوم ہوا کہ وہاں ایک بدعت یہ رائج تھی کہ میت کو قبر میں چت لٹا کر منھ قبلہ کی طرف موڑ دیتے تھے حالانکہ بالاتفاق حکم یہ ہے کہ میت کو قبلہ رو کروٹ پر لیا جائے[1] اب ان حضرات نے مشورہ میں طئے کیا کہ یہ حکم عام کرنا چاہیے، چنانچہ ایک جمعہ کو سب علماء نے اپنی اپنی مسجدوں میں یہ مسئلہ بتایا، نتیجہ یہ ہوا کہ جب لوگ آپس میں تعجب سے ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ہمارے امام صاحب نے آج یہ مسئلہ بتایا ہے تو فوراً دوسرا شخص کہتا کہ ہمارے امام صاحب نے بھی یہی کہا ہے، تیسرے نے کہا ہمارے امام صاحب نے بھی یہی کہا اس طرح خوب چرچا ہوا، لوگ علماء سے رجوع ہونے لگے تو صحیح بات سامنے آنے لگی۔ یہ فائدہ ہوگا اس تنظیم کا اور اس طرح کام سہل ہوتا چلا جائے گا، ایک عالم اگر کہتا ہے تو لوگ آسانی سے تھوڑا ہی مانتے ہیں؟ ایک پوری جماعت کہتی ہے تو اثر ہوتا ہے۔

## ۴۶ مسجدیں اہل حق کے ہاتھوں سے نکلتی جارہی ہیں

آج نہی عن المنکر کی فکر نہ کرنے اور حق بات نہ بتلانے کا نتیجہ کیا ہو گیا ہے؟، لوگ باطل کو حق سمجھنے لگے ہیں اور حق کو باطل۔ عجیب معاملہ ہے اہل باطل تو سنتوں پر نکیر کر رہے ہیں اور اہل حق کو بدنام کر رہے ہیں، اور لوگ ان کے کہنے میں آکر گمراہ ہوتے جارہے ہیں لیکن اہل حق باطل کو باطل کہنے کا کام اکثر جگہوں پر چھوڑے ہوئے ہیں۔ بعض جگہوں پر ایسا ہوا کہ وہاں اسّی فیصد مسجدیں اہل حق کی تھیں اب اہل بدعت کی ہوگئیں ہیں، ان کے قبضہ میں چلی گئیں ہیں۔ کیوں؟ ان بیچاروں کو بتایا ہی نہیں گیا کہ سنت کیا ہے؟ دین کیا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ کیا ہے؟ اہل باطل نے انہیں خوب بتایا کہ یہ لوگ غلط ہیں، اسلئے باطل کو باطل بتلانے کی ضرورت ہے۔ ہاں! بتانے کا طریق عمدہ ہونا چاہیے، عنوان دل کش ہونا چاہیے۔

---

[1] فتاوی رشیدیہ ص: ۷۳

## ۴۷ عنوان کا بڑا اثر ہوتا ہے

مجھے اپنا واقعہ یاد آیا: میں نے ایک مرتبہ تھانہ بھون میں عید کی نماز میں دیکھا کہ حضرت والا نور اللہ مرقدہ نے اعلان فرمایا تھا عید کی نماز کے بعد مصافحہ اور معانقہ بدعت ہے اور مجھے اس کا تحمل بھی نہیں ہے تو سب لوگ نکل کر چلے گئے۔ پھر میں جب فارغ ہو کر ہر دوئی آیا اور مجھے عیدگاہ میں نماز پڑھانے کے لئے طے کیا گیا تو میں نے حضرت والا کو لکھ کر پوچھا کہ کیا میں بھی یہاں اسی طرح اعلان کروں؟ حضرت والا نے جواب لکھا کہ اس طرح نہیں کرو بلکہ اس عنوان سے کہو کہ نماز کے بعد مصافحہ اور معانقہ سنت سے ثابت نہیں۔ دیکھئے! بات تو ایک ہی ہے لیکن عنوان کا بہت بڑا اثر ہوتا ہے، چنانچہ دھیرے دھیرے ہمارے ہاں بھی اب کوئی گلے نہیں ملتا، حالانکہ بہت بڑا مجمع ہوتا ہے، اطراف سے لوگ عید پڑھنے آجاتے ہیں، اسی لئے کہتا ہوں کہ نکیر تو ہونی چاہئے مگر عنوان نرم ہونا چاہیے۔

## ۴۸ مخالف حمایتی بن گئے

مجھ سے خود ایک صاحب نے اپنا واقعہ بتلایا کہ بمبئی کے لوگوں نے مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ کو بلایا تھا تو وہاں کے لوگوں نے ان کے خلاف بہت پروپگنڈہ کیا کہ وہابڑا آرہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ شب کو جلسہ ہو رہا تھا تو میں خود ایک بڑا ڈنڈا لے کر گیا کہ اگر وہ کچھ غلط بات کہیں تو پھر میں سر توڑ دوں گا اس ڈنڈے سے لیکن خیر جب مولانا کا بیان سنا تو وہ صاحب خود کہتے ہیں کہ میں اس قدر متاثر ہوا کہ میں نے اعلان کیا: اگر اسی کا نام وہابی ہونا ہے تو میں بھی آج سے وہابی ہوں۔ اور پھر انہی صاحب نے ان اشرار کو جنہیں لے کر مولانا کے خلاف پروپگنڈہ کیا تھا خبردار کیا کہ آئندہ سے وہ ان علماء کے نام پر نہ آئیں۔

## ۴۹ آج سے ہم سب وہابی ہیں

حضرت مفتی محمود صاحب دامت برکاتہم کے ساتھ بھی ایسے واقعات پیش آئے، ایک دفعہ جب مفتی صاحب کانپور میں تھے تو ایک گاؤں میں ..... جہاں حشمت علی صاحب کے بہت مرید تھے، گاؤں کا بڑا بھی ان کا مرید تھا..... حضرت مفتی صاحب کا بیان طے ہوا، جو مجمع

آیا تھا اس میں اکثریت مخالفین کی تھی، مفتی صاحب نے بہت طویل بیان کیا، کافی دیر تک آپ کا بیان ہوتا رہا بلکہ شائد صبح تک چلا، جب بیان ختم ہوا تو مخالفین نے وہاں علی الاعلان کہہ دیا کہ اگر اسی کا نام وہابیت ہے تو آج سے ہم سب وہابی ہیں۔ پھر حشمت علی صاحب کا دورہ ہوا تو مریدوں نے ان سے صاف کہدیا کہ آپ ہمارے بڑے پیر ہیں ہم آپ کی خدمت ضرور کریں گے مگر تقریر نہیں کرنے دیں گے۔ دیکھو یہ اثر ہوتا ہے بشرطیکہ حکمت سے سنتوں کی طرف دعوت دی جائے، ان بے چاروں کو تو یہ باور کرایا گیا تھا کہ یہ لوگ گستاخ رسول ہیں۔

## ﴿۵۰﴾ ایک دن میں بیس سنتیں سیکھ لیں

ایک دفعہ خود ہمارے ہاں مسجد میں ایک صاحب آئے جو اختلاف کی وجہ سے دوسری مسجد میں نماز پڑھتے تھے۔ اس دن مجھ سے کہنے لگے کہ میں یہاں کے بارے میں بہت کچھ سنتا تھا اور اسی وجہ سے کبھی آتا بھی نہیں تھا، آج اتفاق سے آ گیا مجھے ایک ہی نماز میں بیس سنتوں کا علم ہوا۔ عصر کی نماز تھی اور ہمارے ہاں عصر کے بعد سنتیں بتلانے کا ایک نظام ہے، کہنے لگے کہ ایک ہی دن میں بیس سنتیں سیکھ لیں، اور جہاں پہلے جایا کرتا تھا اب تک وہاں کچھ نہیں سیکھا۔

## ﴿۵۱﴾ ایک عالم کا حسن فہم وتدبیر

ایک مولوی صاحب جب فارغ ہو کر اپنے وطن آئے تو انہوں نے ایک اچھی ترکیب نکالی کہ بریلی خط لکھا اور اس میں اپنا نام ظاہر کئے بغیر پوچھا کہ شامی عالمگیر وغیرہ کتابیں کیسی ہیں؟ مستند ہیں یا غیر مستند؟ انہوں نے فتوی دیا کہ یہ سب کتابیں مستند ہیں۔ بس اب وہ جہاں جاتے وہ کتابیں اور یہ فتویٰ ساتھ رکھتے اور ساری باتیں سنت کے مطابق لوگوں کو بتلاتے رہتے۔ اگر کوئی اعتراض کرتا تو کتاب کھول کر دکھا دیتے، ساتھ ہی فتویٰ بھی بتا دیتے کہ یہ کتابیں بریلی کے علماء کے ہاں معتبر ہیں، اب لوگوں کو مانے بغیر چارہ نہ ہوتا تھا، یوں انہوں نے حکمت عملی سے کام آسان کر لیا۔

## ﴿۵۲﴾ آپ کے لیے تو پانچ گھنٹے کی اجازت ہے

بنگلہ دیش میں ایک مسجد بہت غالی قسم کے اہل بدعت کی تھی، اس قدر شدت کہ تبلیغی

جماعت کا داخلہ تک ممنوع تھا۔ دعوۃ الحق سے وابستہ چند عالم وہاں پہونچے اور متولی سے خواہش کی کہ ہمیں تھوڑا وقت دیا جائے کچھ کہنے کے لیے، ان لوگوں نے بات سلیقہ اور عمدگی سے رکھی تھی، متولی نے کہا: اچھا پندرہ منٹ کی اجازت دی جاتی ہے۔ ان لوگوں نے کہا پندرہ منٹ بہت ہیں ہمیں تو پانچ منٹ کافی ہیں۔ چنانچہ نماز کے بعد پانچ منٹ کا اعلان کیا اور آیت اقیموا الصلوۃ پڑھ کر مختصر تشریح کی اور کہا کہ ہم لوگ حنفی ہیں اور احناف کے طریقہ پر نماز میں اکاون سنتیں ہیں، ہم دیکھ لیں کہ ہماری نماز سنت کے مطابق ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو فکر کرنی چاہیے، بس بات ختم کردی۔ متولی بھی بیٹھے ہوئے تھے کہ دیکھیں کیا کہتے ہیں۔ جب اُن کی بات سنی تو کہنے لگے مولانا! آپ کے لیے تو پانچ گھنٹے کی اجازت ہے۔ مولانا نے کہا اب تو موقعہ نہیں ہے، پھر ان کی خواہش اور اصرار پر عشاء کے بعد ڈیڑھ گھنٹہ بیان کیا اور سامعین سب مخالف ذہن کے ہونے کے باوجود بہت متاثر ہوئے۔

## ۵۳ اصلی ہیرے الماریوں میں بند کئے ہوئے ہیں

میرے عزیزو! یہ برکت ہے سنتوں کی! آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہمارے پاس اصلی ہیرے جواہر ہیں مگر ہم نے اسے الماری میں بند کر کے رکھا ہوا ہے، اور دوسرے لوگ نقلی جواہر مارکٹ میں لاکر ان کو پھیلا رہے ہیں، اتباع سنت میں بڑا اثر ہے، ظاہراً بھی باطناً بھی۔ حضرت مولانا یعقوب صاحبؒ مراد آباد تشریف لے گئے، تو وہاں کے مخالفین صرف ان کی زیارت ہی سے ان کی طرف مائل ہوگئے، ہاں! چہرے بشرے سے متاثر ہوگئے۔ ایک شخص نے کہا کہ اگر یہ دیندار نہیں تو پھر دنیا میں کون دیندار ہوگا، اگر یہ مسلمان نہیں ہیں تو پھر کون مسلمان ہوگا؟ سچ ہے۔

مرد حقانی کی پیشانی کا نور
کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

## ۵۴ ہماری کمزوری کی وجہ کیا ہے

ہم نے خمیرہ کھانا چھوڑ دیا ہے۔ یعنی اتباع سنت میں کمی کردی ہے، ورنہ ہم اتنے

کمزور نہ ہو جاتے، آج مسجدوں میں ہماری اذان واقامت تک صحیح نہیں ہے، نمازیں سنتوں کے موافق عام طور سے نہیں پڑھی جارہی ہیں، اہل علم تک اس میں کوتاہی کرتے ہیں، مثلاً: رکوع میں پیر پیچھے کی طرف، جھکا دینے کی عام عادت ہے، حالانکہ ٹانگوں کو سیدھا کھڑا رکھنا سنت ہے، حضرت مفتی محمود صاحبؒ نے فرمایا رکوع نصف قیام ہے، یعنی کمر سے اوپر کا حصہ جھکایا جاتا ہے اور نیچے کا حصہ بالکل اسی طرح رہتا ہے جس طرح قیام میں ہے۔ سیکھتے نہیں سیکھنے کی فکر نہیں، اسی طرح مسجد میں داخل ہونے نکلنے کی سنتیں ہیں، ہم غور کریں کہ ہم میں سے کتنے لوگ اس کا اہتمام کرتے ہیں، بعضے لوگ باتیں کرتے کرتے داخل ہو جاتے ہیں، بعض ویسے ہی بغیر دعا کے چلے جاتے ہیں، حرم شریف میں لوگ ساٹھ ستر ہزار خرچ کر کے جاتے ہیں وہاں بھی خلاف سنت مسجد میں داخل ہو جاتے ہیں کیونکہ یہاں مشق کئے ہوئے نہیں ہیں۔

## ۵۵ اپنی اصلاح کی فکر بہت ضروری ہے

بہر حال اہل علم حضرات کو خود اپنی اصلاح کی فکر کرنا بھی ضروری ہے، جاننا اور ہے عمل کرنا اور ہے۔ حضرت والا تھانوی نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ اصلاح نفس فرض ہے، اسلئے میں فتویٰ دیتا ہوں کہ آج کل صحبت علماء اہل حق بھی فرض ہے، چونکہ بغیر اس کے ایمان پر قیام دشوار ہو گیا ہے۔ اور جب ایمان کا تحفظ فرض ہے تو اس کے اسباب کا اختیار کرنا بھی فرض ہے، جیسے اصل میں تو نماز فرض ہے مگر اس کے صحیح ہونے کیلئے وضو بھی فرض ہے۔

## ۵۶ بیعت ضروری ہے یا اصلاح نفس؟

اصل چیز اصلاح نفس وتزکیہ قلب ہے، بیعت اصل نہیں ہے۔ کتابوں میں کہیں بیعت کو اہم کہا ہے اور کہیں اصلاح کو اہم بتلایا ہے تو اس سے اشتباہ ہو گیا۔ حضرت والا تھانوی نور اللہ مرقدہ نے اس کی تشریح اس طرح فرمائی کہ بیعت کی دو قسمیں ہیں۔ بیعت صوری دوسری بیعت حقیقی، بیعت صوری یہ ہے کہ کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر توبہ کر لی جائے، اور حقیقی واصلی بیعت اطلاع حالات واتباع ہدایات ہے، یہی دوسری قسم ضروری ہے، پہلی ضروری نہیں۔ مگر اب لوگ اُلٹا سمجھتے ہیں کہ مثلاً کسی بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں، ان کا

انتقال ہوگیا تو دوسرے بزرگ سے تجدید بیعت ضروری سمجھتے ہیں، تعجب ہوتا ہے کہ اکابر سے بیعت ہیں پھر اصاغر سے بیعت کی درخواست کرتے ہیں، حالانکہ تجدید بیعت ضروری نہیں، علاج کا سلسلہ جاری رہنا چاہیے، یہ ضروری ہے۔ اور اس غلط فہمی کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ لوگ بیعت تو بہت شوق واہتمام سے ہوتے ہیں مگر اس کے بعد نہ اطلاع نہ اتباع، برس دو برس کے بعد ملتے ہیں تو پوچھنا پڑتا ہے کہ آپ کون؟ بتلاتے ہیں کہ میں آپ کا مرید ہوں، فلاں وقت بیعت ہوا تھا۔ یہ کیا طریقہ ہے اس سے کیا فائدہ ہے؟ اصل طریقہ یہ ہے کہ مکاتبت اصلاحی کا آغاز کردیں، اصلاحِ حال ہوتی رہے، پھر کبھی موقعہ ہو تو بیعت کی درخواست کرلیں، کیوں کہ بیعت نفع کا موقوف علیہ نہیں ہے۔ بعض لوگ حضرت والا تھانویؒ سے مکاتبت کے ذریعہ رجوع ہوئے اور اصلاح کی تکمیل کی، حتیٰ کہ حضرت والا نے انہیں اجازت وخلافت بھی عطا فرمادی، تب کہنے لگے کہ ہمیں تو بیعت بھی نہیں ہوں، فرمایا: اس میں کیا حرج ہے؟ لاؤ اب کئے دیتے ہیں، چنانچہ تکمیل واجازت کے بعد بیعت کی نوبت آئی، اس لیے یہ خیال غلط ہے کہ بیعت اصل اور ضروری چیز ہے، ضروری تو بس اصلاحِ اخلاق ہے۔

## ۵۷ اصلاح کا صحیح طریقہ کار مکاتبت اصلاحی ہے

حیدرآباد میں ایک صاحب غیر متعارف میرے پاس آئے اور بیعت کی درخواست پیش کردی۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کا نکاح ہوا ہے؟ کہنے لگے ہاں شادی شدہ ہوں، میں نے پوچھا کہ نکاح کرنے کے لیے آپ اسی طرح لڑکی کے گھر چلے گئے تھے کہ میرا نکاح کردیجئے؟ کہا نہیں، پہلے روابط قائم کئے گئے تھے اور اس کے بعد نکاح ہوا۔ میں نے کہا اسی طرح پہلے خط وکتابت کیجئے، اصلاحی مکاتبت کا سلسلہ چلتا رہے، پھر جب طرفین کو مناسبت ہوگی اور ایک دوسرے پر اطمینان ہوجائے گا تو بیعت بھی ہوجائے گی۔

## ۵۸ ہم خیال پیر تلاش کرو

اسی طرح ایک اور صاحب سے میں نے ایسی ہی درخواست کے جواب میں پوچھا کہ بیعت ضروری ہے یا اصلاح؟ انہوں نے جواب لکھا بیعت۔ میں نے کہا آپ کے پاس ہو گی، میرے اکابر کے نزدیک تو اصلاح ضروری ہے، بیعت نہیں۔ پھر جب دونوں کے تحقیق

میں تضاد ہے تو معلوم ہوا کہ ایک دوسرے میں مناسبت نہیں اور مناسبت نہیں تو نہ آپ کو مجھ سے بیعت ہونا چاہیے نہ مجھے کرنا چاہیے، آپ اپنا ہم خیال مرشد تلاش کرلیں۔

## ۵۹ مجھے یہ مال پسند نہیں

بعض لوگ بہت ذہین ہوتے ہیں۔ایک صاحب میرے ہاں ہردوئی آئے کہنے لگے: بیعت کرلیجئے، میں نے انکار کیا، کہنے لگے: بیعت کے معنی بیچنے کے ہیں، میں اپنے آپ کو بیچ رہا ہوں، میں نے عرض کیا: جب کوئی چیز بیچنی ہوتی ہے تو یہ بھی ضروری ہے کہ خریدنے والے کو وہ چیز پسند ہو، مجھے یہ مال پسند نہیں، میں نہیں خریدنا چاہتا ہوں، تو ایسے ہوتے ہیں لوگ، سمجھتے ہیں کہ بس ذہانت سے کام نکل جائے گا۔اور یہ بات جوانہوں نے کہی علی الاطلاق صحیح نہیں ہے، بیعت کے معنیٰ اگر بیچنے کے ہی لئے جاویں تب بھی کیا جسم وجان بیچنا مراد ہے؟ (یہ تو حرام ہے) نہیں، بلکہ اپنی مرضی اور اپنی رائے کو بیچنا مراد ہے، کیونکہ حدیث میں ہے لایؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ[1] تم میں کوئی شخص اس وقت تک کامل مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنی خواہش کو میری شریعت کے تابع نہ کردے۔اہل اللہ نبی کے نائب اور ان کی طرف سے گویا وکیل ہوتے ہیں اور وکیل اپنے مؤکل کی طرف سے معاملت کرتا ہے، لہذا یہ خواہشات کو شیخ کے تابع کردینا ماجئت بہ کے تابع کرنا ہی ہوا، اس لیے ضروری ہے کہ آدمی پہلے اپنی رائے اور خواہش کو شیخ کے تابع کردے، اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔پھر وکیل بھی صحیح معنوں میں وکیل ہونا چاہیے، اس کی ظاہری علامت کمال اتباع سنت ہے۔اگر شیخ متبع سنت نہ ہو تو پھر ایسے شیخ کو چھوڑ کر الگ ہوجانا ضروری ہے۔

## ۶۰ طریق میں نفع کے چار اصول

جب اپنی اصلاح کے لیے یہ کام ضروری ٹھہرا اور اس تقریر سے اس کا اچھی طرح ثبوت ہوگیا تو اب اصلاحِ حال کی تکمیل کے لئے کچھ شرائط ہیں، ان کا جاننا بھی ضروری ہے حضرت والا تھانویؒ نے بہت جامع انداز میں بیان فرمادیا ہے اور اس کو خواجہ صاحبؒ نے ایک شعر میں سمودیا ہے۔

---

[1] مشکوۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ص: ۳۰

چار شرطیں لازمی ہیں استفادہ کے لیے

اتباع و اطلاع و اعتقاد و انقیاد

دیکھئے! جب کسی کو ڈاکٹر سے علاج کرنے کی ضرورت پڑتی ہے تو اسی ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے جس سے اس کو اعتقاد ہوتا ہے، وہ کہے کہ جانچ کراؤ فلاں فلاں چیز کی تو مانتا ہے اور کراتا ہے، یہ انقیاد ہے، جب رپوٹ آگئی ڈاکٹر نے دوا تجویز کردی تو کھانے لگتا ہے، یہ اتباع ہے۔ پھر دوا کھاتا رہتا ہے اور صورت حال کی اطلاع بھی کرتا رہتا ہے۔ بس جس طرح یہ چار چیزیں علاج جسمانی کے لیے ناگزیر ہیں اور آدمی اس پر عمل بھی کرتا ہے، اسی طرح روحانی اصلاح کیلئے بھی انہیں چار چیزوں کی ضرورت ہے۔ پھر جس طرح ان میں سے ایک پر بھی عمل نہ کرے تو صحت جسمانی مشکل ہے اسی طرح روحانی صحت بھی ان کے بغیر عادۃ محال ہے۔

اندریں رہ می تراش و می خراش تادم آخر دمے فارغ مباش

اسی طرح خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

جو ناکام ہوتا رہے عمر بھر بھی بہر حال کوشش تو عاشق نہ چھوڑے

یہ رشتہ محبت کا قائم ہی رکھ جو سو بار ٹوٹے تو سو بار جوڑے

(۶۱) اس سے آدمی محروم ہوجاتا ہے

جو لوگ اصلاحی مکاتبت رکھنا چاہتے ہیں انہیں اجازت دی جاتی ہے لیکن کبھی کام زیادہ ہوتا ہے یا معالج کام سے منع کرتا ہے تو پھر مجازین کی فہرست دیدی جاتی ہے کہ ان میں سے جس سے مناسبت ہو ان سے رجوع ہوں، کیوں کہ علاج مقصود ہوتا ہے۔ سرجن تک عام طور سے سب کی رسائی نہیں ہوتی، فزیشین سے کام چلالیا جاتا ہے، اس لیے اس میں عار نہیں محسوس کرنا چاہیے کہ یہ تو ہمارے پیر بھائی ہی ہیں ان سے کیسے رجوع ہوں۔ بعض بزرگوں کے ہاں ایسا ہوا کہ انہوں نے اپنے بعض مریدوں کو اجازت دے رکھی تھی پھر جب ان کی رحلت ہوئی تو ان کے بعض مریدوں نے کہا کہ شیخ سے غلطی ہوگئی جو ان کو شیخ بنادیا۔ شیخ ہی پر معترض ہوئے کہ ہم ان سے رجوع کریں جو ہمارے ساتھی ہیں۔ یہ بات بہت غلط ہے اور نقصان دہ ہے اس سے آدمی محروم ہوجاتا ہے۔

## (۶۲) ایک واقعہ طالب علمی کے زمانے کا

مجھے اپنا ایک واقعہ یاد آیا کہ جب میں سہارنپور میں پڑھتا تھا ہمارے قرأت کے استاذ تھے قاری عبدالخالق صاحبؒ، وہ بیمار ہو گئے ان کی جگہ پر "دار التجوید" میں ان کے صاحبزادہ بیٹھ گئے تھے، وہ ہمارے ساتھی تھے بلکہ کنز تک پڑھ کے انہوں نے پڑھنا چھوڑ دیا تھا، جب ہم وہاں پہونچے تو ہمارے ساتھی لوٹ آئے کہ ان سے ہم کیا پڑھیں؟ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میں جاتا رہا اور انہی سے مشق کرتا رہا، دس پندرہ دن کے بعد قاری صاحب کی صحت ٹھیک ہو گئی، اب جو ساتھی ان کے غیاب میں نہیں آیا کرتے تھے وہ مستقل طور پر رہ گئے۔ غرض اس میں شرم کی کیا بات ہے کہ آدمی ضرورت پر معاصر یا اصاغر سے استفادہ کرلے۔

## (۶۳) غور کرنے کا مقام

ذرا سوچئے کہ ہم راستہ چل رہے ہیں، مئی جون کی گرمی ہے، جوتا ٹوٹ گیا موچی کو تلاش کیا تو وہ مل گیا، کسی نالے کے کنارے، گندی جگہ، زمین پر سامنے کچھ ٹوٹے جوتوں کا ڈھیر اور خود پسینہ میں شرابور بیٹھا ہوا ہے، ہم نے کہا ذرا ہمارا جوتا صحیح کر دینا، وہ کہتا ہے دو آدمی پہلے سے ہیں ان کے بعد آپ کا نمبر آئے گا، ہم انتظار میں کھڑے ہوئے ہیں، ذرا شرم محسوس نہیں کرتے نہ اسے شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ لیکن اگر ہم سے کہا جائے کہ صاف ستھری جگہ پر بنی درس گاہ میں، پنکھوں کی ہوا اور ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھ کر کسی معلم سے قرآن مجید درست کرالو تو ہم اس کو شان کے خلاف سمجھتے ہیں، ہم شرم محسوس کرتے ہیں۔ کیا حال ہو رہا ہے؟ غور کرنے کا مقام ہے۔

## (۶۴) وہ اصلاح کا نہیں شہرت کا طالب ہے

غور کیجئے کہ اگر کوئی بیمار علاج کے لیے مشہور ڈاکٹر کی شرط لگائے تو کیا وہ عقلمند ہے؟ ہرگز نہیں! اس سے یہی پوچھا جائے گا کہ شہرت چاہئے یا ازالہ مرض؟ اسی طرح بعض لوگ آج کل دین سیکھنے کیلئے جو مشہور کی شرط لگاتے ہیں وہ دین کے طالب نہیں بلکہ شہرت کے طالب ہیں۔ اسی لیے حضرت والا تھانوی نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے اہل تعلق یوں تو بہت ہوتے ہیں مگر

ان میں مخلص بہت کم ہوتے ہیں، مخلص وہ ہوتا ہے کہ اس کو جس طرح کہا جائے عمل کرے، چون وچرا نہ کرے، بس اپنی اصلاح مقصود ہو نہ منصب مقصود ہو نہ شہرت نہ دولت۔

## ۶۵ ائمہ کرام سنتوں پر عمل نہیں کریں گے تو مقتدی کیا کریں گے؟

اہل علم کو بھی اپنے اندر جو خامیاں ہیں ان کے ازالہ کی سعی کرنی چاہیے، اسی طرح ائمہ کرام بھی اپنی تربیت اور ظاہری و باطنی ترقی و اصلاح کا خیال فرمائیں، اذانیں، نماز، اور وضع قطع مسنون رکھنے کا اہتمام ہو، امام ہی اگر صحیح نہ ہوگا تو مقتدی کیسے صحیح ہوگا، امام اگر سنتوں پر عمل نہ کرے گا تو پھر مقتدیوں کو کون عمل کرائے گا۔

## ۶۶ خواجہ صاحبؒ کے ایک شعر پر اشکال کا جواب

مجھے ایک واقعہ یاد آیا کہ میں حضرت مولانا منظور نعمانی کی عیادت کے لیے لکھنؤ گیا ہوا تھا، فجر کی نماز ایک مسجد میں پڑھنے کا اتفاق ہوا، وہاں کے امام صاحب نے..... جو مظاہر علوم سہارنپور کے فارغ تھے..... مجھ سے کہا کہ خواجہ صاحبؒ کے ایک شعر سے اہل علم کی تنقیص ہوتی ہے۔ میں نے کہا کہ کونسا شعر؟ کہنے لگے.....

دل میں لگا کے ان کی لَو کردے جہاں میں نشر ضو
شمعیں تو جل رہی ہیں سَو بزم میں روشنی نہیں

اس میں علماء کی تنقیص ہے کہ ان کے ہوتے ہوئے بھی کوئی فائدہ نہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ اچھا آپ پہلے مجھے نماز کی سنتیں بتائیں کہ کون کونسی ہیں؟ کسی طرح بارہ تک سنائے پھر خاموش رہے، میں نے کہا دیکھو بھائی! کسی بھی قاعدہ سے آپ پاس نہیں ہو سکتے اس لیے کہ نماز کی سنتیں اکاّون ہیں، آپ کم از کم دو تہائی تو بتلاتے مگر بارہ بتلا سکے ہو، یہی بات خواجہ صاحب فرمانا چاہ رہے ہیں کہ اوروں کو تو دین کا راستہ دکھا رہے ہیں، مسائل بتا رہے ہیں مگر خود اس پر عمل سے محروم ہیں اس میں تنقیص کی کیا بات ہے۔

اس وقت یہاں اتنے لوگ بیٹھے ہیں ان میں سے کتنے لوگ نماز کی سنتوں سے واقف ہیں؟ جب واقفیت ہی نہیں تو عمل کہاں ہوگا۔ پانچ دفعہ روزانہ نماز کے لیے جاتے ہیں، ان میں کتنی دفعہ مسجد میں داخل ہونے کی سنتیں یاد رہتی ہیں؟ خود ہی فیصلہ کرلو۔

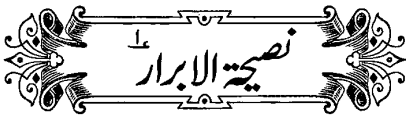

# نصیحۃ الابرار[1]

اس وقت ذہن میں تین باتیں ہیں جن کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ پہلی بات منکرات کو مٹانے کے لیے فکر واہتمام کی ضرورت، دوسری بات اخلاص کی اہمیت اور اس کی نگرانی کا طریق۔ تیسری بات نمازوں کو سنت کے مطابق سیکھنے کا اہتمام۔

## (۶۵) حالات بدلتے نظر نہیں آتے

میرے عزیز دوستو! اکثر لوگوں کو اس کا علم ہے خصوصاً اخبار دیکھنے والوں کو کہ امت مسلمہ آج کل طرح طرح کے مصائب میں مبتلا ہے، اور قسم قسم کی پریشانیوں کا شکار ہے، اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہر علاقہ میں علیحدہ قسم کی پریشانی ہے۔ مگر بحیثیت مجموعی پوری امت مصائب اور آلام میں پھنسی ہوئی ہے۔

ایک طرف یہ حال ہے، دوسری طرف ان حالات کی درستگی کیلئے پورے عالم میں دعائیں ہورہی ہیں، کروڑوں لوگ دعائیں کررہے ہیں، صالحین اور اہل اللہ دعا فرما رہے ہیں، مدارس میں طلبا اور علماء دعا کررہے ہیں، عمرہ اور حج کرنے والے لاکھوں مسلمان مقامات مقدسہ پر دعا کررہے ہیں۔ لیکن حالت بدلتی ہوئی نظر نہیں آتی بلکہ آئے دن مزید ابتر ہوتی جارہی ہے۔ اس لیے ہمیں دیکھنا ہوگا کہ مصائب کی وجہ کیا ہے اور ازالہ کی صورت کیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ہم اس کو کسی زعیم ولیڈر سے تو نہیں پوچھیں گے، کتاب وسنت ہی سے دریافت کریں گے۔ چنانچہ غور سے سنئے اللہ تعالیٰ مصائب کی وجہ قرآن مجید میں کیا بیان فرمارہے ہیں۔

[1] تمل ناڈو کے قصبہ وانمباڑی میں ذمہ داران مدارس کے ایک جوڑ میں اختتامی خطاب کرتے ہوئے حضرت والاؒ نے جو باتیں ارشاد فرمائی تھیں راقم نے انہیں اسی وقت نوٹ کرلیا تھا۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ

اور تم کو (اے گناہ گارو) جو کچھ مصیبت پہونچتی ہے تو تمہارے ہی ہاتھوں کے کیے ہوئے کاموں سے (پہونچتی ہے) اور بہت سی باتوں سے تو وہ درگذر ہی کر دیتا ہے۔

## (۶۸) اس امت کی بیماری اور اس کا علاج

اور حدیث پاک میں سرور عالم ﷺ نے اس کی مزید وضاحت فرمادی ہے کہ اس امت کی بیماری گناہ ہے اور اس کا علاج توبہ واستغفار، اور سب ہی جانتے ہیں کہ توبہ کی کچھ شرائط ہیں ان کے بغیر توبہ قبول نہیں ہوتی۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جس مصیبت سے توبہ کر رہا ہے اسے ترک کردے اور اس سے علحدہ ہوجائے، یہ نہیں جیسے کسی نے کہا ہے

توبہ برلب سبحہ برکف دل پُر از ذوقِ گناہ

معصیت را خندہ می آید ز استغفار ما

یعنی زبان پر توبہ توبہ ہے، ہاتھ میں تسبیح ہے، ساتھ ہی دل گناہوں کے عزائم سے بھرا پڑا ہے، یہ تو ایسی توبہ ہے کہ خود گناہ کو ہماری توبہ پر ہنسی آتی ہوگی۔ سچی توبہ ہونی چاہیے، اور سچی توبہ کا معیار ہے کہ اس گناہ سے کم از کم اس وقت تو علحدہ ہوجائے، یہ کیسی توبہ ہے کہ معصیت اور منکر کو ترک کرنے کے تیار نہیں اور معافی مانگتے رہیں۔

غرض میرے عزیزو! مصائب کی اصل وجہ ہماری بدعملی اور منکرات کا پھیلاؤ ہے، اس پر مزید یہ کہ ان پر نکیر کی بھی کما حقہ سعی و کوشش نہیں، اب آپ ہی فرمائیے کہ محض دعاؤں سے کیسے امت کی اصلاح حال ہوجائے گی۔

## (۶۹) ایک اشکال اور اس کا جواب

مجھ سے بعض علماء نے بھی یہ سوال کیا اور کچھ تاجروں نے بھی کہ امت کے حق میں اہل اللہ کی دعاؤں کے اثرات کیوں ظاہر نہیں ہو رہے ہیں؟، میں نے ان سے پوچھا: آپ کیا کرتے ہیں؟ معلوم ہوا کہ کپڑے کی تجارت کرتے ہیں۔ میں نے کہا: آپ کے بچے کیا کرتے ہیں، کہنے لگے: وہ بڑے ہوگئے ہیں، کاروبار وہی سنبھالے ہوئے ہیں، میں تو بس

یوں ہی دیکھ بھال کرلیا کرتا ہوں۔ میں نے کہا: یہ بتائے کہ اگر آپ کو باوثوق ذرائع سے معلوم ہوجائے کہ آپ کے بچے کپڑے کے تھان لے جاکر چوری سے بیچ رہے ہیں اور پیسے اپنے جیب میں ڈال رہے ہیں تو آپ کیا کریں گے؟ کہنے لگے سمجھاؤں گا، نصیحت کرونگا، میں نے کہا: اگر وہ نہ مانیں تو؟ کہنے لگے تنبیہ کروں گا۔ میں نے کہا: اس سے بھی نہ مانیں، اور باز نہ آئیں تب؟ کہنے لگے نکال باہر کروں گا اور میں خود کاروبار کو اپنے ہاتھ میں لے لوں گا۔ میں نے کہا ٹھیک ہے۔ اچھا اب یہ بتلائے کہ ان بچوں کو دوبارہ دوکان میں بٹھانے کے لیے ان کی والدہ سفارش کریں، نانا دادا کریں یا اہل محلہ کریں، بلکہ مسجد کے امام صاحب بھی کریں، مگر بچے خود معافی نہ مانگیں تو آپ کیا کریں گے؟ کہنے لگے میں محض ان کی سفارش کی وجہ سے ان لوگوں کو دوکان میں آنے ہرگز نہ دوں گا؟ میں نے کہا: اب سمجھ گئے جواب اپنے سوال کا؟ سارے بزرگان دین دعا کررہے ہیں۔ حرم شریف میں دعائیں ہو رہی ہیں، لیکن امت خود بدعملی اور منکرات چھوڑنے کیلئے تیار نہیں تو کیسے مصائب دور ہونگے؟

حضرت شیخ الحدیثؒ نے بھی اس کی طرف بہت اہتمام سے توجہ دلائی ہے۔ فضائل تبلیغ کا مطالعہ کیجئے۔ خصوصاً حدیث نمبر ۳ تا ۷، بہت اہتمام سے پڑھئے۔ اندازہ ہوجائے گا کہ رد منکرات کی من حیث الجماعت فکر نہ کرنے کے کس قدر نقصانات ہیں۔ حدیث پاک میں تو صاف ارشاد فرمایا گیا ہے: والذی نفسی بیدہ لتأمرن بالمعروف ولتنھون عن المنکر اولیوشکن اللہ عذابا من عندہ ثم لتدعنہ ولا یستجاب لکم

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم لوگ ضرور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے رہو ورنہ پھر اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب مسلط فرمادے گا، پھر تم اس سے دعائیں مانگو گے تو وہ قبول نہ فرمائے گا۔

## ⑩ امر بالمعروف کے ساتھ نہی عن المنکر بھی ہو

میرے عزیز دوستو! منکرات کی روک تھام کے لیے بھی ایک جماعت کی ضرورت ہے، اگر حکیم کسی مریض کے لیے ایک نسخہ تجویز کرے اور وہ شخص اس نسخہ کی بعض دوائیں تو

کھائے اور بعض نہ کھائے تو اس مریض کو فائدہ ہوگا؟ نہیں۔ کیونکہ علاج میں کسر رہ گئی اسی طرح امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا حکم دیا گیا ہے مگر اس وقت امت میں اچھائیوں کے پھیلانے پر تو محنت ہو رہی ہے لیکن برائیوں اور گناہوں کے ازالہ کی کوشش جتنی ہونی چاہیے نہیں ہو رہی ہے۔ بس یہ وجہ ہے مصائب کے نہ ٹلنے کی۔

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جس طرح قرآن مجید کی تعلیم بہتر بنانے اور عمدہ تعلیم کا نظام سوچنے کے لیے یہ کام ہوا ہے اسی طرح برائیوں کو مٹانے اور منکرات کے خاتمہ کے لیے بھی یہاں مجلس دعوۃ الحق کا قیام عمل میں آنا چاہیے۔ یہ مجلس حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ کی قائم کی ہوئی ہے اور ماشاء اللہ یہ کام مختلف جگہوں پر ہو رہا ہے، اس کے منافع بھی سامنے آ رہے ہیں۔ اور جب کام شروع ہوا تھا تو اس کے آداب و احکام اور طریقہ کار کے لیے اشرف الہدایات، اشرف الخطاب وغیرہ کتابیں لکھی گئی جو چھپ چکی ہیں، ان کی روشنی میں مجلس کا قیام عمل میں آنا چاہیے۔ اس کے لیے تو بھائی تین آدمی بھی کافی ہیں مستقل مجلس نہیں قائم ہو سکتی تو پھر یہ کام یہاں موجود مجلس خدام القرآن کے ذریعہ بھی ہو سکتا ہے، بس ہمت اور ارادہ کی ضرورت ہے۔

## (۷۱) شروع کرنے والوں کو تمام کام کرنے والوں کا اجر ملے گا

اسی طرح حدیث میں ہے۔ من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا واجر من عمل بھا من بعدہ جو شخص کسی اچھے طریقے کی بناڈالے گا اس کو اپنا اور جتنے لوگ اس پر عمل کریں گے سب کا ثواب ملے گا۔ ان وعدوں کے مطابق اس کام کے شروع کرنے والے ان شاء اللہ آئندہ کام کرنے والوں کا اجر بھی پائیں گے۔ بس ذرا حوصلہ اور ہمت کی ضرورت ہے۔ خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

رستم خفتہ ہے تو کس بل نہیں کم ترا  جاگنے کی دیر ہے، پھر ہے وہی دم خم ترا
یہ اگر ہو جائے زائل نیند کا عالم ترا  چار سو دنیا پہ لہرانے لگے پرچم ترا

اور فرماتے ہیں:

ہر کس و نا کس کو فکرِ عزت و توقیر ہے بہر تسخیر جہاں کوشش و تدبیر ہے
ان دنوں سودا جہاں گیری کا عالمگیر ہے ترے سرگرم عمل ہونے میں تاخیر ہے

کام تو شروع کر کے دیکھو پھر اللہ تعالیٰ کی کیسی نصرت آتی ہے۔ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ اگر تم اللہ کی دین کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے قدم جمادے گا۔

## (۷۲) یہ کس قدر بری بات ہے

آج کل دینی کام کرنے والوں میں باہمی رنجشیں اور تغافل و تقابل بہت ہونے لگا ہے، ہم جس کام میں لگے ہوئے ہیں اسی میں لگا ہوا کوئی آدمی ملتا ہے تو اس سے حقیقی بھائی کی طرح ملتے ہیں اور کسی اور کام میں لگا ہوا ملتا ہے تو ہم اس کے ساتھ سوتیلے بھائی کی طرح سلوک کرتے ہیں۔ یہ کس قدر بری بات ہے۔ سرور عالم ﷺ کا تو ارشاد یہ ہے کہ: کونوا عباد اللہ اخوانا اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو، کہیں بھائیوں میں اپنا اور پرایا اور ہمارا اور شما کی تقسیم ہوتی ہے؟ لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ہم ہمارا اور تمہارا کے چکر میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ہم کون ہوتے ہیں؟ یہ سب اخلاص وللٰہیت نہ ہونے کا نتیجہ ہے۔

ایک جگہ تو سننے میں آیا کہ ایک صاحب کہہ رہے تھے اس علاقہ میں چندہ کے لیے ہم نے کوشش کی اور میدان بنایا تھا مگر دوسرے مدرسہ کو زیادہ مل گیا اور ہم کو کم، ایک جگہ اشتہار دیکھا کہ ہمارے مدرسہ کو چندہ دیں گے تو سات قسم کا ثواب ملے گا، اسی شہر میں دوسرا اشتہار دیکھا کہ ہمارے مدرسے میں چندہ دیں گے تو آٹھ قسم کا ثواب ملے گا۔ اناللہ! کیا ہو رہا ہے؟ یہ دین کا کام ہے؟ اس طرح اللہ کی رضا حاصل کی جاتی ہے؟

## (۷۳) صرف اعلاء کلمۃ اللہ کو مقصود بناؤ

میرے عزیزو! صرف فروغ دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کو مقصود بناؤ، اپنے طریقہ کو مقصود نہ بناؤ۔ میں کہا کرتا ہوں جنس کو دیکھو، نوع کو نہ دیکھو۔ ہر اس شخص کا تعاون کرو اور اس سے

حسن سلوک کرو جو دین کے کسی بھی شعبہ میں کام کر رہا ہو۔ کیونکہ دین کے تین شعبے ہیں۔ تعلیم، تبلیغ، تزکیہ، اور تینوں سے مقصود رضائے الٰہی کا حصول ہے۔

ریلوے والوں سے سبق حاصل کرو، ریلوے کے کسی آدمی کو کوئی ضرورت پیش آجائے تو پورے ملک میں کہیں بھی اس کو بروقت مدد اور تعاون مل جائے گا، خواہ وہ کسی بھی شعبہ سے تعلق رکھتا ہو، بس یہ دیکھا جائے گا کہ آیا ریلوے کا ملازم ہے یا نہیں، اگر ہے تو پھر یہ نہیں دیکھا جاتا کہ SR کا ہے یا NR کا ہے، کیونکہ یہ تو اسی محکمہ کی انتظامی تقسیم ہے، یعنی جنس واحد کی انواع مختلفہ ہیں۔ اسی طرح دین کے مختلف شعبوں میں کام کرنے والوں کا باہمی تعلق تناصر وتعاون کا ہونا چاہیے۔ ہاں! اپنے کام کا تعارف کر سکتے ہیں مگر تقابل نہیں کرنا چاہیے، تقابل سے تصادم پیدا ہوتا ہے۔ اور تصادم تو کسی بھی قوم کیلئے ہلاکت کا باعث ہے، اسی قسم کی سوچ اور فکر نے قوموں کو برباد کیا ہے، مسلمانوں کو اس سے بچنے کی بہت سخت ضرورت ہے۔

## ﴿۴۴﴾ تعلیم زیادہ ضروری ہے یا تبلیغ؟

ایک جگہ میں نے دیکھا اس پر بحث چل رہی تھی کہ تعلیم زیادہ ضروری ہے یا تبلیغ؟ میں نے کہا: اللہ کے بندو! کس چیز میں پڑے ہوئے ہو؟ یہ تو ایسا ہی ہوا جیسے کوئی پوچھے کہ آنکھ کی زیادہ ضرورت ہے یا کان کی؟ ہنسے گا کوئی بھی شخص سن کر، کیونکہ کان کا الگ کام اور آنکھ کا الگ۔ دیکھنے کا کام کان نہیں کر سکتا اور سننے کا کام آنکھ نہیں کر سکتی، لہٰذا دونوں ضروری ہیں دونوں کا مقابلہ ہو ہی نہیں سکتا، پھر میں نے کہا تیسری چیز اور ہے، وہ ہے تزکیہ، وہ البتہ دونوں سے اہم ہے۔ اسلئے کہ اس کے بغیر نہ تبلیغ کا عمل قبول ہوگا اور نہ تعلیم کا۔ معلوم ہوا کہ علم وعمل کی اہمیت اپنی جگہ پر ہے لیکن محض عمل کا وجود کافی نہیں، بلکہ اس میں قبولیت کی شان بھی ہونی چاہیے، تبلیغ کی جدوجہد اور مدارس کے ماحول سے اعمال تو وجود میں تو آجاتے ہیں مگر قبولیت کے لائق تزکیہ کے بعد ہوتے ہیں۔ تزکیہ کا حاصل یہی ہے کہ گندے اخلاق ختم ہو جائیں۔

## ﴿۴۵﴾ اخلاص نہ ہو تو جہاد بھی کام نہیں آئے گا

سب سے پہلے قیامت میں جس شخص کا فیصلہ ہوگا وہ ایک شہید ہوگا، جب وہ حاضر کیا

جائے گا تو اس سے پوچھا جائے گا تو نے اپنی مغفرت کے لیے کیا کیا؟ وہ کہے گا آپ کے راستہ میں قتال کیا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ حق تعالیٰ فرمائے گا کہ جھوٹ کہتا ہے، تیرا مقصد تو یہ تھا کہ تو بڑا پہلوان کہلایا جائے، چنانچہ تجھے یہ لقب مل چکا اور تیرا مطلوب حاصل ہو گیا اب یہاں کیا رکھا ہے، چنانچہ فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اس کو منہ کے بل جہنم میں ڈال دیا جائے، بس وہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر ایک عابد لایا جائے گا اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوگا، پھر ایک قاری لایا جائے گا اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوگا، پھر یہی معاملہ ایک سخی کے ساتھ ہوگا۔ یہ سب اخلاص نہ ہونے کا نتیجہ ہوگا کہ اتنے بڑے بڑے عمل کئے مگر سب اکارت گئے۔ کیسی سخت وعید ہے اس حدیث میں اور ساتھ ہی اخلاص کا درجہ اور مرتبہ بھی اس حدیث سے خوب واضح ہو جاتا ہے۔

## ⑯ صرف رضائے الٰہی مقصود ہونا چاہیے

اس لئے عزیزو! نہ تو پیسے کیلئے کام ہونا چاہیے، نہ نام کیلئے کام ہونا چاہیے، نہ کام کے لیے کام ہونا چاہیے، بلکہ صرف رضائے ربِّ انام کیلئے کام ہونا چاہیے۔ خواجہ صاحبؒ نے اسی کو اپنے پیرایہ میں کس عمدگی سے کہا ہے۔ خواجہ صاحبؒ ڈپٹی کلکٹر تھے، کوئی عالم نہ تھے لیکن ایک اللہ والے (حضرت والا تھانویؒ) کی صحبت اختیار کی تو یہ مقام ملا کہ بڑے بڑے علماء ان سے بیعت ہوئے اور روحانی فیض حاصل کیا۔ دیکھئے کیا فرماتے ہیں۔

نفع دینی دیکھ تو دُنیا کی بہبودی نہ دیکھ　　مرضی حق پر نظر رکھ اپنی خوشنودی نہ دیکھ
تو اکیلا تیرے دشمن سینکڑوں، یہ بھی نہ دیکھ　　قدرتِ حق پر نظر رکھ، اپنی کمزوری نہ دیکھ

بہرحال اخلاص سب سے بڑی دولت ہے جس کی آج کل سب زیادہ کمی ہوتی جارہی ہے، اس کی طرف خصوصی توجہ کرنے اور اخلاص سیکھنے کی ضرورت ہے۔

## ⑰ میری طرح نماز پڑھو

ایک اور بات جو اس وقت آپ حضرات کے سامنے بیان کرنا چاہتا ہوں وہ سنت کے

مطابق نمازوں کا اہتمام ہے۔ میرے دوستو! آج اس کی طرف سے بھی بڑی غفلت پائی جارہی ہے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے صلوا کما رائیتمونی اصلی نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھ کو پڑھتا ہوا دیکھ رہے ہو۔ احادیث پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا جو طریقہ منقول ہے اسے فقہائے کرام نے کتابوں میں جمع کر دیا ہے، میں اس وقت ایک دو سنتوں کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

حکم ہے کہ جب قیام سے سجدہ میں جانے لگیں تو سجدہ میں جانے تک بسطِ تکبیر ہونا چاہیے۔ کیا مطلب؟ لفظ اللہ اکبر قیام سے شروع ہو کر سجدہ تک چلا جائے، اسی طرح جب سجدہ سے سر اٹھاؤ تو سیدھے کھڑے ہونے تک اللہ اکبر کہتے جاؤ، اب لوگ اس کا طریقہ سیکھتے نہیں تو بعض لوگ جب آدھے کھڑے ہو جاتے ہیں تب اللہ اکبر کہتے ہیں پھر جب آدھے جھک جاتے ہیں تب اللہ اکبر کہتے ہیں۔ اور بعضوں کی سمجھ میں نہیں آتا تو بس لفظ اللہ ہی رہ گیا بگاڑنے کے لیے، نعوذ باللہ..... اللہ اکبر مد کے ساتھ کہہ دیتے ہیں اکثر لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں بعض اہل علم بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

## ⑧ ایک غلط فہمی کی اصلاح

ایک جگہ ایک صاحب نے جو اچھے اہل علم تھے مجھ سے کہا کہ امام نوویؒ نے صحیح مسلم کی شرح میں لکھا ہے کہ لفظ اللہ کو کھینچ سکتے ہیں، میں نے معلوم کیا یہاں صحیح مسلم شریف مل جائیگی؟ وہ جگہ ایسی تھی کہ فوراً مل گئی، میں نے ان سے کہا ذرا وہ جگہ دکھا دیجئے، دکھایا تو اس میں لکھا تھا بسط تکبیر، میں نے کہا: آپ نے بسطِ تکبیر کو بسط اللہ سمجھ لیا ہے، بسطِ اللہ کی کہاں اجازت ہے؟

بہر حال تکبیر قیام سے شروع ہونا چاہیے اور سجدہ میں جا کر ختم ہو اسی طرح سجدہ سے شروع ہو اور قیام میں جا کر ختم ہو۔ ہاں یہ یاد رہے کہ اس قسم کے تمام احکام ان لوگوں کے لیے ہیں جو معتدل القوی اور صحتمند ہوں اور کوئی بیچارہ بیمار یا کمزور ہو وہ تو معذور ہے لیکن یہ شخص بھی شروع تو اپنی جگہ سے کرے درمیان میں آکر سانس ٹوٹ جاتی ہے تو وہیں ختم کر دے، اصل میں مشق کی ضرورت ہوتی ہے، کہو تو میں عملاً دکھلا دوں۔ (چنانچہ حضرت والا

نے سجدہ سے قیام تک اور قیام سے سجدہ تک بغیر لفظ اللہ کو کھینچے بسط تکبیر کر کے دکھلایا) جب تک مشق نہیں کرو گے کیسے سیکھو گے۔

## ۷۹ دیکھنے اور سیکھنے میں فرق

کسی جگہ اگر لفظ اللہ بہت خوبصورت لکھا ہوا ہو اور آپ اس کو دس برس تک دیکھتے رہیں اس کے بعد بھی اگر لکھنے کو کہا جائے تو آپ ایک حرف نہیں لکھ سکیں گے۔ برخلاف مشق کے کہ اگر کسی سے مشق کرنے لگیں تو چار پانچ دن میں ہی اسی طرح لکھنا آجائے گا۔ میرے عزیزو! اپنے اپنے مدرسوں میں پندرہ منٹ کا وقت مقرر کر لیں یا تو اوقات مدرسہ میں ان کا اضافہ کر لیں، یا پھر ہر گھنٹی میں سے پانچ منٹ کم کر کے نکال لیں، اسی پندرہ منٹ میں عملی مشق ہو جائے گی۔ اسی میں اذان سیکھنا، امامت سیکھنا اور نماز سیکھنا سب ہو جائے گا۔ کئی چیزیں ایسی ہیں جن کا ہمیں علم تو ہے مگر عملی مشق نہیں ہے۔

## ۸۰ اغلاطِ نماز کی اصلاح کیجئے

مثال کے طور پر سلام ہی کو لے لیجئے، اس کو بھی نہیں سیکھتے، سلام سامنے سے نہیں کرتے، حالانکہ سامنے کی طرف سے السلام علیکم کہتے ہوئے منہ پھیرنا چاہیے، پہلے سلام سے دوسرے کی آواز پست ہونا چاہیے کیونکہ دوسرے سلام کی آواز پست کرنے کا حکم ہے۔ دونوں سلام ایک ہی سانس میں کہہ دیں گے تو کیسے صحیح ہو سکے گا؟ داہنے سلام کو ایک سانس میں اور بائیں سلام کو دوسرے سانس میں کہنا چاہیے۔ اور پہلے سلام کے مقابلہ میں دوسرے سلام کی آواز پست ہونی چاہیے۔

اسی طرح ایک اور چیز ہے۔ عام طور سے رکوع کرتے ہیں تو ٹانگیں پیچھے جھکا دیتے ہیں۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ حضرت مفتی (محمود الحسن) صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ رکوع نصف قیام ہے۔ پنڈلیاں سیدھی رہنی چاہیے، فقہا نے صراحت فرمائی ہے۔ واحنا ھما شبہ القوس کما یفعل عامۃ الناس مکروہ اسلئے صرف کمر کو جھائیے۔ جیسے ستون پر چھجّا نکالتے ہیں تو ستون تو تیڑھا نہیں ہوتا، اسی طرح ٹانگیں اپنی حالت پر رہیں جیسے قیام میں تھیں۔

مگر ہوتا یہ ہے کہ گھٹنوں پر زور ڈال کر پیچھے جھکا دیتے ہیں، عادت پڑی ہوئی ہے تو وہ بلا مشق کئے کیسے ٹھیک ہوگی؟ اس طرح بہت سے لوگ سجدہ میں جاتے ہیں تو سر کو جھکاتے ہوئے جاتے ہیں یہ بالکل غلط ہے، سیدھے اترنا چاہیے، پہلے گھٹنوں کو موڑے اور جب تک گھٹنے زمین پر نہ ٹک جاویں، سینہ سیدھے قبلہ رو رہنا چاہیے، جھکنا نہیں چاہیے، اس کے بعد جھکنا چاہیے، سنت طریقہ کتابوں میں تو یہی لکھا ہے مگر دیکھا دیکھی غلط طریقہ چل پڑا۔

## ﴿۸۱﴾ عمل کو کتاب سے ملاؤ

اسی لیے میں کہتا ہوں اپنے عمل کو کتاب سے ملاؤ اور کتاب کو سمجھو علماء کرام سے۔ اس میں کسی کا فعل و عمل حجت نہیں فلاں صاحب ایسا کرتے ہیں اور فلاں ایسا۔ ہمارے یہاں نماز کی مشق کا جو سلسلہ شروع ہوا اس کا سبب کچھ اس طرح ہوا کہ ایک بزرگ کے پاس میرا جانا ہوا، میں ان کا معتقد پہلے بھی تھا اور اب بھی ہوں، ان کے فضل و کمال کے اوصاف بھی میں بیان نہیں کر سکتا مختصر یہ کہ مقرر، مفسر، مصنف اور بہت سے کمالات کے وہ جامع ہیں، چاشت کا وقت ہوا تو وہ بھی مسجد گئے میں بھی گیا، اب جو انہوں نے نیت باندھی تو غیر مسنون طریقہ پر باندھی، بہت حیرت ہوئی۔ غور کیا تو معلوم ہوا کہ اس کا سبب بس عدم توجہ ہے، دوسرا بھی کوئی توجہ نہیں دلاتا، آج کل بس اسی چیز کی کمی ہوگئی ہے، پھر میں نے ان کو بھی توجہ دلائی اور اپنے ہاں مدرسہ میں اہتمام سے نماز کی سنتوں کی عملی مشق کا سلسلہ شروع کیا۔

# اصلاحِ نفس و اصلاحِ معاشرہ[1]

## (۸۲) مسلمانوں کی دو ذمہ داریاں

مسلمانوں کے دو کام ہیں۔ایک یہ کہ خود نیک بنے دوسرے یہ کہ اوروں کو نیک بنانے کی کوشش کرے، اور یہ دونوں کام ایسے ہیں کہ فطری طور پر ہر ایک اس کی خواہش کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ ہم اچھے بنیں اور دنیا میں بھی اچھائی پھیلے، برائی ختم ہو جس کے نتیجہ میں دوسرے لوگ بھی اچھے ہوں۔

چنانچہ کسی ایسے انسان سے جو نہ زیادہ پڑھا لکھا ہو اور نہ ہی بالکل ناواقف ہو بلکہ معتدل صلاحیت والا ہو اس سے پوچھا جائے کہ تم اچھا بننا چاہتے ہو یا برا؟ شائد ہی کوئی کہے کہ میں برا بننا چاہتا ہوں، ہر شخص یہی کہے گا کہ میں اچھا بننا چاہتا ہوں، اسی وجہ سے وہ اپنی سمجھ اور معلومات کے لحاظ سے جو چیز اچھی ہوتی ہے اسی کو اختیار کرتا ہے۔اسی طرح کسی سے یہ سوال کیا جائے کہ دنیا میں اچھائی کا غلبہ ہونا چاہیے یا برائی کا؟ کوئی یہ نہیں کہے گا کہ برائی کا غلبہ ہو اور اچھائی نہ پھیلے، ہر شخص یہی چاہے گا کہ اچھائی کا غلبہ ہو اچھائی پھیلے اور برائی ختم ہو۔

## (۸۳) اچھائی اور برائی کا معیار

اب سوال یہ ہے کہ اچھائی، برائی کا معیار کیا ہے؟ کس کام کو اچھا کہا جائے؟.....کس کام کو برا کہا جائے؟ جس کام کو ہم اچھا سمجھتے ہیں وہ حقیقت کے اعتبار سے اچھا ہے بھی یا نہیں؟ جس کام کو ہم برا سمجھتے ہیں وہ واقعتاً برا ہے بھی یا نہیں؟ اس کے معلوم کرنے کا ضابطہ کیا

---

[1] اس عنوان کے تحت حضرتؒ کے یہ ملفوظات جو جامعہ اسلامیہ بھٹکل میں حضرت والا نے ارشاد فرمائے تھے، راقم نے طبع کروا کے خدمت میں پیش کیا تھا، ملاحظہ کے بعد خوشنودی کا اظہار فرمایا تھا۔

ہے؟۔اس سلسلہ میں بنیادی بات یہ ہے کہ دین میں سب سے بڑا مقام سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے،ہم سب نے آپ کے نام کا کلمہ پڑھا ہے اس کا حاصل یہی ہے کہ اس کلمہ کا پڑھنے والا اس بات کا عہد کرتا ہے کہ میں اپنی زندگی اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس پسندیدہ طریقے کے مطابق گذاروں گا جو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا اور جس کا مثالی نمونہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس کو اچھا فرمائیں وہ اچھا ہے اور آپ جس کو برا فرمائیں وہ برا ہے۔یہ ہے اچھائی اور برائی کا معیار،اسی کو قرآن پاک میں فرمایا گیا: وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ (سورۃ الحشر:۷) جن چیزوں کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت کی ہے اس کو اختیار کرو۔اور جن چیزوں سے منع کیا ہے اس سے بچو،یہی دین کی اصل بنیاد ہے۔

### (۸۷) وہ جس کام کو اچھا کہیں اچھا ہے

کوئی کام فی نفسہٖ اچھا ہے نہ خراب،کیوں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک کام ایک وقت میں اچھا ہوتا ہے وہی کام دوسرے وقت میں برا ہو جاتا ہے۔سب کو معلوم ہے کہ نماز پڑھنا،روزے رکھنا اچھا کام ہے،لیکن ہر کسی وقت یہ کام کرنا اچھا نہیں بلکہ اس کے لیے پابندی ہے،اوقات ہیں،ان کی رعایت کرنا ضروری ہے۔ایک وقت ہے کہ اس میں نماز پڑھنے کو اچھا کہا جائے گا،صحیح کہا جائے گا۔اسی نماز کو دوسرے وقت میں کہا جائے گا کہ اس وقت اس کا پڑھنا ٹھیک نہیں ہے۔ایک شخص تیس رمضان کو روزہ رکھتا ہے اس کی اچھائی میں کیا شبہ ہے لیکن وہی شخص اس شہر میں عید کے دن بھی روزہ رکھتا ہے تو اب اس عمل کے متعلق کہا جائے گا کہ یہ صحیح نہیں ہے بات کیا ہے؟......بظاہر عمل تو ایک ہی ہے،جواب یہ ہے کہ ہاں!عمل تو ایک ہی ہے لیکن حکم الگ الگ ہے۔اصل چیز وہی ہے کہ جن کے کہنے کی وجہ سے ہم اس کام کو کر رہے ہیں وہ جب اچھا کہیں تو اچھا ہے اور وہ برا کہیں تو برا ہے۔اس طرح مثلاً کسی غیر عورت کی طرف دیکھنا ممنوع ہے لیکن جب نکاح ہو جائے تو اب اسی کو دیکھنا نیکی بن جاتا ہے۔پھر اگر کسی وجہ سے اس کے ساتھ نکاح کا تعلق ختم ہو جائے تو اب پھر اس کو دیکھنا گناہ

ہوجائے گا۔ حاصل یہ ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہی اچھائی اور برائی کا معیار ہے۔

## ﴿۸۵﴾ بڑوں کی اتباع میں کامیابی ہے

ہم لوگوں کی حیثیت بچوں کی سی ہے کہ جس طرح دس گیارہ سال کا بچہ جو کچھ سمجھ بوجھ رکھتا ہے کچھ شعور وتمیز رکھتا ہے وہ کبھی اپنے شعور وفہم کے مطابق کسی چیز کو اپنے لیے مفید سمجھ کر اختیار کر لیتا ہے لیکن والدین اس کو بتلاتے ہیں کہ یہ چیزیں تمہارے لیے مناسب نہیں، اب اگر وہ والدین کی ہدایت کے موافق معاملہ کرتا ہے تو سرخرو اور کامیاب ہوجائے گا ورنہ ظاہر ہے کہ نقصان ہوگا اور ناکام ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر چھوٹا اسی وقت کامیاب اور سرخرو ہوسکتا ہے جب کہ وہ اپنے بڑوں کا کہنا مانے۔ یہ چھوٹے بچے ان کو پڑھنے کے لیے مکتب اور مدرسہ میں داخل کیا جاتا ہے ان کو کیا شعور اور سمجھ ہے اور کیا تمیز ہے کہ کس مدرسہ کی تعلیم اچھی ہے کس کی نہیں؟ ان کو کچھ معلوم نہیں ہوتا بس والدین کے کہنے سے پڑھنے کے لیے جاتے رہتے ہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کچھ دنوں کے بعد وہ کامیاب ہوکر بڑوں کی جگہ پہونچ جاتے ہیں اور ماں باپ کی جگہ سنبھالنے کے لائق ہوجاتے ہیں، اور جو اپنے بڑوں کا کہنا نہیں مانتے ان کا حشر یہ ہوتا ہے کہ تعلیم وترقی سے تو محروم ہو ہی جاتے ہیں بعض مرتبہ ایسے لوگوں کو اپنی بدعملی کی وجہ سے جیل خانے تک جانے کی نوبت آجاتی ہے۔ پس چھوٹوں کیلئے ضروری ہے کہ ان کا ربط اپنے بڑوں سے ہو، تعلق مضبوط ہو، ٹھیک اسی طرح دین میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان ہے کہ ان کی ہدایات وتعلیمات پر جتنا عمل ہوگا اتنا ہی انسان کامیاب ہوگا اور ترقی کرے گا، دنیا میں بھی عزت ملے گی اور آخرت میں بھی مزید ارزندگی ملی گی۔

## ﴿۸۶﴾ سکوت صرف نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معتبر ہے

ایک ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات اور ایک ہیں آپ کے اعمال، اور ایک یہ کہ آپ کے سامنے کوئی کام کیا گیا اسے دیکھ کر آپ نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی، یعنی منع نہیں کیا، کوئی روک ٹوک نہیں کی تو اس کو کہتے ہیں ''تقریر'' یہ تینوں چیزیں سنت کہلاتی ہیں اور دین میں حجت

ہیں، حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کا مقام ہے کہ ان کا اس طرح کے موقع پر سکوت کرنا بھی حجت اور دلیل ہوتا ہے، ان کے علاوہ کسی کا سکوت دلیل نہیں ہے۔ یہاں ایک بات اور ذکر کر دوں کہ اس سلسلہ میں عوام کا ذہن یہ ہے کہ کسی عالم کے سامنے کوئی کام کیا جائے اور وہ عالم صاحب اس پر نکیر نہ کریں تو عوام یہ سمجھتے ہیں کہ وہ کام صحیح ہے، کیونکہ ان کے ذہن میں ہے کہ اگر کام غلط ہوتا تو مولانا صاحب منع کرتے، تو ان کے منع نہ کرنے اور خاموش رہنے کو اس کام کے صحیح ہونے کی دلیل سمجھتے ہیں، چنانچہ اس پر اگر کوئی نکیر کرے کہ یہ کام ٹھیک نہیں ہے تو فوراً کہتے ہیں کہ واہ صاحب! فلاں اہل علم کی موجودگی میں یہ کام کیا گیا انہوں نے تو کچھ کہا نہیں آپ منع کرتے ہیں، حالانکہ یہ خیال حقیقت کے خلاف ہے، یہ شان تو صرف انبیاء کرام کی ہے، ان کے علاوہ کسی عالم کا سکوت حجت نہیں ہے۔

## ﴿۸۶﴾ کسی جماعت کا سکوت بھی حجت نہیں ہے

اسی طرح کسی مجلس کسی اجتماع، جلسہ یا کسی ادارہ یا مدرسہ میں کوئی نامناسب کام ہو لیکن کوئی اس پر روک ٹوک نہ کرے بلکہ سب لوگ خاموش رہیں تو ان سب کا چپ رہنا بھی اس کام کے جائز ہونے کی دلیل نہیں ہوگا۔ جیسے انفرادی طور پر ایک عالم کا سکوت حجت نہیں اسی طرح اجتماعی طور پر کسی دینی مجمع کا سکوت بھی حجت نہیں ہوگا اور اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ امام نے چار رکعات والی نماز بھولے سے تین رکعات پڑھادی اور سلام پھیر دیا کسی کو کھٹک بھی نہیں ہوئی اور سب لوگ خاموش رہے تو کیا سارے مصلیوں کا چپ رہنا اور امام صاحب کو نہ ٹوکنا اس بات کی دلیل ہوسکتی ہے کہ نماز صحیح ہوگئی؟..... ظاہر ہے کہ یہ نماز کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ تو معلوم ہوا کہ نبیؑ کا سکوت تو حجت ہے اور اس کے علاوہ کسی اور کا سکوت حجت نہیں، نہ ہی کسی فرد واحد کا نہ ہی کسی جماعت کا۔

## ﴿۸۷﴾ فعل پیراں حجت نہ باشد

یہ بات جو اس وقت عرض کی گئی ہے وہ بزرگوں سے بھی منقول ہے، ہمارے اکابر کا طرز عمل ہمیشہ یہی رہا ہے اور اسی کو انہوں نے پیش نظر رکھا ہے کہ ہر کام میں سنت و شریعت کو

معیار بناتے تھے۔ اگر کبھی ان کے بڑوں سے کوئی کام خلاف سنت ہو جاتا تو وہ اس کام میں ان کے ساتھ شریک نہیں ہوتے ان کی موافقت نہیں کرتے بلکہ اپنے کو اس سے بچا لیتے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ ان سے بدگمان بھی نہیں ہوتے تھے۔ چنانچہ حضرت سلطان نظام الدین اولیا — جن کو سلطان الاولیاء بھی کہا جاتا ہے — کے خلفاء میں ایک بڑے خلیفہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی تھے جو مروجہ سماع کے قائل نہیں تھے، ان کے شیخ حضرت سلطان جی سماع کے قائل تھے۔ ایک مرتبہ ان کے بے تکلف احباب اور خلفاء بھی ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، دوست احباب جب جمع ہوتے ہیں تو بے تکلفی کی باتیں اور الفت کا ماحول بن جاتا ہے، چنانچہ ان ہی میں سے بعض دوستوں نے کہا کہ اس وقت سب اپنے ہی احباب موجود ہیں، اچھا ہے کہ کچھ دیر سماع کی محفل ہو جائے۔ اب دیکھئے اِدھر یہ بات ہوئی اُدھر حضرت چراغ دہلوی مجلس سے اٹھ کر جانے لگے، یہ دیکھ کر احباب میں سے کسی نے ان سے کہا از طریق پیراں انحراف کنی؟ پیروں کے طریقہ سے انحراف کرتے ہو؟ اس کا حضرت شاہ نصیر الدین چراغ دہلوی نے جو جواب دیا ہے وہ ہم سب کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ فرمایا: فعل پیراں حجت نہ باشد — پیروں کا فعل حجت نہیں ہوتا، یعنی پیر کا فعل بھی اس کے جائز ہونے کی دلیل نہیں۔ اور سنئے! یہ معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہو گیا بلکہ حضرت سلطان جی نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں بھی پیش کیا گیا اور اس پورے واقعہ کا ذکر کیا گیا تو حضرت سلطان نظام الدین اولیاء نور اللہ مرقدہ نے فرمایا: نصیر الدین راست می گوید — نصیر الدین ٹھیک کہتے ہیں، یہ تھی ہمارے اکابر کی شان کہ ہر معاملہ میں سنت کو معیار بناتے اس کے موافق معاملہ کرتے۔

## ﴿۸۹﴾ دل شکنی گوارا کر لی مگر حکم نبی کو نہ توڑا

اس سلسلہ میں ایک اور واقعہ یاد آیا۔ ہم سب کے لیے اس میں عبرت و نصیحت کا سامان ہے، حضرت شاہ اسحاق صاحب دہلویؒ بہت بڑے محدث تھے، ان کے دو شاگرد تھے، ایک شارحِ مشکوٰۃ نواب قطب الدین صاحبؒ، دوسرے حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ

متقی دونوں تھے لیکن مولانا کاندھلوی کا تقویٰ زیادہ مشہور تھا۔ ایک مرتبہ نواب صاحب نے اپنے استاذ حضرت شاہ اسحاق صاحب اور دیگر علمائے کرام کی دعوت کی، اس میں اپنے ساتھی مولانا مظفر حسین صاحب کو بھی مدعو کیا، انہوں نے دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ میں تمہاری دعوت قبول نہیں کرتا۔ چونکہ مولانا نواب صاحب کے ساتھی تھے اس لیے انہوں نے اس کی شکایت شاہ اسحاق صاحب سے کر دی کہ حضرت! سب ساتھیوں نے دعوت قبول کر لی مگر بھائی مظفر حسین نے میری دعوت قبول نہیں کی۔ جب حضرت کے علم میں یہ بات آئی تو حضرت نے فرمایا: کہ مولانا کو بلاؤ تا کہ معلوم کیا جائے کہ کیا بات ہے،—— چنانچہ مولانا استاذ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت نے پوچھا میاں مظفر حسین! کیا نواب صاحب کی آمدنی میں کچھ شبہ ہے کہ تم نے ان کی دعوت قبول نہیں کی؟—— مولانا نے کہا حاشا وکلاّ! ایسا ہرگز نہیں۔ پھر شاہ صاحب نے پوچھا: پھر ان کی دعوت کیوں نہیں قبول کرتے؟ کہا: حضرت میرا جی نہیں چاہتا۔ پھر حضرت شاہ صاحب نے پوچھا: جی کیوں نہیں چاہتا اس کو تو ظاہر کرو؟ اس پر مولانا نے کہا، حضرت! میرے علم میں ہے کہ نواب صاحب مقروض ہیں، نواب تو پھر بھی نواب ہے اس کی حالت چاہے گر ہی جائے اس کے ہاں دعوت تو پُر تکلف ہوگی، اس سے معلوم ہوا کہ جو رقم دعوت میں خرچ ہوگی وہ ضرورت سے زائد ہے، جب ضرورت سے زائد ہے تو اس کو قرض کی ادائے گی میں دینا چاہیے، مگر وہ دعوت میں لگائی جا رہی ہے جس کی وجہ سے قرض کی ادائیگی میں تاخیر ہوگی جو مناسب نہیں ہے۔ حدیث پاک میں ہے مطل الغنی ظلم کہ جس کو قرض کے ادا کرنے پر قدرت ہو پھر بھی وہ تاخیر کرے تو یہ بھی ایک قسم کا ظلم ہے۔ اسی لیے مجھے اس دعوت کے قبول کرنے میں کراہت معلوم ہوتی ہے۔ جب شاہ صاحب نے اس بات کو سنا تو نواب صاحب سے پوچھا کہ کیا آپ واقعی مقروض ہیں؟ انہوں نے کہا جی ہاں! اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ میاں مظفر حسین سلمہٗ جو کہتے ہیں بالکل ٹھیک ہے، آپ یہ رقم قرض میں دیدیجئے دعوت نہ کیجئے۔ یہ تھے ہمارے اکابر، یہ تھی ان کی شان۔

اولئک آبائی فجئنی بمثلھم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

## ⑨⓪ صالح بننے کا طریقہ اتباعِ سنت ہے

جو کوئی شخص صالح اور نیک بننا چاہتا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو اپنایا جائے، اس کو اختیار کیا جائے۔ اس کو سیکھنے کی سہل صورت یہ ہے کہ اپنی اپنی مسجدوں میں کسی ایک نماز کے بعد ایک ایک سنت سنادی جائے، اسی طرح مدرسوں میں بچوں کو ایک ایک سنت بتلادی جائے اور ان سے کہا جائے کہ اپنے گھروں میں جا کر اپنے گھر والوں کو بھی بتلادیں، اس طرح دھیرے دھیرے سنتوں کا علم عام ہوگا، سنتیں زندہ ہوں گی، اس پر عمل ہونا شروع ہوجائے گا۔ قطرہ قطرہ دریا ہوجاتا ہے، اسی لیے میں کہتا ہوں پہلے اپنی مسجدوں کو سنی بناؤ، مدرسہ میں سنتوں کا مذاکرہ اور بچوں کو یاد کرانے کا سلسلہ شروع کرو۔

## ⑨① ہماری اذان ونماز بھی سنت کے مطابق نہیں

آج ہماری اذانیں اور نمازیں سنت کے موافق نہیں، ساٹھ برس سے مختلف جگہوں پر جارہا ہوں، جہاں کہیں جاتا ہوں اذان غور سے سنتا ہوں، ہندوستان کے مختلف صوبوں میں اور ہندوستان کے باہر مختلف ملکوں میں گیا مگر ایک جگہ لکھنؤ میں اذان صحیح ملی اور دوسرے جامعہ اسلامیہ بھٹکل میں سنت کے موافق اذان ملی، یہی حال نماز کا ہے کہ نماز سنت کے مطابق نہیں، جو جس فقہ پر عمل کرتا ہو اس فقہ میں نماز کا جو مسنون طریقہ ہے اس کے موافق نماز یاد رہے۔ اہل علم تو خیر پڑھتے پڑھاتے ہیں سیکھتے سکھاتے ہیں، ان کے علاوہ جو اور حضرات ہیں ان سے پوچھتا ہوں کہ کسی نے کسی عالم سے نماز سیکھی ہے؟ میں نے اس سے بڑے بڑے مجمعوں میں جہاں اہل صلاح تھے سوال کیا کہ نماز سنت کے مطابق پڑھنا کسی سے سیکھا ہے کہ قیام کیسے کریں، ہاتھ کیسے باندھیں، رکوع کیسے کریں، سجدہ کیسے کریں؟ جواب نفی میں ملتا ہے۔ جب نماز کا یہ معاملہ ہے تو پھر ختنہ، عقیقہ شادی غمی وغیرہ میں کس طرح عمل ہوتا ہوگا؟ پھر نکاح وطلاق، تجارت خرید وفروخت، معاملات یہ سب چیزیں سنت کے مطابق کیسے ہوتی ہوں گی؟

## ⑨② عبادت کی طرح تجارت بھی سنت کے مطابق کیجئے

اسی طرح تاجر کیلئے حدیث میں فرمایا گیا: التاجر الصدوق الامین مع النبیین

والصدیقین والشہداء[۱] یعنی دیانت دار اور راست گو تاجر قیامت میں انبیاء اور صدیقین وشہداء کے ساتھ ہوگا۔

یہ فضیلت اس تاجر کے لیے ہے جو سچا اور امانتدار ہو کہ اس کا حشر انبیاء وصدیقین کے ساتھ ہوگا، جس طرح ہماری نماز اگر سنت کے موافق ہوگی تو مقبول ہوگی، اسی طرح ہماری تجارت رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کے مطابق ہوگی آپ کی سنت کے مطابق ہوگی تو وہ بھی عند اللہ مقبول اور باعث اجر ہوگی، ایسا تاجر صادق اور امین کہلاتا ہے اور اس کا حشر عمدہ ہوگا، یعنی انبیاء وشہداء کے ساتھ ہوگا اور اگر اس کے خلاف ہو تو پھر معاملہ گڑبڑ ہو جائے گا، اس کا حشر فجار کے ساتھ ہوگا اس لیے ہر معاملہ میں سنت کا اہتمام اور اس پر عمل کیا جائے۔

## (۹۳) تین سہل اور اہم سنتیں

اس سلسلہ میں ایک بات اور عرض کئے دیتا ہوں کہ تین سنتیں ایسی ہیں جو عمل کرنے کے لحاظ سے تو سہل اور آسان ہیں لیکن ہیں وہ بڑی اہم کہ ان پر عمل کرنے سے خود ان کی برکات کا مشاہدہ ہوگا کہ مزید سنتوں کا ذوق وشوق پیدا ہوگا، دیگر سنتوں پر عمل کرنا آسان ہوگا انشاء اللہ، یہ تجربہ کی بات ہے۔ ان تین سہل سنتوں میں پہلی یہ ہے کہ سلام کی کثرت اور اس میں سبقت۔ کثرت کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کو سلام کرے، خواہ اس کو وہ پہچانتا ہو یا نہ پہچانتا ہو، سبقت کا مطلب یہ ہے کہ سلام کرنے میں پہل کرے۔ سلام کرنے میں عموماً لوگ یہ غلطی کرتے ہیں کہ سلام کا ہمزہ اور میم کی حرکت کو صاف ظاہر نہیں کرتے، اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ السلام علیکم کے بجائے سلام علیکم کہہ رہے ہیں اس لیے جب سلام کرے تو اس کے ہمزہ اور میم کی حرکت کو صاف ظاہر کر کے ادا کرے۔

دوسری سہل سنت یہ ہے کہ ہر بڑھیا کام اور جگہ میں داہنی جانب کو مقدم کرے اور ہر گھٹیا کام اور جگہ میں بائیں جانب کو مقدم کرے۔ مثلاً مسجد میں جانا ہے تو چوں کہ وہ بڑھیا جگہ ہے، اس لیے داہنا پیر داخل کرے اور اگر مسجد سے نکلنا ہے تو وہ اندر کے لحاظ سے

[۱] الترمذی، بحوالہ مشکوٰۃ، ۲۲۲

گھٹیا جگہ ہے اس لیے بایاں پیر پہلے نکالے، اسی طرح کپڑا پہنیں گے تو داہنی طرف سے اور اتاریں گے تو بائیں طرف سے، بیت الخلاء جائیں گے تو پہلے بایاں پیر رکھیں گے وہاں سے نکلیں گے تو پہلے داہنا پیر نکالیں گے۔

تیسری سہل سنت یہ ہے کہ ذکر اللہ کی کثرت کرے۔ جن نمازوں کے بعد سنتیں نہیں ہیں ان میں نماز کے فوراً بعد اور جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں ان میں سنتوں کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس مرتبہ الحمد للہ، چونتیس مرتبہ اللہ اکبر پڑھے، دن بھر میں ایک تسبیح کلمہ طیبہ، ایک تسبیح درود شریف، ایک تسبیح استغفار کی کم از کم ضرور پڑھے اس نیت کے ساتھ کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت بڑھے، اور غیر اللہ کی محبت گھٹے اور متفرق اوقات میں بغیر کسی تعداد کے سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر پڑھتا رہے، چاہے ملا کر پڑھے، چاہے الگ الگ پڑھے۔ بہتر یہ ہے کہ اوپر چڑھے تو اللہ اکبر کہے، نیچے اترے تو سبحان اللہ کہے۔ اور برابر زمین پر چلے تو لا الہ الا اللہ کہے۔

## ﴿۹۴﴾ بیمار امت کے لیے نسخۂ شفا

جس طرح ٹی بی کا مریض روزانہ ایک دوا کی گولی یا ٹیکہ استعمال کرے یا روز ایک انجکشن لگواتا رہے تو چند دن میں وہ طاقتور ہو جاتا ہے، اٹھ کھڑا ہوتا ہے، اسی طرح یہ امت بھی جو آج گمراہی میں مبتلا ہے اگر وہ سنت کی گولی استعمال کرے تو وہ بھی بہت جلد صحت مند ہو جائے گی اور ترقی کرنا شروع کر دے گی۔ یہ بھی فائدہ ہوگا کہ جب ہم سنت پر عمل کریں گے تو جو اس سے زیادہ ضروری چیزیں ہیں، ان کو بدرجۂ اولیٰ کریں گے، اور جو چیزیں چھوڑنے کی ہیں ان سے بچیں گے۔ جیسے گاڑی چلانے والا لال بتی کو دیکھ کر گاڑی روک لیتا ہے اور ہری بتی کو دیکھ کر آگے بڑھتا ہے وہی لال بتی اور ہری بتی والا قانون یہاں بھی ہے، لال بتی کیا ہے؟ حرام، ناجائز، مکروہ، ان سے بچنا اور یہاں رکنا ضروری ہے۔ ہری بتی فرض، واجب، سنت اور مستحب ان پر عمل کرنا اور ان کا اہتمام کرنا ضروری ہے، اسی سے انسان نیک اور صالح بنتا ہے۔

## ۹۵ اصلاح منکرات کا فریضہ پورا کیجئے

خود صالح بننے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی صالح بنانا بھی مسلمانوں کی ذمہ داری ہے، کچھ لوگ ایسے ہیں جو ناواقفیت کی وجہ سے برا کام کرنے لگ گئے ہیں، ان کی خبر گیری اور ان کی اصلاح کی کوشش کرنا یہ بھی تو مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ مان لیجئے مسجد کے قریب کسی کا مکان ہے، ہم نماز پڑھ کر آئے تو دیکھا کہ اس مکان سے دھواں نکل رہا ہے، آگ کے شعلے اٹھ رہے ہیں تو ایسے موقع پر کیا کریں گے؟ اگر دروازہ بند ہو کھٹکھٹائیں گے، اگر گھر والے سو رہے ہوں اور گھنٹی بجانے سے بھی کوئی اٹھتا نہیں، تو پڑوس کے مکان میں سے جا کر آگ بجھانا شروع کر دیں گے اور جس طرح ممکن ہو گھر والوں کو باہر نکالنے کی کوشش کریں گے۔ پس جس طرح اس آگ کو بجھانے کی فکر اور کوشش کرتے ہیں، اسی طرح جن کے یہاں دین کے اعتبار سے آگ لگ رہی ہو اس کو بجھانے کی بھی فکر اور کوشش ہم کو کرنا چاہیے۔ قرآن کریم کی آیت ہے: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ (آل عمران) تم میں ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو اچھی باتوں کا حکم دے اور بری باتوں سے روکے۔ آج دین کے اور کام تو ماشاء اللہ ہو رہے ہیں لیکن کیا برائیوں کے مٹانے کی بھی جماعتی طور پر محنت ہو رہی ہے؟ جس طرح مساجد و مدارس اور دیگر کاموں کیلئے کمیٹیاں بنی ہوئی ہیں اور جماعتیں قائم ہیں اسی طرح برائیوں کے مٹانے کیلئے بھی کوئی جماعت ہے؟ کیوں بھئی! جس طرح اچھائیوں کا پھیلانا فرض کفایہ ہے اسی طرح برائیوں کے مٹانے کیلئے جماعتی اعتبار سے محنت کرنا بھی تو فرض کفایہ ہے، لیکن آج اس سلسلہ میں غفلت ہو رہی ہے۔

## ۹۶ بے اصولی سے احتیاط کرنا چاہیے

اس سلسلہ میں عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ منکرات کی اصلاح کرنے سے فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ تو بھائی! بات یہ ہے کہ نہی عن المنکر سے فتنہ نہیں ہوتا بے اصولی کرنے سے فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ امر بالمعروف کا کام بھی بے اصولی سے کیا جائے تو اس میں بھی انتشار ہوگا، اگر یہ کام

فتنے کا ذریعہ ہوتا تو غور کیجئے شریعت میں اس کے کرنے کا حکم کیسے دیا جاتا، حالانکہ فتنہ وفساد شریعت میں سخت ناپسندیدہ ہے۔ تو اصل چیز جو فتنہ کا باعث بنتی ہے وہ بے اصولی اور حدود کی رعایت نہ کرنا ہے، میں اس کی ایک مثال عرض کرتا ہوں کہ آپ لوگ کسی بزرگ کی مجلس میں بیٹھے ہوں مثلاً حضرت مولانا علی میاں صاحب دامت برکاتہم تشریف لائے، فجر کے بعد ان کے پاس دس بارہ آدمی بیٹھ گئے، دین کی باتیں ہو رہی ہوں، اتنے میں ناشتہ کا انتظام ہو گیا تو اب منتظمین ان لوگوں سے کہنے لگیں کہ اچھا صاحب صبح سے آپ لوگ بیٹھے ہیں جانے کا نام نہیں لیتے تو آپ لوگ بھی ناشتہ میں شریک ہو جائیں، آپ ہی بتایئے اس عنوان سے کتنے لوگ ناشتہ میں شریک ہوں گے؟ اگر بھوک لگ رہی ہوگی تب بھی کوئی بیٹھنا گوارہ نہیں کریگا۔ لیکن اگر اسی بات کو اس طرح کہیں کہ آپ حضرات کو ناشتہ کرانے کا جی چاہتا تھا، لیکن موقع نہیں مل رہا تھا، خوش قسمتی سے آج موقع ہو گیا، حضرت مولانا کے ساتھ آپ حضرات بھی شرکت فرمالیں، دیکھئے یہ عنوان اتنا موثر ہوگا کہ اگر کسی کو اشتہا نہیں ہوگی تب بھی شریک ہو جائیگا۔

## ﴿۹۷﴾ برسوں میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہوا

مطلب یہ ہے کہ عنوان کا بڑا اثر پڑتا ہے آدمی حق بات کہے مگر اچھے عنوان سے کہے، یاد رکھئے! دین میں جب بھی فتنہ ہوگا تو بے اصولی سے ہوگا، اگر آداب کی رعایت رکھی جائے تو پھر فتنہ نہیں ہوگا۔ الحمدللہ دعوت کا کام کرتے ہوئے برسوں ہو گئے مگر ٹکراؤ اور نزاع کی نوبت کبھی نہیں آئی جبکہ بہت سے منکرات کی اصلاح ہوئی۔ ہلکے ہلکے کوشش کی جائے پھر اس کے مفید نتائج مرتب ہوتے ہیں، ہماری عیدگاہ میں دس ہزار کا مجمع ہوتا ہے۔ پہلے عید کی نماز کے بعد لوگ صدفی صد مصافحہ کیا کرتے تھے، لیکن نرم عنوان سے سمجھایا گیا بار بار بتلایا گیا کہ مصافحہ کرنا ملاقات کی سنت ہے عید کی سنت نہیں۔ اب الحمدللہ جیسے اور نمازوں میں ہوتا ہے کہ نماز کے بعد مصافحہ نہیں کرتے اسی طرح عید کی نماز کے بعد بھی لوگ مصافحہ نہیں کرتے۔ اسی طرح خطبہ میں پہلے دس فیصد لوگ بیٹھتے تھے محنت کی گئی، کوشش کی گئی تو اب صد فیصد بیٹھنے لگے۔ حالانکہ پندرہ پندرہ صفیں عیدگاہ کے باہر ہو جاتی ہیں لیکن سارا مجمع سکون کے ساتھ بیٹھا رہتا ہے، اور جب تک خطبہ ختم نہیں ہوتا کوئی نہیں اٹھتا۔